نشانِ منزل
پابندی صوم و صلوٰۃ
عبد اللطیف خان نقشبندی

نہ دیا نشانِ منزل مجھے اے حکیم تُو نے
مجھے کیا گلہ ہو تجھ سے تُو نہ رہ نشیں نہ راہی

نشانِ منزل

پابندئ صوم وصلوٰۃ

ایسی کتاب جس کے مطالعہ سے مسلمان
صوم وصلوٰۃ کا پابند ہو جاتا ہے

از

عبداللطیف خان نقشبندی
ڈائریکٹر (ریٹائرڈ) محکمہ موسمیات لاہور

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

297.52 Abdul Latif Khan
Nishan-e-Manzil: Pabandi-e-Soam-o-Salat. - Lahore :Sang-e-Meel Publications, 1999.
309p.
1. Islam-Abadat. 2. Islam-Soam-o-Salat.
I. Title.

1999

نیاز احمد نے

زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور سے چھپوا کر

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

سے شائع کی۔

تعداد — ۲۰۰۰

قیمت ۷۰/۰۰ روپے

ISBN: 969-35-0701-0

سنگ میل پبلی کیشنز لاہور

Sang-e-Meel Publications

25 Shahrah-e-Pakistan (Lower Mall) PO Box 997 Lahore-54000 PAKISTAN

Phones: 7220100-7228143 Fax: 7245101

http://www.sang-e-meel.com e-mail smp@sang-e-meel.com

Chowk Urdu Bazar Lahore Pakistan Phone 7667970

اِس کتاب کا احاطۂ مضامین

مسلمانوں کو دینِ اسلام سے دُور لے جانے والے عناصر کی وضاحت اور اُن کا آسان حل اِس کتاب میں پیش کرنے کے ساتھ پابندیٔ صوم وصلوٰۃ حاصل کرنے کے آسان اور دلچسپ طریقوں پر گفتگو کی گئی ہے۔ اِس سلسلے میں حسبِ ذیل عنوانات قائم کر کے اُن کو نہایت آسان اور دلنشین انداز میں بیان کیا گیا ہے جس کے مطالعہ کے بعد بیشتر لوگ اسلام کے بنیادی احکامات پر عمل پیرا ہونے لگتے ہیں:

- مسلمانوں کے اسلام سے دور ہونیکے متفرق وجوہات اور اُن کا قرآن وحدیث کی رُو سے حل۔
- ایمان کی تقویت کو حاصل کرنا اور مسلمانوں کے مادہ پرستی کی طرف میلانِ طبع کو نابود کرنا۔
- قوانینِ الٰہی کی صداقت سے متعلق شکوک وشبہات اور بے یقینی کو رفع کرنا۔
- یقین، عمل پیہم، ایمانیات اور دیگر اسلامی ضروریات کی اہمیت کو واضح کرنا۔
- اُن چھ نکات کی وضاحت جو مسلمانوں کی کمزوری کا باعث بنتے ہیں اور اگر اُن سے متعلق کسی کو وافر آگہی ہو جائے تو وہ کس طرح باعمل مسلمان بن سکتا ہے! وہ نکات یہ ہیں:

(i) ایمان باللہ (خدا کی ذات پر ایسے عقلی، قرآنی اور مشاہداتی دلائل قائم کرنا کہ خدائے تعالیٰ کی نافرمانی متصور نہ ہو سکے اور یہ کہ سائنس نے خدا کے ہونے کے ثبوت بہم پہنچائے ہیں)۔

(ii) کائنات کی تخلیق کا مقصد کیا ہے اور یہ تخلیق کیسے اور کن مراحل میں ہوئی؟

(iii) انسان، فرشتے اور ابلیس کے مقامات کی وضاحت اور طاغوتی طاقتوں کا مقابلہ کرنیکے طریق۔

(iv) اسلام کیا ہے اور ہم سے کیا چاہتا ہے؟ اور ارکانِ نماز کا باقی ارکانوں سے زیادہ اہم ہونے کی وضاحت۔

(v) اسلام دشمن عناصر سے آگہی اور ان کی مدافعت کے آسان طریقے۔

(vi) باعمل مسلمان بننے کے سہل نکات جن کے ذریعے اسلام کی ضروریات کی پابندی ہو سکے۔

- نمازی کیوں بے دین نہیں ہوتے، پریشانیوں، ذلتوں، بلاؤں، وباؤں، غربت، ظلمی اور دنیاوی عذابوں سے محفوظ رہتا ہے۔
- نماز کی راہ میں حائل مشکلات اور ان کا مؤثر حل کہ ہر کوئی آسانی سے نمازی بن سکے۔
- امتِ مسلمہ کو اپنی اصلاح، اسلاف کی پیروی، قرآن اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فراغ ممکن نہیں۔

اِنتساب!

بنام

حضورِ پُرنور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

و

جُملہ خواجگانِ نقشبند

از حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ تا خواجہ و مخدومِ مَن قبلہ حضرت علامہ علاؤ الدین صدیقی مدظلہ العالی، سجادہ نشین، دربار نیریاں شریف، ترارکھل آزاد کشمیر — اور اس فقیر کے درویش والدین رحمہم اللہ علیہما جن کی فیض رَس نگاہوں نے مجھے ملت و قوم کی خدمت کے قابل بنایا۔

خادم الفقراء

عبداللطیف خان نقشبندی

اظہارِ تشکر

وہ علماء و فضلاء، محسنین و مشفقین اور محبین جنہوں نے پاکستان اور بیرونی ممالک سے اس کتاب کی تدوین و ترتیب میں مصنف کی مدد فرمائی ہے، مصنف اُن تمام حضرات کا تہِ دل سے ممنون ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اُن کے لیے نیک جزا کا طلبی ہے۔

اُن تمام کرم فرماؤں کا ذکر تو اس جگہ کرنا ممکن نہیں جنہوں نے اس کتاب کی تکمیل میں تعاون کیا ہے، تاھم ان میں سے بالخصوص عاصم مجید خان نقشبندی اور خلیفہ شیخ فضل حسین نہایت بلند پایہ خراجِ تحسین کے مستحق ہیں۔ خدائے تعالیٰ انہیں ان کی نیک خدمات کے صلہ میں دارین کی سعادتوں سے سربلند و سرفراز فرمائے۔ آمین!

کتاب کے مطالعہ کے لیے اشارات

۱۔ وہ مضامین جو قارئین کی خصوصی توجہ کے طالب ہیں ان عبارات کے دائیں طرف حاشیہ پر ایک لکیر کھینچی گئی ہے۔ بعض مقامات پر توجہ طلب سطروں کے نیچے بھی لکیر کھینچی گئی ہے۔ وہ سرخیاں جن کا پورے کا پورا مضمون خاص اہمیت کا حامل ہے ان کے دائیں جانب ایک چھوٹی سی لکیر موجود ہے۔

۲۔ قارئین اپنی معلومات اور یادداشت کے لیے مخصوص عبارات پر نشان لگالیں تو انہیں ثانوی مطالعہ میں مدد ملے گی۔

۳۔ اس کتاب کو خود پڑھنے کے بعد بالائے طاق نہ رکھا جائے بلکہ اپنے بچوں اور دوستوں کو پڑھنے کے لیے دیتے رہیں۔ اس کا اجر بھی آپ کو ہی ملے گا۔

۴۔ کچھ صاحب استطاعت لوگ اگر خواہشمند ہوں تو اس کتاب کی مزید اشاعت کروا کے سستے داموں تقسیم کریں۔ مصنف کی اجازت بہرحال ضروری ہوگی۔

۵۔ اہلِ حکومت اور صاحب ثروت لوگوں سے اپیل ہے کہ تین اور پانچ روزہ درسوں کا سلسلہ جاری کروائیں کیونکہ اس کتاب میں بیان کردہ طریقہ بہت موثر ثابت ہوا ہے۔

فہرست

عنوان	صفحہ

حمد و ثنا

از مُصنّف

لائقِ حمد و ثنا ہے خالقِ یکتا کی ذات
جس نے کی ہے وقفِ عشقِ مصطفٰے یہ کائنات

حمد پھر بے حد کہ ہم کو اُمتی اُسکا کیا کرم پر جس کے ہیں جن و بشر، ارض و فلکیات
ہم درود اُن پر پڑھیں ہم اِسکے بھی لائق نہیں آپ ہی بھیجیں رسولِ پاکؐ پر یارب صلوات

اِسقدر محبوب کی محبوب ہے تجھ کو ادا
تُو نے اُسوۂ محمدؐ کو کہا آبِ حیات

مصطفٰے دیباچہ ہیں متنِ کتابِ ذات کے اور یہ عالم ہے لولاکِ لما کی باقیات
تیرا محبوبِ مکرم تیری رحمت کا امیں اُسکے ہیں زیرِ تصرف، ممکن و ناممکنات

جن کی اِک نظرِ کرم سے سب جہاں بدلا گیا
اُن کے عاشق توڑ دیتے ہیں طلسمِ سومنات

آج بھی اُن کی رسالت سے فضائیں تازہ ہیں دے رہے ہیں آج بھی مُردہ دلوں کو وہ حیات
لازم و ملزوم ہیں عشقِ نبیؐ، عشقِ خدا اِس لیے کھلتی نہیں بن مصطفٰے اللہ کی بات

اُلفت حق ہے اگرچہ ہر رگِ جاں سے عزیز
ہم پہ ہیں ہر شئے سے بڑھ کر مصطفٰے کے واجبات

عمر گر سجدہ ریزی میں گذر جائے لطیف اِس سے بہتر ہیں نبیؐ کی اِک نظر کے التفات

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

آخر اپنے عاشقوں کا آپؐ رکھتے ہیں بھرم

آپؐ ہی شاہِ عرب ہیں، آپ ہی شاہِ عجم — بارے رحمت، بخششِ حق، منبعِ جود و کرم
آپؐ کی تعریف، حسنِ خو، کمالِ اختیار — ہوں بیاں کیا، قاصر تحریر ہے اِس قلم
نامِ اللہ ہے جہاں، ہے آپکا بھی نام پاک — ہر عبادت میں ہے شامل نامِ نامی بیش کم

سب سے پیارا آپکا روضہ ہے روضے کی قسم
سبز گنبد کی قسم، اُس کے نظاروں کی قسم
آپؐ کے گنبد کی پرچھائیں نہ ہونے کی قسم
ہے رسالت آج بھی زندہ بہ ایں جاہ و حشم

معرفت کے ہیں خزینہ، کعبۂ اسرار آپؐ — آپکے در پہ ہیں نبیوں کے سرِ تسلیم خم
روزِ محشر نفسا نفسی جب پکاریں گے نبی — آپؐ ہی اٹھیں گے لیکر عامِ بخشش کا علم
آپکے صدیقؓ کو دیکھے گی جب ذاتِ خدا — سرد ہو جائیگا قہرِ باری تعالیٰ ایک دم
حرمتِ کعبہ ہے گرچہ عظمتِ حق کے سبب — مانتا ہے آپکی حرمت کو اللہ کا حرم
بندگانِ اُمتِ سرکار کی ہے کیسی شان — حق نے بخشا اُنکی نظروں کو مسیحائی کا دم
اولیا اُمت کے جیسے انبیاء کے ہم نشیں — آپکی اُمت اِسی باعث ہوئی خیر الامم
آپکے در سے ملا جسکو ملا، جب بھی ملا — آخر اپنے عاشقوں کا آپ رکھتے ہیں بھرم

عمر بھر میں آپکی اُمت کی خدمت میں رہا
کھا گیا سرکار مجھ کو آپ کی اُمت کا غم

رات بھر روتی رہے اُمت کے غم میں جو لطیف — رشکِ کوثر کیوں نہ ہو جائے بھر اُن آنکھوں کا نم

منقبت بحضورِ علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ حضرت داتا گنج بخش

رفعتِ ہجویری می دانی بہ کیست؟
مصطفےٰ را عشق، او را زندگیست

یادِ او سرمایۂ ہر دو جہاں
عاشقاں را نامِ او وردِ زباں

بود ذکرِ حق بہ ہر ہر موئے او
جز محمدؐ او نہ دارد رنگ و بو

نامِ تو موصوف با اسمِ علی
زانکہ تو داری بہ او نسبت جلی

تو فروزی اولیا را مشعلے
نقشِ پائے تو حیاتِ کاملے

صرف کردی در طریقت عمرِ خویش
از تو زندہ شد طریقت بیش بیش

آں مقامِ عشق کہ داری عیاں
یک جہانِ زہد می بینم دراں

قوم را غم خوردہ تو روز و شب
جاہِ تو دی روز نشد بے سبب

در کمالات تو می بینم خلوص
جہد تو، لاریب، خدمت را فصوص

زندگی کردی نشاطِ خلق تو
غازیٔ اسلام، صاحب دلق تو

از تو کفرِ ہندیاں شد پاش پاش
از نگاہت کہ گوید بت تراش

ایں ہمہ کارے بہ حسنِ ذاتِ تو
ما مسلمانیم از برکاتِ تو

عصرِ ما مردہ و آساید نحیف
یک علی ہجویریؒ می باید لطیف

سماجی
عبداللطیف خان (ڈائریکٹر (ریٹائرڈ)) ساکن ای-۱۰/۱، اے-۱ توسیع ذوالفقار سٹریٹ کیولری گراؤنڈ لاہور کینٹ

تاثرات

زیرِ نظر کتاب کے مؤلف و مصنّف پیر عبداللطیف خان نقشبندی دینی و دنیاوی تعلیم کے زیور سے آراستہ، اخلاق و اخلاص اور شریعت و طریقت کے اعتبار سے ایک جامع شخصیت کے حامل ہیں۔ آپ نے کتاب کو بڑی بالغ نظری اور دقیق فکر سے آراستہ کر کے طالبینِ راہِ حق کے لئے جو آسانیاں فراہم کی ہیں اس کے لئے آپ انتہائی تحسین کے مستحق ہیں۔

مصنف موصوف ایک طویل عرصے سے تبلیغی فریضے کی انجام دہی میں کامیابی کے ساتھ مصروف ہیں۔ آپ نے اسلام کو سمجھنے کے لئے اس کتاب میں بہت ہی دلچسپ اور قابل تسلیم معلومات فراہم کی ہیں۔

مؤلف نے اس کتاب میں عبادت کا شوق پیدا کرنے میں ایک خاص طریقہ اختیار کر کے ملّت کے خفتہ مزاجوں کو حسن و خوبی کے ساتھ بیدار کر کے عملی زندگی گزارنے کے لئے آمادہ کیا ہے مسلمانوں کو جدّت کردار، تعمیر سیرت اور حسنِ اخلاق کے جوہر سے مزیّن کرنے میں بڑی حسین تدبیر سے کام لیا گیا ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی عمر دراز کرے اور فیضان میں وسعت قائم رہے۔

علامہ علاؤالدین صدیقی نقشبندی
سجادہ نشین، دربار نیریاں شریف
تراڑ کھیل (آزاد کشمیر)

مورخہ ۲ محرم ۱۴۱۳ھ
بمطابق ۴ جولائی ۱۹۹۲ء

اِس کتاب کی اِمتیازی حیثیت

مسلمانوں کی انفرادی اور ملک گیر اصلاح کی راہ

مصنف نے عام مسلمانوں کے دینِ اسلام سے دور ہونے کی وجوہات کا جائزہ لیا اور اِس کی راہ میں حائل شدہ عصری مشکلات، شدید نفسانی مزاحمات اور ماحول کی معنی خیز رکاوٹوں کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد ایک ایسا طریقہ وضع کیا ہے جس کی مدد سے اب ہر مسلمان نہایت آسانی سے سچا اور پکا مسلمان ہونے کی سعادت حاصل کر سکتا ہے۔ مصنف نے ایک طویل عرصے سے مختلف مقامات پر لوگوں کے اجتماعات کا اہتمام کیا اور ہر مقام پر تین یا پانچ روزہ درسوں کو (۱½ گھنٹہ روزانہ کی مدت کے لیے) جاری کیا، جس کے نتائج بہت حوصلہ افزا ثابت ہوئے اور ہزاروں لوگ رُشد و ہدایت کی راہ پر چل نکلے۔ یہ کتاب اِن پانچ روزہ درسوں میں بیان ہونے والے مضامین کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اِس کی اشاعت اِس نیت سے کی جا رہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ مسلمان اِس سے استفادہ کر سکیں۔ اِس کتاب کا ہدیہ اِس کی لاگت سے بھی بہت کم رکھا گیا ہے۔ تاکہ ہر کوئی اِسے خرید سکے۔

مذکورہ بالا درس آج بھی آپ کی رہائش گاہ اور دیگر مقامات پر دیئے جاتے ہیں جن میں جدید اور سائنٹیفک طریقے پر اسلام کے مختلف موضوعات کی وضاحت کی جاتی ہے اور اِس کے سُننے والے نہ صرف اسلام کے مختلف حقائق سے روشناسی حاصل کرتے ہیں بلکہ والہانہ محبت کے ساتھ رُشد و ہدایت کی راہ پر چلنے کے لیے بیقرار ہو جاتے ہیں۔ درسوں کے اِس تجرباتی تسلسل کے بعد یہ محسوس کیا گیا ہے کہ عام مسلمانوں کو اسلام کے بلند پایہ کمالات اور وسیع تر قدروں کا اندازہ اُس وقت تک ہونا ممکن نہیں جب تک اِن تمام خوبیوں کو دل نشین انداز میں اُن پر بیان نہ کیا جائے جو کہ اسلام میں رکھی گئی ہیں۔ افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں کی بھاری اکثریت

نورِ اسلام کی رنگینیوں کو دیکھنے سے عمر بھر اس لیے محروم رہتی ہے کہ تمام اسلامی ذرائع
ابلاغ بہت محدود اور غیر تسلی بخش ہیں۔ جب تک حکومت یا متمول افراد کے تعاون سے اسلام کے
متعلقہ علوم اور حقائق کو عقلی اور نقلی دلائل کے ساتھ مسلمانوں پر واضح کرنے کا انتظام نہ کیا
جائے اُس وقت تک بے چارہ مسلمان نام کا ہی مسلمان رہے گا اور پوری دنیا کی قوموں سے
پٹتا ہی رہے گا۔

اسلامی معلومات کو دلچسپ طریقے سے بہم پہنچانے کے علاوہ ان تین اور پانچ روزہ
درسوں کا تسلسل اس لیے بھی ضروری خیال کیا جاتا ہے کہ لوگوں کے دلوں سے شیطانی اثرات
کو کم سے کم عرصے میں دور کیا جا سکے۔ مسلمانوں کے ایمان کی یہ درستی مروجہ طویل وقفوں میں رُک
رُک کر دیئے جانے والے درسوں سے ممکن نہیں۔ ان درسوں کی کامیابی کی ایک اہم وجہ یہ بھی
ہے کہ اس طریقے میں "قال" کو رونق بخش، حیات بخش اور گراں مایہ "حال" میں اس طرح
تبدیل کیا جاتا ہے کہ ہر سامع ایک قابلِ تحسین اور جواں تر ولولہ لے کر اٹھتا ہے۔ دلوں میں پیدا
ہونے والا یہ حال اگر کسی کو میسر آجائے تو اس میں تعمیرِ اخلاق، اصلاحِ عقائد، تطہیرِ اعمال،
تزکیۂ نفس اور دیگر صفات کا حاصل ہونا یقینی ہو جاتا ہے۔ ایسے صاحبِ حال لوگ کچھ عرصہ
میں نورِ یقین، فراست، اسلامی یگانگت اور پیہم قوتِ عمل کی دولت سے مالا مال ہو جاتے ہیں۔
یہی وہ طریقہ ہے جس کے ذریعے اسلام سے بھٹکے ہوئے لوگ چند دنوں ہی میں نئی لگن اور
مزاج میں پاکیزہ زندگی کا ذوق پیدا کر کے وصلِ الٰہی کی منزل سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے
بعض لوگ جو نورِ طریقت سے خود کو مزین کرتے ہیں وہ اپنے ماحول میں ذوقِ ایمانی کے جلوے
بکھیرنے لگتے ہیں:

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا (جس کا جی چاہے اپنے رب کے جوارِ رحمت میں
اپنا ٹھکانا بنالے۔ النباء: ۳۹)

اگر اس طریقے کو وسیع پیمانے پر رائج کیا جائے تو قلیل عرصے میں ملک گیر اصلاح ممکن ہے۔
اہلِ حکومت اور اہلِ ثروت لوگ توجہ فرمائیں۔ دیکھیں یہ سعادت کس کو حاصل ہوتی ہے!

عبد المجید خان
ملٹری اکاؤنٹنٹ جنرل (ر) پاکستان

غرضِ تالیف

اُمتِ مُسلمہ جس عزیت کی حالت سے گذر رہی ہے وہ عصرِ حاضر کے رہنے والوں سے پوشیدہ نہیں۔ یہ وہ وقت ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں محبتِ اسلام کی آخری چنگاری بھی سرد ہوتی جارہی ہے۔ دنیا کے مال و دولت کی محبت، جاہ و حشمت کی رغبت، شہرت و کرسی کی طلب، نام و ناموس کی حسرت، آرام و آرائش کی چاہت نے لوگوں کو دیوانہ بنا رکھا ہے اور جسے بھی دیکھو وہ حصولِ مال و زر کی دوڑ میں سرگرداں ہے۔ لوگوں نے کامیابی کا معیار، مال اور آسائشوں کی فراوانی کو قرار دے رکھا ہے اور اس کے حصول کی انتھک کوششوں کے باوجود لوگوں میں مسلسل تنگی، پریشانی، تشویش، تذبذب، خوف اور مصائب میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے بلکہ ہر روز نئی نئی مشکلات، بیماریاں اور پریشانیاں اُن کے سر پہ منڈلاتی نظر آتی ہیں۔ افسوس کی بات ہے کہ مسلمان اِن مصائب سے بے حد بدحواس ہو چکے ہیں اور انہیں اس بات کا معمولی سا احساس بھی نہیں رہا کہ اُن تمام مشکلات کا حل اُن کی طلبِ دنیا کی دوڑ دھوپ میں نہیں بلکہ ایک ایسا زود اثر نسخہ کیمیا کے استعمال میں ہے جسے ان کے خالق نے تخلیقِ کائنات سے پہلے ہی تجویز کر دیا تھا یعنی ؎

با تو ما سازیم، تو با ما بساز (ہم تمہارے ساتھ موافقت کرتے ہیں تم ہمارے ساتھ موافقت کرو)

مسلمانوں کی تمام مشکلات اور مصائب کا ایسا حل، بالتفصیل اس کتاب میں دے دیا گیا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء اور اولیائے کرام کے ذریعے ہم تک پہنچایا ہے۔ اس پیش کردہ حل کو صفحہ قرطاس پر لانے سے بہت عرصہ پہلے نہایت کامیابی کے ساتھ ہزار ہا لوگوں پر آزمایا جا چکا ہے۔ یہ بات یقینِ کامل کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اس سے زیادہ آسان، مؤثر اور زود اثر نسخے کا ابھی تک کسی کی نظر میں آنا شاید نادر یا ید ہی ہو۔

وہ سنہری اصول جو اس کتاب میں بیان کیا گیا ہے یہ ہے کہ جو شخص خدا کی بادشاہت میں سکھ کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے تو اُسے چاہیئے کہ وہ اپنے رب کو راضی کر لے

قارئین خدا کو راضی کرنے کے الفاظ سے یہ غلط تاثر نہ اخذ کریں کہ انہیں سخت ریاضتوں، عبادتوں یا مجاہدوں کے لئے آمادہ کیا جائے گا۔ یہ سخت مجاہدات تو صرف اولیائے کبار کے لئے ہیں اور سیدھے سادھے مسلمانوں کے لئے تو اسلام کے پانچ بنیادی ارکان پر عمل پیرا ہونا ہے جو ایک آسان امر ہے۔ ان پانچ بنیادی ارکان میں حج تو عمر بھر میں صرف ایک بار حسب استطاعت کے اور رمضان کے روزے اور زکوٰۃ بھی سال میں ایک بار ہوتے ہیں مگر سب سے زیادہ توجہ طلب رکن تو نماز ہے جو دن میں پانچ بار پڑھنا ضروری ہے اور جس کے بغیر انسان کا دین میں کوئی حصہ نہیں نماز کے بغیر کسی عقدہ یا مشکل کا حل قطعاً ناممکن ہے۔ یہ بات بھی ہر کوئی جانتا ہے کہ مسلمانوں کی بھاری اکثریت کے لئے نماز کا ادا کرنا ایک بہت مشکل امر ہے لیکن آپ کو یہ معلوم کرنے کے بعد فرحت محسوس ہو گی کہ راقم الحروف نے اس کتاب کے آخری صفحات میں نماز کو نہایت آسانی سے قائم کرنے کے طریقے تجویز کئے ہیں مزید برآں نماز کی اہمیت، اسلام کی احادیث اور انسان کی تخلیق کی غرض و غایت اور باقی تمام متعلقہ علوم کی اہمیت کو بھی کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے تاکہ عوام کو متعلقات اسلام کا بخوبی علم ہو سکے اور ساتھ ہی ساتھ ان کی اسلام سے دلچسپی میں اضافہ ہو سکے مسلمانوں کی اکثریت چونکہ خدا کی ذات پر مطلوبہ یقین کی حامل نہیں، اس لئے اس موضوع پر بہت سارے شواہد، دلائل اور براہین قائم کئے گئے ہیں تاکہ ان کی اس کمی کا خوبصورت انداز میں ازالہ ہو سکے۔
راقم الحروف کا مشاہدہ ہے کہ بقول علامہ اقبالؒ "ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی" اس ملت کے افراد پر جب اسلام کے بنیادی علوم پوری تفصیل کیساتھ پیش کئے گئے تو ان کے قلوب حیرت انگیز طور پر رشد و ہدایت کی راہ پر چل نکلے اور اس کے بعد یہ احساس ہوتا ہے کہ ان محروم ذوق لوگوں پر اسلام کے خزانوں کو کماحقہٗ بہت کم پیش کیا جاتا ہے۔ اگرچہ محدود وسائل کے باعث اسلام کا یہ طریقۂ تعلیم بڑے پیمانے پر پیش نہیں کیا جا سکا تاہم چھوٹے پیمانے پر ہزاروں مسلمانوں کو ابتک پابندیٔ صوم صلوٰۃ پر آمادہ کیا جا چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو بڑے پیمانے پر رائج کرنے کیلئے حکومت اور متمول حضرات کو رغبت عطا فرمائے۔ وما التوفیق الا باللہ۔

مورخہ ۱۶ جمادی الثانی ۱۴۱۳ھ
(بمطابق ۱۲ دسمبر ۱۹۹۲)

عبداللطیف خان نقشبندی
ڈائریکٹر (ریٹائرڈ) محکمہ موسمیات لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

از
حضرت علامہ مفتی محمد خاں قادری مدظلہ

اللہ رب العزت نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کو "امتِ وسط" قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا	اور اسی طرح ہم نے تمہیں امتِ وسط بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور یہ رسول تم پر گواہ ہے۔

(البقرہ، ۱۴۳)

امتِ وسط کا خاصہ یہ ہے کہ وہ زندگی بسر کرنے میں اعتدال کی راہ پہ گامزن رہے۔ یعنی کسی معاملہ میں افراط و تفریط نہ ہو۔ مثلاً اسلام نہ تو ایسی رہبانیت کا درس دیتا ہے کہ انسان اپنے نفس اور دیگر بندوں کے حقوق کو ترک کر کے دنیا سے کنارہ کش ہو جائے اور نہ ہی اس کی یہ تعلیم ہے کہ دنیا کو اپنی منزل اور اس طرح مقصود بنا لیا جائے کہ انسان اپنے خالق و مولا ہی کو بھول جائے۔ قرآن و حدیث میں اس موضوع پر بالتفصیل گفتگو موجود ہے۔ یہاں تین مقامات کا ذکر نہایت ہی قابلِ توجہ ہے۔

(۱) دنیاوی نعمتوں کو بندوں کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ	اے حبیب انہیں فرمائیے کہ بندوں کے لیے اللہ کی پیدا کردہ زینتوں اور پاکیزہ رزق کو بندوں پر کس نے حرام کیا؟ فرمائیے یہ تو دنیا میں مومنوں

الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ — کے لیے (بھی) ہیں اور آخرت میں صرف انہیں کے لیے ہوں گی۔

(اعراف ، ۳۲)

اِس آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ دنیاوی نعمتوں کو اپنے اوپر حرام کرلینا یا یہ کہنا کہ ان کا استعمال اور حصول حرام ہے، غلط ہے جبکہ اپنی دنیوی زندگی کو بسر کرنے کے لیے اعتدال کے ساتھ اِس کا حصول ضروری ہے۔

(۲) دوسرے مقام پر اِس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ دنیا کا حصول عیب و گناہ نہیں بلکہ اس کو مطمحِ نظر اور مقصود بنالینا ناپسندیدہ ہے۔ ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۙ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ (یونس، ۷، ۸)

وہ لوگ جو ہماری (اللہ کی) ملاقات کے امیدوار نہیں اور دنیاوی زندگی کے ساتھ خوش اور راضی ہو گئے ہیں اور وہ لوگ جو ہماری آیات سے غافل ہیں ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے کیونکہ اُن کا عمل ہی ایسا تھا۔

(۳) آیت بِرّ میں دونوں چیزوں کو جمع کرتے ہوئے فرمایا کہ نیکی صرف یہ نہیں کہ تم صرف مشرق و مغرب کی طرف منہ کرلو بلکہ نیکی عقائد و اعمال کے مجموعے کا نام ہے اللہ تعالیٰ پر ایمان، مرسلانِ کرام، آخرت، ملائکہ پر ایمان، یتامیٰ، مساکین، مسافر، غریب رشتہ دار، معاشرے کے نادار پہ خرچ کرنا، مشکلات و مصائب میں استقامت و صبر کی راہ اپنانا اور حق کہنا، وعدہ کا ایفا کرنا نیکی ہے۔ ان کے تذکرے کے بعد فرمایا:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ — یہی لوگ سچے اور یہی متقی ہیں۔

(البقرہ ، ۱۷۷)

یعنی اِس کے علاوہ اگر انسان کسی راہ پر چلتا ہے تو وہ درست نہیں۔ آج اُمتِ مسلمہ میں، عمومی طور پر دو قسم کے لوگ ہیں بعض ایسے ہیں جو اپنے آپ کو مذہبی سمجھتے ہیں اور ان کی

سوچ یہ ہے کہ نماز، روزہ کر لینا ہی کافی ہے۔ وہ صرف حقوق اللہ کی ادائیگی میں کوشاں رہتے ہیں۔ اِن کے نزدیک اِس کے علاوہ باقی تمام معاملات ملکی، قومی، ملی اور علمی امور انجام دینا دُنیا ہے۔ اور دوسری قسم کے لوگ صرف حصولِ دنیا میں مگن ہیں۔ اِن کے ہاں عبادات کا تصور مٹتا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہماری اکثریت بے نماز ہے۔ یہ تقسیم کیوں ہوئی؟ اسلام کی تعلیمات سے عدمِ واقفیت کی وجہ سے۔ اِس عدمِ واقفیت کو دور کرنے کے لیے ہر دَور کے علماء وصوفیاء نے اپنے اپنے حالات کے مطابق کام کیا۔ موجودہ دَور میں بھی اِس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کچھ اہلِ درد کوشاں ہیں ـــــ ان میں سے ایک شخصیت محترم پیر عبداللطیف خاں نقشبندی مدظلہ، ڈائریکٹر (ریٹائرڈ) محکمہ موسمیات لاہور ہیں، جنہوں نے بڑی گہری نظر سے اِس دَور کے حالات کا جائزہ لیا پھر اِس کے اسباب کا کھوج لگا کر اِس کا اسلامی حل تلاش کرنے کی کوشش کی۔ زیرِ نظر کتاب میں اِسی موضوع وعنوان پر گفتگو ہے۔ اِس کتاب میں مصنّف نے عقائد واعمال کو عقلی ونقلی دلائل سے ثابت کر کے عوام کو اسلام کے سنہری اصولوں اور ضوابط کے قریب لانے کی اہم کوشش کی ہے۔ ہر قاری محسوس کرے گا کہ مصنّف صاحبِ مطالعہ ہیں۔ اُنہوں نے ہر موضوع پر کتاب وسنت اور کتبِ تصوّف سے کافی مواد فراہم کیا ہے۔ یہ کتاب قاری کو علمی سیرابی کے ساتھ ساتھ متعدد کتب کے مطالعہ سے بے نیاز کر دے گی۔ اِس کے مطالعے سے انسان کے عقائد واعمال کی اصلاح ہوگی۔ دل عبادت کی طرف متوجہ ہوگا۔ تن کے نمازی من کے نمازی بننے کی کوشش کریں گے اور اِس کے لیے اِس میں عملی رہنمائی پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ مؤلّف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ہمیں اُن کی محنت سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین

دُعاجُو،

محمّد خان قادری

جامعہ رحمانیہ ۵ شادمان، لاہور

۲۰-۷-۹۲

تبصرہ

پیر طریقت، رہبر شریعت، مبلغ اسلام، مفسر قرآن اور عاشق اقبال جناب حضرت عبد اللطیف خاں صاحب نقشبندی نے مجھے یہ حکم صادر فرمایا کہ تم نے اس کتاب بعنوان "نشانِ منزل" یعنی زیر نظر کتاب پر تبصرہ تحریر کرنا ہے جو انہوں نے حال ہی میں تحریر فرمائی ہے۔ فوری طور پر میں نے اپنی ایمانی و ایقانی اور علمی و تحقیقی کم مائیگی کے نشتر احساس کو چبھتا ہوا محسوس کیا۔ جب یہ حتمی حکم نازل کر دیا گیا تو میں نے خدا تعالیٰ کے حضور دعا کی کہ اے مولا کریم اس عظیم تخلیق کے لیے الفاظ اور خیالات مجھے اپنے دربار سے عطا فرما کیونکہ میں گنہگار، حقیر و ناچیز اتنے بڑے اہم مسئلے کا اہل نہیں ہوں۔ بالآخر خدا تعالیٰ نے اپنے بندے کی پکار کو سنا، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ" (میں دعا کرنے والے کی دعوت کو قبول کرتا ہوں، جب وہ دعا مانگتا ہے)۔

میرا رابطہ حضرت عبد اللطیف خاں صاحب کے ساتھ تقریباً ۸۲-۱۹۸۳ء سے ہے۔ مجھے ان کی زیارت کا شرف میرے ایک دوست کے ذریعے ہوا جب وہ ایک دن مجھے اُن کے در دولت پر لے گئے جہاں حضرت صاحب ہر جمعرات کی شام کو مجلس تبلیغ اسلام منعقد فرماتے تھے۔ آپ کی مجالس میں قرآن اور حدیث کے علاوہ کبھی کبھی تصوف، مثنوی مولانا رومؒ، اقبالیات اور دیگر صوفی شعراء کے کلام پر بسیط گفتگو ہوا کرتی تھی۔ میں یہ دیکھ کر بہت متاثر و مسرور ہوا کہ حضرت صاحب سرکاری افسر بھی ہیں اور مبلغ اسلام بھی اور اس کے علاوہ آپ اپنے خرچ پر حاضرین مجلس کی تواضع بھی فرماتے ہیں۔ یہ لمحہ میرے لیے انتہائی مسرت و انبساط کا لمحہ تھا اور میں صد درجہ دلی طور پر عقیدت و احترام کے سلسلے میں بندھ گیا اور ہنوز یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔

مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ میں اُن کی روحانی محافل میں شرکت کرتا رہا اور ایک گونہ روحانیت اسلام اور اُس کے بنیادی فلسفوں سے فیضیاب بھی ہوتا رہا۔ انہوں نے صرف اور صرف تبلیغ اسلام کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے۔ آپ تصوف پر بے شمار کتب کے مصنف بھی ہیں اور یہ سلسلہ بڑے زور و شور اور ذوق و شوق سے جاری رکھے ہوئے ہیں۔

ع اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے

زیرِ تبصرہ کتاب بھی اُن کی اہم ترین تخلیقات میں سے ایک ہے، جس کا نام "نشانِ منزل" (پابندیٔ صوم وصلوٰۃ) ہے۔ علامہ اقبال کے ایک مصرعہ "نہ دیا نشانِ منزل مجھے اے حکیم تو نے" سے متاثر ہو کر آپ نے اپنی کتاب کا نام "نشانِ منزل" ہی تجویز فرمایا ہے اور اس نام کے ساتھ ایک ذیلی عنوان بھی دیا ہے۔ جیسے "نماز"، "پابندی صوم وصلوٰۃ"، "اسلام اور روحانیت" اور "اخلاقیات" وغیرہ۔ میں سمجھتا ہوں اس کتاب کا موضوع اگرچہ "پابندیٔ صوم وصلوٰۃ" ہے لیکن آپ نے اس تحریر کو اور اپنی دوسری تصانیف کو بھی کافی حد تک تصوّف یا روحانیت کے انداز میں بیان کیا ہے اور ان کے مضامین میں روحانیت کا اچھا خاصا ذکر ملتا ہے۔ جس کی وجہ سے آپ کی کتابوں کو ہم تصوّف کی کتابوں میں بھی شمار کر سکتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس موضوع تصوّف پر بے شمار قلم آرائی ہوئی ہو گی لیکن جس انداز سے اور جس رنگ و آہنگ سے خان صاحب نے یہ کتابیں تحریر کی ہیں۔ یہ تصوّف کے ضمن میں رہتی دنیا تک روشنی کا مینار اور دنیائے اسلام میں گرانقدر دینی علم کا بیّن اضافہ تصور کیا جائے گا۔ عصرِ حاضر میں اس کتاب کی ضرورت و احتیاج اس قدر اہمیت کی حامل ہے کہ انہوں نے "نماز کی اہمیت" کا ایک باب تحریر فرما کر ہمارے معاشرے میں نماز جیسے انتہائی اہم دینی اور اسلامی ستون کی قدر و منزلت اور مقام کو دلچسپ انداز میں واضح کیا ہے جس کا تعین ایک مسلمان کے لیے نہایت ضروری تھا۔ یہ کام انہوں نے کمالِ حسن و دل بستگی کے ساتھ انجام دیا ہے اور حقیقتاً یہ کوئی معمولی کام نہیں تھا۔

ع ایں سعادت بزورِ بازو نیست

اِس کتاب میں ایک اور خوبی یہ بھی ہے کہ اِس میں صرف پابندیٔ صوم وصلوٰۃ پر ہی گفتگو نہیں کی گئی بلکہ آپ نے پابندی صوم وصلوٰۃ کی راہ میں حائل تمام مشکلات کا جائزہ لیا ہے اور اُن تمام مشکلات کا نہایت آسان اور زود اثر حل تجویز فرمایا ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ اِس کتاب کا لُبِ لُباب یہ ہے کہ اگر انسان خدا سے اپنی دوریوں کو سمیٹتا چلا جائے اور اُس کے چیدہ چیدہ احکامات کو ادا کرتا رہے تو کوئی مشکل یا مصیبت اُس کی راہ میں حائل نہیں رہتی۔ آپ کا خیال ہے کہ لوگوں کی بیشتر مشکلات تو خدا کے ضروری احکامات کی اتباع سے ہی رفع دفع ہو جاتی ہیں اور اگر اس کے بعد بھی کچھ

مشکلات نظر آئیں تو اُن کو اضافی نیک اعمال مثلاً وظائف، نوافل اور خیرات کے ذریعے آسانی سے دور کیا جا سکتا ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ بلاؤں اور مصیبتوں کے تیر وہاں گرتے ہیں جہاں لوگ خدا کی نافرمانی پر کمربستہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ العنکبوت میں فرمایا ہے کہ کیا ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ بُرے کرتوت کرتے رہیں گے اور ہم سے بچ کر بھی نکل جائیں گے؟ یہ اُن کا بہت ہی خام خیال ہے۔ ایک اور مقام پر فرمانِ باری تعالیٰ ہے کہ نافرمان لوگ مصائب اور آلام میں پھنستے ہی رہیں گے اور جب تک اللہ سے اپنا رابطہ قائم نہ کریں گے، پٹتے، لُٹتے اور مرتے ہی رہیں گے۔ چنانچہ جب رنج والم، امراض ومصائب اور مرگِ مفاجات کے تیر چلتے ہوں تو اس کا سب سے بہتر علاج یہ ہے کہ تیر انداز (یعنی خدا) کے پہلو میں آجاؤ۔ تیر انداز کے پہلو میں آنے سے مراد یہ ہے کہ دن بھر میں چند منٹ اللہ تعالیٰ کے سامنے سرِ نیاز کو جھکا دو اور اس کی نافرمانیوں سے بچتے رہو۔ اور یہ کتنا آسان علاج ہے۔ کون نہیں جانتا کہ ہدایت ایک ایسا عظیم انعام ہے جو صرف صالحین کو ہی ملتا ہے اور گمراہی ایک ایسی سزا ہے جو بدکاروں کے لیے ہی مخصوص ہے۔

اپنی اس کتاب میں یقین کے باب میں حضرت صاحب تحریر فرماتے ہیں "جن لوگوں کے ہاں علم یقین پیدا نہیں کرتا ایسے لوگوں کے لیے علم پر عمل کرنا بھی محال ہے۔ یہ بات قابلِ تسلیم ہے کہ یقین نہ ہو تو اندرونی انقلاب کیسے متصور ہو سکتا ہے۔ اگر یقین مثبت ہے تو مثبت عمل ظہور میں آئے گا۔ ناقص یقین نقصِ عمل پہ دلالت کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یقین وحی کی روشنی کے بغیر ناممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ کسی صاحبِ نظر کی محبت سے یقین میں اضافہ ہوتا ہے"۔ اسی طرح روح کے حوالے سے آپ نے کافی معلومات بہم پہنچائی ہیں اور لکھتے ہیں کہ رُوح چونکہ اللہ کا حکم (اَمرِ رَبّی) ہے اور اَمرِ رَبّی یہ ہوتا ہے کہ جب وہ کسی چیز کو کہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ (اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا ارادہ کرے کہ وہ ہو جائے تو وہ ہو جاتی ہے یٰسین: ۸۲)۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر روح اس مقام کو حاصل کر لے تو اُس کی حرکت سے تخلیق رونما ہوتی ہے اور جس چیز کا تصور کرے اس کا وجود لازم ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس تصرّف کے حصول کے لیے ریاضتِ شاقہ اور

رُوح کی تقویت کی ضرورت ہوتی ہے۔

درج بالا معلومات کے علاوہ آپ نے ایمان کی اصلاح، اس کی تجدید افزائش اور تقویت کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کروائی ہے۔ انسان کی تخلیق اور غرضِ تخلیق کو قرآن کی روشنی میں بیان فرمایا ہے تاکہ مسلمانوں کو یہ معلوم ہو سکے کہ ہمیں دنیا میں صرف روپیہ پیسہ کمانے اور زندگی کی رنگینیوں پر دادِ عیش دینے کے لیے نہیں بھیجا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی کامیاب زندگی کے لیے ایک خوبصورت نصب العین مقرر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ انسان کو دنیا میں خدا سے بے سروکار رہنے کی مجال نہیں۔ ایسے موضوعات کے علاوہ اِس کتاب میں ایک کامیاب زندگی گزارنے کے مفید مشورے پیش کیے گئے ہیں جن پر عمل پیرا ہونا کوئی مشکل طلب امر نہیں۔ پس اگر ہمارے بے راہ مسلمان صرف اپنے زاویۂ نگاہ کو ہی بدل دیں تو اُن کا یہ عمل پوری اُمتِ مسلمہ کی تقدیر کو بدل سکتا ہے۔ اور مسلمانوں کو قرونِ اولیٰ جیسا عروج عطا کر سکتا ہے۔

اِن اقتباسات اور مضامین کتاب کو یہاں درج کرنے کا مفہوم دراصل یہ ہے کہ حضرت عبداللطیف خاں صاحب نے مسلمانوں کے جس قدر دقیق، ضخیم اور اہم ترین موضوعات پر قلم آرائی فرمائی ہے، یہ اُنہی کا حصہ ہے۔ یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ جب کوئی انسان، بحیثیت عالمِ اصغر عالمِ اکبر سے اپنا رابطہ قائم کر لیتا ہے تو وہ اُس کے خالقِ حقیقی کے ساتھ بھی ایک مستحکم رابطے کا امانت دار بن جاتا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں فرمایا ہے کہ "وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي" یعنی میں نے آدم کے پتلے میں اپنی رُوح پھونکی ہے۔ لہٰذا یہ روح تطہیرِ نفس کے بعد جتنی پاکیزہ اور بامقصد ہوگی، اتنی ہی بلندیوں کی طرف مائل بہ پرواز ہوگی۔ کچھ اس طرح کا معاملہ حضرت صاحب کا بھی ہے ورنہ مسلمانوں کے اتنے اہم ترین موضوعات پر کام کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔

حضرت صاحب نے اپنی اِس مذکورہ کتاب کو بے شمار حوالہ جات سے مزین کیا ہے۔ جس کے مطالعہ کے بعد قارئین کرام ضرور محسوس کریں گے کہ حضرت صاحب نے کتنی محنت شاقہ اور قوتِ ایمانی و ایقانی سے نایاب علمی گوہر تلاش کرنے میں سعی فرمائی ہے۔ کتاب کے مطالعے

سے ایک احساس جان فزاء جو اُبھر کر سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ تحریر میں شوکت الفاظ، مفاہیم و مطالب، تاثر و بیان، سلاست و لطافت، روحانی وابستگی اور علمی گہرائی کو حد درجہ دخل حاصل ہے جو حضرت صاحب کی بھرپور دینی، علمی اور تحقیقی شخصیت ہونے کی ضمانت دیتا ہے۔ تصوّفاتی فلسفوں کو حسن شگفتگی اور برجستگی سے قارئین کرام کے سامنے کھول کر بیان کیا گیا ہے وہ اُن کے ایک عالم متبحر ہونے کے یقین کو حق الیقین کی حد تک پہنچا دیتا ہے۔ اس کتاب کا ہر درجے کے شخص کے لیے بحیثیت مسلمان مطالعہ ازبس ضروری ہے تاکہ اسلامی مبادیات سے کماحقہ واقفیت حاصل ہو سکے۔

پروفیسر مظفر مرزا
(انڈر سیکرٹری کالج)
انفارمیشن اینڈ کلچر ڈیپارٹمنٹ۔ پنجاب، لاہور

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند

روح چوں رفت از صلوٰۃ و از صیام
فرد ناہموار ملت بے نظام

پابندئ صوم و صلوٰۃ

تو فرمودی رہِ بطحا گرفتم
وگرنہ جز تو مارا منزلے نیست

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پابندیٔ صوم وصلوٰۃ

(اِس کے حصول کا ایک آسان اور آزمودہ طریقہ)

غایتِ تحریر زیر نظر تحریر میں عوام کے لیے صوم وصلوٰۃ کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے اور یہ احساس پیدا کیا گیا ہے کہ ان بنیادی عبادات کی پابندی ایسی معمولی بات نہیں کہ جو کسی کے دل میں آئے تو ان کی طرف راغب ہو جائے ورنہ بلاعذر ان کو ترک کیا جا سکے۔ چنانچہ پابندیٔ صوم وصلوٰۃ کے ایسے آسان طریقے بیان کر دیئے گئے ہیں کہ ہر کوئی بلاتکلیف نمازی بن سکے اور اس کے ساتھ ہی دیگر عبادات کی طرف رجوع کر سکے۔

اِس کتاب میں زندگی کی تمام مشکلات کا کامیاب حل بھی پیش کیا گیا ہے۔

یہ بات کس قدر مایوس کن ہے کہ لوگوں میں یہ تاثر عموماً پایا جاتا ہے کہ نماز وروزہ کی عدم ادائیگی سے بھی اُنکے ایمان یا اسلام میں کوئی خاص فرق واقع نہیں ہوتا۔ بیشتر لوگوں کا ذہن کچھ اس طرز پر ہے کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ اِس قسم کی عبادات کیلئے تو بڑھاپے کا وقت مخصوص ہے چنانچہ بڑھاپا آئیگا تو دیکھ لیں گے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ چونکہ اللہ غفور رحیم ہے اِس لیے ہم نماز نہ بھی ادا کریں تو معافی مل جائیگی۔ ان لوگوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں ہے جو کسبِ معاش ہی کو نماز روزے کے برابر تسلیم کرتے ہیں اور کچھ تو کسبِ معاش کو نماز جیسی عبادت سے بھی افضل تصور کرتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ مصائبِ زمانہ، کاروباری مہمات، ملازمت میں ترقی یا فراغت معاش وغیرہ کے مسائل حل ہو جانے کے انتظار میں رہتے ہیں اور اس کے بعد نماز روزہ کی عبادت کا آغاز کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی جب دنیا کے تمام مسائل حل ہو جائیں تو پھر وہ عبادات کی طرف رجوع کریں گے۔ ایسے لوگ بھی دیکھنے میں آتے ہیں کہ جو نماز وغیرہ کی ادائیگی اس لیے نہیں کرتے کہ وہ بڑے کاموں میں اُلجھے ہوئے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ نماز تو اُس وقت ادا کرنی چاہیئے جب ہم پہلے بڑے کاموں کو ترک کر لیں۔ (حالانکہ نماز کی ادائیگی تو خود بڑے کاموں کے ترک کی ضامن ہے)

کچھ لوگ نماز کی ادائیگی سے محرومی پر بھی خوش ہیں اور کہتے ہیں کہ گو ہم نماز نہیں پڑھتے لیکن

ہم کسی کو دھوکا و فریب نہیں دیتے اور کسی کے مال میں خیانت نہیں کرتے یا کسی کے حقوق غصب نہیں کرتے۔ ایسے لوگ کہتے ہیں کہ گو ہم نماز نہیں پڑھتے لیکن اُن لوگوں سے تو بہتر ہیں جو نماز ادا کرنے کے ساتھ ساتھ برائیوں کو ترک نہیں کرتے۔ ایسے لوگ بھی دیکھنے میں آتے ہیں جو نماز اس لئے نہیں پڑھتے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اکثر نمازی بری خصلتوں کے مالک ہوتے ہیں تو پھر ایسی نماز پڑھنے سے کیا فائدہ حاصل ہوسکے گا۔ کچھ لوگ اس لئے نماز ادا نہیں کرتے کہ وہ دکھاوے کی نماز ادا نہیں کرنا چاہتے۔ نوبت یہاں تک بھی آپہنچی ہے کہ آجکل لوگ ہر نماز پڑھنے والے کو پُرانے فیشن والا اور مُلّا سمجھتے ہیں اور یہ بھی نماز نہ پڑھنے کی ایک وجہ ہوا کرتی ہے۔ غرضیکہ یہ تمام بہانے ایسے ہیں جن کی وجہ سے شیطان انسانوں کو نماز سے روکنے کے خام عذر ان کے دلوں میں القا کرتا ہے تاکہ وہ نماز و روزہ کے ذریعے اطاعت الٰہی سے دُور رہیں۔ ان تمام باتوں کی وضاحت بھی انشاءاللہ اس تحریر میں پیش کی جائے گی۔

طبعاً نماز سے روکنے والے ان تمام محرکات کا فہم اور پھر ان محرکات کا تدارک اگر اچھی طرح واضح ہوجائے تو شیطان کے چنگل سے نکلنا کوئی مشکل بات نہیں۔ صوم وصلوٰۃ کی پابندی کے حصول جیسے مشکل کام کا حل راقم الحروف نے اس آسان طریقے سے عوام کے سامنے پیش کیا ہے کہ جس کے حیرت انگیز نتائج مرتب ہوچکے ہیں۔ اس موضوع پر مختصر مگر نہایت جامع گفتگو "پابندیٔ صوم وصلوٰۃ" کے عنوان سے پیش کی جارہی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے استفادہ کرسکیں۔ قارئین سے التماس ہے کہ خود بھی اس کا مکمل مطالعہ فرمائیں اور اپنے دوستوں، رفقاء اور عزیزوں کو بھی پیش کریں۔ قوی امید ہے کہ اس کے مطالعہ کرلے والے ہر شخص کو پابندیٔ صوم وصلوٰۃ کی نعمت سے محرومی کی شکایت نہ رہے گی۔ وما التوفیق الا باللہ

قابل توجہ آغاز اس مہم کا آغاز اس بات کی تحقیق سے ہوتا ہے کہ وہ کون سے اسباب ہیں جن کی وجہ سے قوم کے تقریباً ۹۰ فیصد لوگ نماز روزہ کی پابندی سے روک دیئے گئے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ ان عبادات کی راہ میں کون سے امور مانع ہیں اور ان

کا سدِ باب کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ اس تمام مسئلے کو مکمل تفصیل کے ساتھ اِس لئے بیان کیا جا رہا ہے کہ جب عوام کو اس سے متعلقہ تمام نشیب و فراز سے آگاہ کر دیا جائے اور اس کی عمیق گہرائیوں کو عام فہم طریقوں سے روشن کر دیا جائے تو یہ تفصیل دل اور دماغ پر گہرا اثر ڈالتی ہے اور بات اچھی طرح دلنشین ہو جاتی ہے ورنہ نماز روزہ کی پابندی کی تجاویز کو چند صفحات میں بھی بیان کیا جا سکتا تھا۔ جب کسی بات کا پس منظر اچھی طرح واضح ہو جائے تو اس کے راستے کی تمام دشواریاں آسانی سے دُور کی جا سکتی ہیں اور اس طرح دل میں اُتر جانے والی بات مقصود کے حصول کیلئے مفید محرک ثابت ہوتی ہے۔ تجربے سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ ایسے طریقوں سے قائم کردہ نماز مضبوط اور دیرپا بنیادوں پر استوار ہو جاتی ہے۔

زیرِ غور مسئلے کی تہہ تک پہنچنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ آج کا مسلمان اپنے دین سے اس لئے دُور ہے کہ اُس کو دینی امور کے حقائق کا علم ہی نہیں ہوا بلکہ اس کے برعکس اس کو مادی دُنیا کی محبت میں یوں سراپا الجھا دیا گیا ہے کہ اب اُس کی توجہ دینی امور کی طرف لوٹنا اسی طرح مشکل ہو گئی ہے جس طرح تیر کا کمان سے نکلنے کے بعد واپس آنا مشکل ہوتا ہے مگر مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ اولیائے کرام کو یہ طاقت دی گئی ہے کہ وہ کمان سے نکلے ہوئے تیر کو راستے سے لوٹا سکیں ؎

اولیاء راہست قدرت از الٰہ   تیرِ جستہ باز گرداند ز راہ

راقم الحروف کو اس بات پر یقین ہے (اور تجربے سے ثابت ہو چکا ہے) کہ اگر نماز روزہ کے متعلق ضروری معلومات عوام کے سامنے مطلوبہ معیار کے مطابق بیان کر دی جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ فاسق ترین مسلمان بھی اِن عبادات کی طرف راغب اور عمل پیرا نہ ہو جائے۔ اس قول کی تصدیق ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص ایک لمحہ بھر کے لئے جنت یا دوزخ کا مشاہدہ کرے تو ایسا شخص دنیا کے ہر کام سے دستبردار ہو جائے اور ہمہ وقت یادِ الٰہی میں مشغول رہے گا۔ اِس تحریر کا مقصد ایسی معلومات کو عوام تک پہنچانا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اُن انعامات سے محظوظ ہو سکیں جو نماز و روزہ جیسی عبادات میں پوشیدہ ہیں۔ مسلمان کا موجودہ تنزلی اِن ہی انعامات

سے محرومی کا باعث ہے۔

دین سے دُوری کیوں؟

مسلمانوں کی دین سے دوری مخالفینِ اسلام کی طویل کوششوں اور جدوجہد کا نتیجہ ہے پے درپے حملوں کے بعد مخالفین اسلام یہ بات دریافت کر چکے تھے کہ جب تک اہلِ اسلام کی جماعت، جو اُس وقت دنیا کی سب سے مضبوط اور مستحکم جماعت تھی کو جذبۂ اسلام سے محروم نہ کر دیا جائے اس وقت تک وہ پوری دنیا میں مسلمانوں کے آہنی پنجے سے نجات حاصل نہ کر سکیں گے چنانچہ ایسا لائحہ عمل اختیار کیا گیا کہ جس سے مسلمانوں کے دلوں سے جذبۂ اسلام کو رفتہ رفتہ سرد کر دیا گیا۔ افسوس کی بات ہے کہ وہ اپنے اس طریقہ کار میں کامیاب ہوئے جبکہ بیچارہ مسلمان بہت آسانی سے مات کھا گیا اور اُسے اس زہر کا علم بھی نہ ہو سکا جو اسے نہایت صفائی سے دیا گیا۔ مسلمانوں کے زوال کے اسباب ہماری تصنیف "سرمایہ ملت" میں "ملتِ اسلامیہ کا چراغ" کے عنوان کے تحت میں مطالعہ فرمائیں۔ یہاں ان کا مختصر حوالہ پیش کیا جا رہا ہے۔

امام غزالی کا انکشاف

اس ضمن میں امام غزالی کا قول یاد آتا ہے جو نزاکتِ تحریر کے لئے برمحل ہے۔ فرماتے ہیں کہ جو اللہ تک نہ پہنچ سکا تو اس لئے نہ پہنچ سکا کہ وہ اس راہ پر چلا ہی نہیں۔ وہ اس راہ پر اس لئے نہ چل سکا کہ اُس نے اس راہ کی تلاش ہی نہیں کی، تلاش اس لئے نہ کی کہ اس راہ کی پہچان نہ ہو سکی، پہچان اس لئے نہ ہوئی کہ ایمان مکمل نہ تھا۔ ایمان اس لئے مکمل نہ ہوا کہ وہ مردِ راہ دان کی راہبری سے محروم رہا۔ یہ سب کلام اس بات پر دلیل ہے کہ ہدایت کے لئے کسی راہبر کی راہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے جو اُسے اس راہ کے علوم سے آشنا کر دے تاکہ اُس کے دل میں اس راہ پر چلنے کی لگن پیدا ہو جائے لہٰذا جہاں طلب پیدا ہو تو مطلوب ضرور حاصل ہو جاتا ہے ؎

شبانِ وادیٔ ایمن گہے رسد بمراد — کہ چند سال بجاں خدمتِ شعیب کند

(وادیٔ ایمن کے گڈریئے اُس وقت مراد کو پہنچتے ہیں ۔ جب چند سال دل سے شعیبؑ کی خدمت کریں)

صرف دنیا کا ہو رہنا بے دینی ہے

آج مسلمانوں کی اکثریت نے آخرت کو بالکل فراموش کر دیا ہے۔ صرف دنیا کا ہو رہنا اور آخرت کو

بالکل فراموش کرنا اور اس پر یقین نہ رکھنا کفار کا شیوہ تھا جیسا کہ قرآن میں ہے کہ کفار اس دنیا کے علاوہ دوسری زندگی پر یقین ہی نہیں رکھتے تھے ۔

اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَ نَحْیَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ ۝ (المومنون ، ۳۷)

ہماری اس دنیاوی زندگی کے سوا اور کوئی (دوسری) زندگی نہیں ہے ۔ یہی ہمارا مرنا اور یہی ہمارا جینا ہے اور ہمیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا ۔

کفار میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو نہ صرف حشر و نشر کے منکر تھے بلکہ وہ خدا کی ذات کا بھی انکار کرتے تھے ۔ آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ زمانہ ہی موثر حقیقی ہے اور وہ زمانے کو ہی قدیم سمجھتے ہیں چنانچہ دہریت یا الحاد کا اطلاق ان ہی لوگوں پر ہوتا ہے جیسے کہ قرآن میں ہے ۔

وَقَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا یُهْلِکُنَا اِلَّا الدَّهْرُ (الجاثیہ ، ۲۴)

اور وہ کہتے ہیں کہ نہیں کوئی (دوسری) زندگی بجز ہماری دنیا کی زندگی کے ۔ یہیں ہم نے مرنا اور زندہ رہنا ہے اور نہیں فنا کرتا ہمیں مگر زمانہ ۔

اگر بغور جائزہ لیا جائے تو مسلمانوں کی اکثریت بھی دنیاوی زندگی کے حصول میں اس قدر منہمک ہے کہ آخرت کی زندگی سے قطعاً لاتعلق ہو چکی ہے ، ان کی زندگی کے صبح دوپہر اور شام صرف دنیا کے حصول میں ہی گذر جاتے ہیں ۔ شریعتِ مسلمہ کی نگاہ میں ایسی زندگی جس میں صرف سامانِ دنیا کو کافی سمجھ لیا جائے اور خدا اور اُس کے رسولؐ کے احکامات کی پرواہ نہ کی جائے ، معاصی اور فسق و فجور کی زندگی کہلاتی ہے جس کی سزا دنیا میں تنگی اور آخرت میں رسوائی ہے مسلمانوں کی یہ روش ان کو تباہی کی طرف لے جا رہی ہے ۔ اگر مسلمان آج بھی احکامِ خداوندی کی اتباع کرنے لگیں تو صحابۂ کرام کی طرح حیاتِ طیبہ کے مقصود کو حاصل کر سکتے ہیں اور یہی بات بہت بڑی کامیابی کی ضامن بن سکتی ہے ۔ ایسی زندگی دنیا میں سربلندی ، عزت اور وقار عطا کرتی ہے اور آخرت

میں نجات، کامرانی اور ہمیشہ رہنے والی مسرت کا باعث ہوتی ہے۔

قرآن میں متعدد بار اس بات کا ذکر ہے کہ جو لوگ صرف دنیا کے ہو کر رہ جاتے ہیں وہ دین اور دنیا میں ابدی محرومی سے داغدار ہو جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں بہت سی آیات "دنیا اور اس کی چاہت" کے عنوان سے "متاعِ اخلاق" میں دیکھیں۔ یہاں چند آیات پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

(۱) قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ (الکہف: ۱۰۳، ۱۰۴)

آپ فرما دیجئے کہ کیا ہم تمہیں یہ بتلائیں کہ سب سے بڑھ کر ناقص عمل کن کے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کی تمام تر کوشش دنیا کے حصول کے لئے وقف ہو گئیں اور وہ اس خیال میں ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں۔

(۲) اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝ (یونس: ۷)

بیشک وہ جو ہم سے آملنے کی امید نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی کو ہی پسند کر بیٹھے اور اس پر مطمئن ہو گئے اور وہ جو ہماری آیتوں سے غفلت برتتے ہیں (اس سے اگلی آیت میں ان کی سزا جہنم ہونے کا ذکر ہے)

(۳) كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۝ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۝ (القیٰمۃ: ۲۰، ۲۱)

ہرگز یوں نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم جلدی ملنے والی (نعمتِ دنیا) سے محبت کرتے ہو اور تم نے آخرت کو چھوڑ رکھا ہے۔

(۴) بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ (الاعلیٰ: ۱۶، ۱۷)

البتہ تم لوگ دنیاوی زندگی کو ہی ترجیح دیتے رہو حالانکہ آخرت اس سے کہیں بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔

کاش مسلمان یہ بات سمجھ لیں کہ ان کی نجات صرف حصولِ دنیا میں نہیں بلکہ خدا اور اس کے رسولؐ کی رضامندی میں پنہاں ہے اور جس کو خدا کی رضا حاصل ہو

جائے تو اُسے دونوں جہانوں میں عزت دی جاتی ہے۔ ایسی کامیاب زندگی کو چھوڑ کر صرف دنیاوی عیش وعشرت کو کافی سمجھ لینا نادانی ہی نہیں بلکہ حماقت ہے مسلمانوں کے زوال کے اسباب حسب ذیل ہیں۔

ا۔ تاریخی وجوہات | تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو مندرجہ ذیل اسباب سامنے آتے ہیں جن سے مسلمانوں کو زوال سے دوچار ہونا پڑا۔

(i) <u>اسلامی فتوحات</u>:۔ مسلمانوں میں دولت کی فراوانی اس وقت آئی جب دنیا کے ترقی یافتہ ممالک اسلام کے دائرہ اختیار میں شامل ہو گئے تھے۔ بدقسمتی سے اسی دولت کی افراط کی وجہ سے مسلمانوں میں تعیش کی زندگی، تن آسانی، تساہل عمل، سستی، کاہلی اور عملی پستی پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے وہ رفتہ رفتہ دین سے دور ہوتے گئے اور یہی دین سے دوری اُن کے قومی تنزل کا سبب بنی۔

(ii) <u>مخالفین کی بڑھتی ہوئی طاقتیں</u>:۔ مخالفین اسلام کی انتھک کوششوں سے مسلمان کمزوری کی طرف بڑھتے گئے اور مخالفین طاقت اور اقتدار حاصل کرتے گئے جب اُن کو مسلمانوں کی کمزوری کا یقین ہوا تو مسلمانوں سے جنگ آزمائی شروع کر دی گئی۔

(iii) <u>اقتدار چھیننے کی جنگیں</u>:۔ مسلمانوں کے ساتھ مسلسل جنگوں میں کبھی تو مسلمانوں کو فتح ہوتی اور کبھی مخالفین میدان صاف کر لیتے مگر صلاح الدین ایوبی ترکی کے سلطان محمد اور چند دیگر بہادر حکمرانوں کے بعد عیسائیوں نے مسلمانوں سے مکمل طور پر اقتدار چھین لیا۔ اس سلسلہ میں مسیحی، تاتاری اور صلیبی جنگیں قابل ذکر ہیں۔

(iv) <u>سپین اور سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ</u>:۔ مسلمانوں کا سپین سے نکلنا ایک طویل داستان ہے۔ سپین کے مسلمانوں کے گھروں میں عیسائی عورتوں کو آباد کیا گیا اور ان عورتوں نے مسلمانوں کی اولادوں کو رفتہ رفتہ اور مکمل طور پر اسلام سے دور کر دیا اور امراء کو عیش پرست بنا دیا چنانچہ چند ہی سالوں میں مسلمانوں کو بیوقوف بنا کر اسپین سے نکال دیا (فرسٹ اپریل فول اسی بھیانک داستان کی یادگار ہے۔)

جب سلطنتِ عثمانیہ کو جنگوں سے ختم کرنے کی کوشش کارگر نہ ہوئی تو مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے لارنس آف عریبیہ نے فرقہ واریت اور عثمانیہ حکومت

سے بغاوت کے جذبات پیدا کئے اور اس شخص کی کوششوں نے بالآخر مسلمانوں سے مکمل طور پر اقتدار چھین لیا۔

(ii) اخلاقی کمزوریاں :۔ حکومت ہاتھ سے نکل جانے کے بعد مسلمانوں میں طرح طرح کی اخلاقی کمزوریاں پیدا کر دی گئیں۔ اسلام دشمنی میں مذہب کے خلاف سازشیں الحاد اور بے دینی کا کام کئی سالوں کی کوششوں کے بعد مکمل کیا گیا اور اب یہ اخلاقی بیماریاں مسلمانوں میں اس قدر رچ بس گئی ہیں کہ جھوٹ، دھوکہ بازی، فریب، وعدہ خلافی مطلب براری اور شیطانی امور میں پیش رفتگی مسلمانوں کی شناخت بن گئی ہیں۔

۲۔ عصری وجوہات

عصری وجوہات میں وہ تمام حالات شامل ہیں جن میں مسلمان آج بھی گرفتار ہے اور وہ ان حالات سے نکلنے کی سکت اور ہمت نہیں رکھتا۔ مسلمانوں کا اس چنگل سے نکلنا ہی کارِ دارد ہے۔ مخالفین اسلام نے مسلمانوں کو نابود کرنے کے لئے جو کوششیں کی ہیں ان کا احاطہ اس مختصر تحریر میں ممکن نہیں البتہ ان میں سے کچھ کوششوں کا حوالہ نیچے دیا جا رہا ہے۔

(i) مغربی کلچر :۔ اس موضوع کی زیادہ تفصیل دینے کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ یہ کون نہیں جانتا کہ مسلمانوں کو مغربیت کا ایسا میٹھا زہر دیا گیا ہے کہ آج مسلمان آزاد ہیں مگر مغربیت ان کے ذہنوں میں ابھی تک تباہی کا سبب بن رہی ہے۔

(ii) عریانی اور عیش پرستی :۔ عریانی اور عیش پرستی نے تقریباً پوری قوم کو مسحور کر رکھا ہے اور اس کا نشہ اس قدر تیز ہے کہ مسلمان کی بھاری اکثریت کو اس کا دلدادہ اور اسلام سے بے بہرہ کر دیا ہے۔ اخلاق سوز کتابیں، فلمیں اور سامانِ تعیش نے عالم اسلام پر اپنے سخت پنجے گاڑ رکھے ہیں۔

(iii) علوم و فنون جدیدہ سے محرومی :۔ مخالفین اسلام آج بھی نہیں چاہتے کہ مسلمان کسی طور پر بھی جدید علوم اور ٹیکنالوجی حاصل کریں۔ بلکہ بہتر یہی سمجھا جاتا ہے کہ وہ مادی وسائل میں ہی الجھے رہیں۔ اس موضوع پر تفصیل دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ بات اب ایک کھلا ہوا راز ہے۔

(iv) مذہب میں انتشار :۔ مخالفین اسلام اپنی انتہائی کوششوں اور بھاری رقوم خرچ کرنے کے بعد اس کوشش میں کامیاب ہوتے ہیں کہ جذبہ اسلام مسلمانوں کے دلوں سے نکال دیا

جائے، آپس میں فرقہ واریت کی پھوٹ ڈال دی جائے، علماء کو لڑایا جائے، ادیبوں اور شعراء کو اخلاق سوزی میں لگایا جائے، پیروں اور نیک مشائخ کو رسوا کیا جائے تاکہ دینی ترقی کے دروازے جو تقریباً مکمل طور پر بند کر دیئے گئے ہیں مستقل طور پر بند رہیں اور مسلمان ایکبار پھر بیدار نہ ہو جائیں۔

(۱۱) تعصب ملکی اور منافرت :- ملک سے غداری، قومی تعصب اور منافرت اس قدر مضبوط کر دی گئی ہے کہ جس سے اسلامی اخوت کا جنازہ نکل چکا ہے اور مسلمان مسلمان کا جانی دشمن ہے اور ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ دست بہ گریبان ہے۔ مختلف فرقوں کو اس طرح لڑایا جاتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

(۱۱۱) سیاسی تو فوقیت :- اسلامی ممالک کے سیاست دانوں پر اس قدر اثر انداز ی کی جاتی ہے کہ کوئی ملک اپنی مرضی کے مطابق ملکی نظام چلانا نہایت مشکل امر خیال کرتا ہے حتیٰ کہ معمولی تبدیلی بھی مخالفین کی رضامندی کے بغیر ممکن نہیں حکمران تو ایک طرف عوام کو بھی خرید لیا جا رہا ہے۔

کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ

اس زمانے میں جبکہ بالعموم ہر شخص کامیاب زندگی کا معیار فقط سامانِ تعیش کے حصول کو قرار دے رہا ہو تو آج کی نئی نسل کی زندگی صرف حصولِ دنیا کے ہی گرد اگر دگھومتی ہوئی کیوں نہ دکھائی دے۔ عوام کا دین کی شاہراہوں پر چلنا تو درکنار سالہا سال تک دین کی طرف آنے کا خیال بھی اُن کے ذہنوں میں باقی نہیں رہا یہاں تک کہ کچھ لوگ تو ایسے ہیں کہ بڑھاپے میں بھی اطاعتِ الٰہی کی طرف ان کا دھیان نہیں جاتا۔ اس قوم کی تباہی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جہاں اس کے جوانوں کو اپنے ماں باپ میں بے دینی ہر روز آ عارت میں دنیا پرستی کا ماحول میں پیسے کی دوڑ، چور بازاری، رشوت ستانی، بے ایمانی سے مال جمع کرنے کے ذرائع لوٹ کھسوٹ مار دھاڑ کا بازار گرم نظر آتا ہو اور امراء و وزراء میں مطلب براری اور مدرسوں میں ضیا پرستی نظر آئے تو اس ملک کے نوجوانوں سے دین پر چلنے کی توقع کس طرح کی جا سکتی ہے۔ یہ سب بیدینی کی کیفیات مخالفین اسلام کی اُن محنتوں کا پھل ہے جن کے بیج ان لوگوں نے سینکڑوں سالوں کی ریاضت کے بعد ہماری کشتِ ویراں میں بوئے تھے۔ اس بیدینی کی روشنی نے کس طرف سے صدائے لا الٰہ الا اللہ بلند ہونے کی گنجائش نہیں رہنے دی۔ یہی وجہ ہے کہ اب خال خال

ہی لوگ ایسے نظر آتے ہیں جو جذبۂ اسلام سے سرشار ہیں۔ افسوس کی بات ہے کہ آج دیندار گھرانوں میں بھی باکردار نوجوان شاید اور باید ہی ہوں گے ؎

بیدار ہوں دل جس کی فغانِ سحری سے — اس قوم میں مدت سے وہ درویش ہے نایاب

تصویرِ درد

مسلمانوں میں موجودہ افراتفری، اضطراب اور پریشانی کا حال تصویرِ درد کے عنوان سے ہماری تصنیف "سرمایۂ ملت" میں ملتِ اسلامیہ کا چراغ" کے بیان میں خاصی تفصیل سے شامل کر دیا گیا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ اقبالؒ نے زمانۂ جاہلیت کی بازگشت کرتے ہوئے اصنام ہیکل و معبد کی طرف سے ترجمانی کرتے ہوئے ہیکل کا قول لکھا ہے کہ وہ مومن آزاد جو حدود و قیود اور جہالت کا کبھی قائل نہ تھا اب وہ وطن سے محبت ہی نہیں کرتا بلکہ اسے پوجتا بھی ہے اور تمام برائیاں اس میں پائی جاتی ہیں وہ بھولے سے بھی خدا کو یاد نہیں کرتا۔

در جہاں باز آمد ایام طرب — دیں ہزیمت خورد از رنگ و نسب
(آج اس دنیا میں ہمارا خوشی کا دن آیا ہے — دین نے رنگ و نسل کے امتیاز سے شکست کھائی ہے)

از چراغ مصطفےٰ اندیشہ چیست؟ — زانکہ او را پف زند صد بولہب
(چراغِ مصطفوی کا خوف ہی کیا ہے؟ — کیونکہ اس کو پھونک مارنے والے سینکڑوں ابولہب ہیں)

اہرمن را زندہ کرد افسون غرب — روز یزداں زرد رو از بیم شب
(شیطان کو مغرب کے جادو نے زندہ کر دیا — دین کے دن کا چہرہ بیدینی کی رات کے خوف سے زرد ہے)

بند دیں از گردنش باید کشود — بندۂ ما بندۂ آزاد بود
(دین کی پابندی اس کی گردن سے کھول دینا چاہیئے — ہمارا (ہیکل کا) بندہ آزاد بندہ رہا ہے)

تا صلوٰۃ او را گراں آید ہمی — رکعتے خواہیم و آں ہم بے سجود
(یہاں تک کہ اگر وہ نماز بھی پڑھے گا تو میں — اس سے ایک ہی رکعت چاہتا ہوں وہ بھی بے سجود)

اِس دور کی مشکلات اور اُن کا حل

وہ اجتماعی مشکلات جن سے عالم اسلام دوچار ہے صرف اسی صورت میں حل کی جا سکتی ہیں کہ اگر قرآن کو اپنا معالج تسلیم کر لیا جائے اور حالات کا مردانگی سے مقابلہ کیا جائے

اللہ تعالیٰ نے ہر مشکل کا حل اِس آیت میں پیش کر دیا ہے۔

اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ۔ (البقرہ: ۴۵) مدد لو صبر اور نماز سے۔

صبر کے لغوی معنی رکنے اور باندھنے کے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جس کام سے منع کیا گیا ہے اس سے رُکے رہنا اور جس کا حکم دیا گیا اس کا پابند ہونا ہے۔ اس میں عزم کی پختگی خواہشاتِ نفس کو ضبط کرنا اور بیرونی مشکلات کے مقابلہ میں اللہ کے بتلائے ہوئے راستے پر بڑھتے رہنا ہے۔ اگر مسلمان اپنا شعار اس آیت کے مطابق ڈھال لے تو کوئی مشکل ان کا راستہ نہیں روک سکتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ جب کبھی کوئی مشکل درپیش ہوتی تو فوراً نماز میں مشغول ہو جاتے۔ حضرت ابنِ عباسؓ ایک سفر پر جا رہے تھے کہ کسی نے آپ کو یہ خبر پہنچائی کہ آپ کا بیٹا فوت ہو گیا ہے۔ آپ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ پڑھا اور اونٹ سے اُتر کر نوافل میں مشغول ہو گئے پھر فرمایا کہ ہم نے وہی کیا جس کا اللہ نے حکم دیا ہے (یعنی صبر اور صلوٰۃ کا)

درجِ بالا آیت سے ظاہر ہوا کہ مشکلات کا حل دو باتوں میں ہے ایک یہ کہ نماز سے وابستگی اور دوسرا یہ کہ حالات سے ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔ گویا کہ اس راہ پر چلنے والے کے لئے دو قسم کا علاج بتلایا جا رہا ہے۔ ایک دینی راہ پر چلنا اور دوسرا دنیاوی مشکلات سے بہادری کے ساتھ نپٹنا چنانچہ مناسب ہوگا اگر ان دونوں کے متعلق کچھ آسان راستے متعین کر دیئے جائیں۔

۱۔ دُنیاوی مشکلات کا حل اگر کوئی شخص دُنیاوی مشکلات کی وجہ سے پریشان ہو تو اللہ کے کلام میں اس کا بھی علاج موجود ہے چنانچہ ایسی مشکلات کا حل درج ذیل سطور میں پیش کیا جا رہا ہے۔

(i) اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے توبہ۔ جو لوگ اللہ کی نافرمانی پر قائم رہتے ہیں اور نماز و روزہ کی پابندی نہیں کرتے وہ اوّل درجے کے فاسق اور فاجر لوگوں میں شامل کر دیئے جاتے ہیں اور ایسے لوگ ہی اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہیں۔ یاد رہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ نافرمانی کا رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی ان سے اپنی مدد کو روک لیتے ہیں اللہ تعالیٰ کی

نافرمانی سے بچنا کوئی زیادہ مشکل بات نہیں۔ اِس کا علاج صرف پانچ وقت کی نماز ادا کرنا ہے جس کے لئے دن بھر میں آدھ گھنٹہ درکار ہوتا ہے اور دوسرا علاج رفتہ رفتہ اپنے دل کو اسلام کی طرف کھولے رکھنا ہے تاکہ اسلام کی محبت دل میں جاگزیں ہوتی جائے۔ نافرمان لوگوں کی اکثریت فقر و فاقہ، پریشان حالی، کاروبار میں بے برکتی اور طرح طرح کی بیماریوں اور مصائب میں مبتلا رہتی ہے۔ ان میں سے چند ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کے پاس مال و دولت کی فراوانی اور عیش و عشرت کے سامان ہونے کے باوجود اپنے دن رات بے چینی، پریشانی اور کس میرسی کی حالت میں گزارتے ہیں۔ ان لوگوں کو کبھی بیماریوں اور بلاؤں کا سامنا ہوتا ہے کبھی مقدمہ بازی اور قتل و غارت گری کا خوف ہوتا ہے اور کہیں کوئی نہ کوئی مصیبت سر پہ لٹکتی نظر آتی ہے یہ سب کچھ اس کی خدا سے غداری اور نافرمانی کے سبب ہوتا ہے۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے — مومن کی یہ پہچان کہ گم اسمیں ہیں آفاق

(۱) رجوع الی اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تمام کائنات انسان کی خدمت کے لئے بنائی اور انسان کو اپنی عبادت کے لئے بنایا (الحدیث) یہ زمین، آسمان، چاند، سورج، ستارے، جانور (مثلاً گائے، بیل، بھینس، بکری وغیرہ)، اور جمادات غرضیکہ ہر چیز کو انسان کی خدمت کے لئے پیدا فرمایا اور انسان کو اُس کا نصب العین بنایا (OBJECT) اور انسان کا نصب العین (یعنی OBJECT) خدا خود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ اگر تم اپنے نصب العین (یعنی خدا) کو یاد رکھو گے (اور اس کی تابعداری کرو گے) تو تمام کائنات اپنے نصب العین کی (یعنی تمہاری) تابعداری کرے گی۔ یہ قانون نہایت مضبوط اور اٹل ہے اگر انگریز بھی اللہ کے قوانین کی تابعداری کرے گا تو اس کو بھی حور و قصور ملیں گے لیکن مسلمان کی تابعداری کا اجر تو خود اللہ تعالیٰ اور اس کی تمام کائنات کی تسخیر ہے چنانچہ قرآن میں متعدد بار فرمایا کہ اگر میری تابعداری میں رہو گے تو یہ تمام کائنات تمہارے لئے مسخر کر دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں فرما دیا ہے کہ اَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ یعنی تم میرا عہد پورا کرو تو میں تمہارا عہد پورا کروں گا۔ معلوم نہیں کہ اس یقین دہانی کے بعد بھی مسلمان کیوں اپنا عہد پورا نہیں کرتا اور خواہ مخواہ خدا کی نافرمانی کی وجہ سے دنیا میں ذلیل ہو چکا ہے۔

درج بالا بیان سے (جو کہ قرآن سے ماخوذ ہے) اس بات میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ جو شخص اللہ کا تابعدار ہو اس کے ساتھ اللہ کی مدد بھی شامل ہوتی ہے، چنانچہ جو پریشان حال، آفت زدہ اور کشتہ روزگار ہے تو وہ ضرور اپنے خدا کا نافرمان ہے لہٰذا ضروری ہے کہ وہ اپنے خالق کی طرف رجوع کرے، اس رجوع اور تابعداری سے یہ مراد نہیں کہ وہ اپنے اوقات کو ہمہ وقت عبادت میں گزارے، ہرگز نہیں! بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ حرام کاری کو ترک کر دو، اور دن میں پانچ وقت کی نماز ادا کر لیا کرو جس کیلئے تقریباً نصف گھنٹہ یومیہ درکار ہے۔ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے صاف لفظوں میں فرمایا ہے مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ ۔ (جو اللہ کا ہو گیا اللہ بھی اس کا ہو جاتا ہے) اس وعدے کے بعد نافرمانی کرنا اور پریشان اور زبوں حالیوں میں مبتلا رہنا تو بدبخت اور کم عقل انسان کے سوا کسی سے متوقع نہیں۔ جو شخص مصائب میں مبتلا ہے وہ اپنے خالق کی بغاوت کیوں ترک نہیں کر دیتا؟ کسی نے پوچھا کہ جب ہر طرف سے مصائب کے تیروں کی بھرمار ہو تو کیا کیا جائے؟ جواب دیا کہ تیر انداز (اللہ) کے پہلو میں آ جاؤ اسی بات میں خیریت ہے۔

روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص امداد کے لئے آیا کرتا اور آپ اُسے کچھ نہ کچھ دیدیتے۔ ایک دن آپ نے فرمایا اے شخص مجھے بتا کہ عمر کا دروازہ اچھا ہے یا اللہ کا؟ اُس نے کہا کہ دروازہ تو اللہ ہی کا اچھا ہے۔ فرمایا جا اور قرآن پڑھ شاید اللہ تجھے فہم عطا فرمائے۔ وہ شخص گیا اور پھر کبھی نہ آیا۔ ایک دن آپ نے اس کے متعلق دریافت فرمایا تو لوگوں نے بتایا کہ وہ اب کسی سے سوال نہیں کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ اس کے گھر گئے اور نہ آنے کا سبب دریافت کیا تو اُس نے کہا کہ جب آپ نے فرمایا تھا کہ قرآن پڑھ تو میں نے قرآن پڑھا اور دیکھا کہ اُس میں لکھا ہوا تھا وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ (کہ تمہارا رزق اور جو بھی تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آسمان میں موجود ہے) تو میں نے سوچا کہ میرا رزق تو آسمان میں ہے اور میں خواہ مخواہ اُس کو زمین والوں کے پاس ڈھونڈتا ہوں، چنانچہ میں نے آسمان والے سے تعلق پیدا کر لیا اور اب مجھے ہر چیز

مل جاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی یہ بات سن کر بہت روئے۔ اس روایت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آسمان والے سے جو بھی رشتہ قائم کرلے گا اس کی ہر مشکل حل ہو جاتی ہے۔ حضرت ابو حفص حداد نے ایک شخص کو نصیحت فرمائی کہ بھائی ایک دروازے کا غلام ہو جا سب دروازے تم پر کھل جائیں گے۔ ایک آقا کے آگے جھک جا دنیا کے تمام آقا تیرے آگے جھک جائیں گے۔

(iii) انعاماتِ الٰہی کی محرومی سے بچو۔ اس کتاب کے آئندہ صفحات پر "عبادت کے انعامات" کا ذکر کیا گیا ہے جس کے مطالعے سے معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے عبادت گزار لوگوں کے لئے بے شمار انعامات کا وعدہ فرمایا ہے۔ ان وعدوں میں سب سے کم درجے کا وعدہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ہے (کہ نہ تو ان کو کسی چیز کا غم ہوگا اور نہ ملال) کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کی حیات کی حفاظت ہر پہلو سے اپنے ذمے لے لیتے ہیں اور سب سے بڑا انعام یہ کہ "گفتہ او گفتۂ اللہ بود" یعنی وہ محبوب الٰہی بن جاتا ہے اور اس کا ہر فعل فعل الٰہی بن جاتا ہے بلکہ کوئی دوسرا اس کے پہلو میں آجائے تو وہ بھی محبوب الٰہی بن جائے گا۔ حیرانگی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہمیں اتنا کچھ دینا چاہیں اور ہم یہ کہیں کہ نہیں ہم آدھ گھنٹہ کے لئے نمازیں نہیں پڑھیں گے اور اس کے نتیجہ میں دنیا کی ذلت برداشت کریں گے۔ بے شک ہم مصیبتوں، بلاؤں، وباؤں اور مرضوں میں جان بوجھ کر گرفتار ہوتے ہیں۔ ایسے شخص کو خود پر لعنت بھیجنا چاہیئے کہ جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ٹھکرا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ (میرے بندوں میں شکر گزار تو بہت کم ہیں)
(السبا آیت ۱۳)

اللہ کے بندوں کی مشکلات اللہ کی طرف رجوع کرنے سے ختم ہو جاتی ہیں۔
اور اگر ایسا نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ رجوع کرنے میں کہیں کمی رہ گئی ہے ؎

جو فقر ہوا تلخیٔ دوراں کا گلہ مند اس فقر میں باقی ہے ابھی بوئے گدائی

(iv) اپنے کام میں کمال حاصل کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ جو محنت کرے گا وہی اس کا پھل کھائے گا۔ انگریز نے محنت کی اور پھل پایا اور مادی دنیا میں چھا گیا۔ مسلمان

کے دین کا ایک بہت بڑا حصہ حصولِ علم اور کمالاتِ فنیہ میں امتیاز حاصل کرنا ہے۔
حدیث شریف میں ہے کہ کسب میں کمال رکھنے والا اللہ کا حبیب ہے (اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ) اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کرتے ہوئے کسب (میں کمال) عین اسلام ہے اور ایسے مسلمان کو اللہ تعالیٰ فتح و نصرت سے نوازتے ہیں۔ اللہ کی فرمانبرداری کی حالت میں جو بھی کام شروع کرو گے اللہ کی مدد کو اس میں شامل پاؤ گے۔ اور اگر ایسا ہو تو پھر پریشانی خستہ حالی اور فقر و فاقہ کیسے رہ سکتا ہے بلکہ فقر و فاقہ اور مصائب تو علوم فن اور مہارتِ فنی کے فقدان اور احکام الٰہی کو فراموش کر دینے میں ہیں۔ یہ دنیا عالم اسباب ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی ایک سُنت یہ ہے کہ اُس نے محنت کے عمل کو اسباب رزق میں شمار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی سُنت کو تبدیل نہیں کرتے (سوائے ان لوگوں کے کہ جو اسباب کو قطع کر کے مسبب الاسباب سے مکمل طور پر اپنا ناتا جوڑ لیتے ہیں۔) جو لوگ خدا کی سنت کو توڑنا چاہیں تو اللہ تعالیٰ ناراضگی ظاہر کرتے ہیں۔

(۱۱) خدائی امداد کے لئے کچھ وظائف کا اختیار کرنا :- جو کچھ اوپر بیان کر دیا گیا ہے اس پر توجہ کرنے کے بعد عمل کرنے سے ایک مسلمان اپنی زندگی کو کامیاب بنا سکتا ہے۔ لیکن یہ بات تجربے سے ثابت ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد میں تعجیل (عجلت) کیلئے چند ایک زائد اعمال کا اختیار کرنا بہت مددگار ثابت ہوتا ہے۔ ایسے اعمال کی تفصیل تو بہت طویل ہے لیکن اختصار کے طور پر کچھ اوراد بیان کئے جا رہے ہیں جن کا نماز روزہ کے علاوہ ادا کرنا بہت مددگار ثابت ہوتا ہے۔ ان کاموں میں کسی بزرگ کا مشورہ مفید ثابت ہوگا۔

ا۔ اسمِ اعظم کا ورد :- اپنے نام کے حروف ابجد نکال کر ان اعداد کے برابر اللہ تعالیٰ کے دو اسماء الحسنیٰ (ایک جلالی اور ایک جمالی نام) کا وظیفہ صبح و شام کیا جائے لیکن وظیفہ کی تعداد نام کے اعداد سے دوگنی ہو تو بہتر ہے ورنہ نام کے حروف کے برابر بھی کفایت کرتا ہے ان اوراد سے صحت، تندرستی، مالی حالت اور عام زندگی کے احوال پر بہت زبردست اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ اثرات ایک دو ہفتے میں بھی نمودار ہو جاتے ہیں۔

ب۔ صبح سورج نکلنے سے پہلے کا وظیفہ :- یہ وہ وظیفہ ہے جس کی برکت سے پوری کائنات کو رزق دیا جاتا ہے۔ اول و آخر گیارہ بار درود شریف کے ساتھ سو بار یہ پڑھے۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ اَسْتَغْفِرُوا اللّٰہَ - (الحدیث)

اللہ تعالیٰ پاک ہے اور اپنی تمام تعریفوں کیساتھ ہے، اللہ تعالیٰ عظیم ہے اور اپنی تعریفوں کیساتھ ہے میں اللہ کی طرف رجوع (استغفار) کرتا ہوں۔

ج۔ کثرتِ استغفار:۔ سورۂ ہود اور سورۂ نوح میں ہے کہ کثرتِ استغفار سے عزت، دولت بارش، اولاد، طاقت، قوت، اختیار وغیرہ ہر چیز ملتی ہے۔ درج ذیل استغفار کو اگر سات سو بار (صبح کے وقت سورج نکلنے سے پہلے یا بعد بھی) پڑھا جائے تو بہت جلد اثرات مرتب ہوتے ہیں ورنہ سو یا ۲۰ مرتبہ ہی پڑھ لیا جائے (یہ چلتے پھرتے بھی پڑھ سکتے ہیں) اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ.. ۱تا۱۰۰ بار ۔۔۔۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنَّا یَا عَفُوُّ یَا غَفُوْرُ یَا غَفُوْرُ۔ ۱۰۰ تا ۷۰۰ بار۔

د۔ سورہ مزمل:۔ ہر نماز کے بعد گیارہ بار درود شریف (اول و آخر) اور ایک بار سورہ مزمل پڑھنے سے رزق میں برکت ہوتی ہے۔

ح۔ درود شریف:۔ اگر گھر میں کچھ افراد مل کر ۳۰ یا ۴۰ ہزار سے سوا لاکھ تک کوئی سا بھی درود شریف پڑھیں تو رزق میں برکت اور ہر مراد جس کے لئے پڑھا جائے حاصل ہوگی۔ ایسی مجلس ہر ماہ میں ایک بار یا دو بار ہو جائے تو بہتر ہوگا۔

علامہ ابن جوزیؒ ایک حدیث نقل کرتے ہیں (اور آزمودہ بھی ہے) کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تنگدستی کی حالت میں ہو وہ مجھ پر کثرت سے یہ درود پڑھے اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ اس کے ذریعے تنگ دست کا ٹھکانا مکرم ہو جائے گا آخرت میں اس کو شرف بخشا جائے گا۔ اور شفاعت کے ذریعہ اُس کی رضا اور آرزو پہنچائی جائے گی۔

۔ ہر مشکل کا حل:۔ ان اوراد کے علاوہ اور بھی بہت سے اوراد ہیں جن سے بہت سے ں معاملات، پریشانیاں اور بیماریاں دُور ہو جاتی ہیں اس کے لئے راقم الحروف یا اسکے خلفا باہر درج کئے ہوئے ایڈریس پر) ملاقات کریں تو انشاء اللہ خدائے قدوس کرم فرمائے گا۔

ذ۔ اللہ کی راہ میں خرچ:۔ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے اور بالخصوص اجناس کی شکل میں

لوگوں کو دینے سے دینی اور دنیاوی برکات حاصل ہوتی ہیں۔ غرباء، شرفاء اور جاننے والوں کو کھانا کھلانا ایسا کام ہے جس کی برکت فوراً نازل ہوتی ہے (راقم الحروف کی تصنیف "اکتساب رزق اور انفاق فی سبیل اللہ" جو عنقریب شائع ہونے والی ہے میں مطالعہ فرمائیں) نیکوں اور بزرگوں پر مال خرچ کرنے کی بہت فضیلت ہے اور مال میں برکت بہت زیادہ ہوتی ہے۔

۲- دینی مشکلات کا حل دینی مشکلات سے مراد یہ ہے کہ اس نفسانفسی کے عالم میں اور دشوار گزار حالات میں بھی دین کی راہ پر گامزن ہونا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔ درج بالا مشورے پر عمل کرنے سے انشاء اللہ دنیاوی (اور مالی) حالات درست ہو جاتے ہیں۔ اور جب دنیا کی پریشانی کم ہو جائے تو دین کی طرف رجوع کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

دینی مشکلات کو حل کرنے میں سب سے پہلا مرحلہ نماز پڑھنے میں باقاعدگی حاصل کرنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (العنكبوت ۴۵)

بیشک نماز منع کرتی ہے بے حیائی اور گناہ سے اور واقعی اللہ کا ذکر بہت بڑا ہے۔

نماز ہی تمام برائیوں سے نجات دلانے کا ذریعہ ہے اور جب نماز قائم ہو گئی تو تمام برائیاں جلد ہی رخصت ہو جاتی ہیں۔ (بشرطیکہ نماز کے آداب کو ملحوظ خاطر رکھا جائے اور کسی بزرگ سے اس کا پڑھنا سیکھا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ نماز کو اسلام میں بہت اہمیت حاصل ہے اور سارے کا سارا اسلام اسی ایک رکن پر استوار ہوتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ مسلمان نے اتنی توجہ اس طرف کرنے کی کوشش نہیں کی اور نہ ہی اسے اس کی خوبیوں کا علم ہوا ہے۔ اس کتاب میں نماز کو اسلام کا ستون ہونے اور اس میں بے شمار خوبیاں موجود ہونے کی وجہ سے اس کے قائم کرنے کی طرف توجہ دی جائے گی اور آن آسان طریقوں کی وضاحت کی جائے گی جن کو اپنانے سے نماز بلا تکلف قائم ہو جائے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ دعا کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ بندہ خود اپنی اصلاح کرے اور گر اس نے اپنے آپ کو ٹھیک کر لیا تو سمجھو کہ اس کی تقدیر بدل گئی۔ نظم

تری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی — مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تو بدل جائے

تری دعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری — مری دعا ہے تری آرزو بدل جائے

اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا فِیْ مُهِمَّاتِ الْاُمُوْرِ ۝ آمین

یقین

(دین سارے کا سارا یقین ہے)

مسلمان کی یقین سے محرومی مسلمانانِ وقت کا دینِ اسلام سے انحراف کا سب سے بڑا سبب ان کا خداوند تعالیٰ اور اس کے دین سے یقین کا اُٹھ جانا ہے۔ خدا پر زبانی ایمان کا ہونا اور بات ہے لیکن اس پر قلبی یقین کے ہونے میں بہت بڑا فرق ہے۔ کہنے کو تو سب ہی کہہ دیتے ہیں کہ خدا ہے لیکن جب خدا کی پکار کو سُن کر اس پر عمل نہ کیا جائے تو یہ خدا کو نہ ماننے والی بات ہے۔ علامہؒ نے فرمایا ہے کہ

ع زباں سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل - بنایا ہے بُتِ پندار کو اپنا خدا تو نے

خرد نے کہہ بھی دیا لاالہٰ تو کیا حاصل؟ - دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

خرد کی تنگ دامانی سے فریاد - تجلّی کی فراوانی سے فریاد

گوارا ہے اسے نظارۂ غیر - نگہ کی نامسلمانی سے فریاد

تو عرب ہو یا عجم ہو تیرا لَا اِلٰہ اِلَّا - لغتِ غریب جبتک تیرا دل نہ دے گواہی

ایں دو حرف لاالہٰ گفتار نیست - لاالہٰ جز تیغِ بے زنہار نیست

(دو حرف لاالہٰ کے محض ایک بات ہی نہیں - لاالہٰ ایسی تلوار ہے جسے کوئی روک ٹوک نہیں)

قبائے لاالہٰ خونیں قبائے است - کہ بر بالائے نامرداں دراز است

قبائے لاالہٰ تو ایسی خونی قبا (چادر ہے) - جو نامردوں کی قد سے بہت لمبی ہے)

نامراد پست ہمت اور کم حوصلہ لوگ لاالہٰ کے تقاضوں کو بجا نہیں لاسکتے۔

اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہر مسلمان خدا پر ایمان رکھتا ہے کیونکہ مسلمان کا خدا پر ایمان نہ ہونا ممکن ہی نہیں - اس کا جواب یہ ہے۔ ایمان تو اس کا ہے لیکن اس قدر ضعیف ہے کہ اُسے ایمان کے زمرہ میں شمار نہیں کیا جاسکتا، اگرچہ اُسے کافر بھی نہیں کہا جائے گا مگر ایسا شخص ضعفِ ایمانی

کی وجہ سے اور ترکِ صوم و صلوٰۃ کی وجہ سے مزید جہنّم کا مزہ چکھے گا اور کروڑوں بلکہ اربوں سال تک جہنّم میں رہنے کے بعد بالآخر جنّت کا حقدار ہوگا۔ ایسے مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ایمان کو مطلوبہ یقین کی حد تک لے جائے حتیٰ کہ اگر اس کی ایک نماز یا کوئی دینی عمل چھوٹ جائے تو اس پر لرزہ طاری ہو جائے۔ علامہؒ فرماتے ہیں ؎

چوں می گویم مسلمانم بلرزم ۔ کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

(جب میں خود کو مسلمان کہتا ہوں تو لرزہ براندام ہو جاتا ہوں۔ کیونکہ میں لا الٰہ کی مشکلات کو جانتا ہوں)

جن لوگوں کے ہاں علم یقین پیدا نہیں کرتا ایسے لوگوں کے لئے علم پر عمل کرنا بھی محال ہے۔ یہ بات قابلِ تسلیم ہے کہ یقین نہ ہو تو اندرونی انقلاب کیسے متصوّر ہو سکتا ہے؟ اگر یقین مثبت ہے تو مثبت عمل ظہور میں آئے گا۔ ناقص یقین نقصِ عمل پر دلالت کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یقین وحی کی روشنی کے بغیر ناممکن ہے یہی وجہ ہے کہ کسی صاحبِ نظر کی صحبت سے یقین میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اوائلِ اسلام میں کچھ لوگ ایمان لائے اور وہ اپنے ایمان کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان جتانے لگے اور مکان، کپڑا، زمین وغیرہ کا مطالبہ کرتے لگے، اِن لوگوں کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

لَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ۚ (اے عرب کے بدو لوگو!) ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا)
(الحجرات ۱۴)

اِس آیت میں اِسی یقین کی طرف اشارہ ہے۔ علم کا وردِ زبان ہونا یا سرمایۂ دماغ ہونا اور بات ہے اور متاعِ جاں بننا اور مسئلہ ہے۔ دل جب تک درست نہ ہو تو عمل کی بات ہی کیا زبان بھی کام نہیں دیتی، علم جب تک یقین کے درجے پر نہ آئے علم نہیں ہوتا ہے۔

جہاں یقین نہیں عمل بھی نہیں

یہ مانی ہوئی مسلّم ہے کہ اعمال کا انحصار یقین پر ہوتا ہے۔ جہاں بے یقینی کی کیفیت ہو وہاں عمل متصوّر نہیں ہو سکتا۔ بتانِ وہم و گمان اور لذات و خواہشات کے بتوں سے امیدیں

اس لئے وابستہ کی جاتی ہیں کہ خدا کی الوہیت پر صحیح ایمان نہیں ہوتا جس شخص کو (مشاہدہ کی حد تک) یقین ہو کہ بجلی کے تار میں ۲۲۰ وولٹ کرنٹ ہوتا ہے اور اس تار کے چھو جانے سے انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے تو ایسا شخص کبھی اس تار کے نزدیک نہیں جاتا۔ آج کے مسلمان کو خدا، جنت، دوزخ اور آخرت کے مواخذے کا علم تو ہوتا ہے مگر ان میں بھاری اکثریت اُن لوگوں کی ہے جو نہ تو آخرت اور اس سے متعلقہ امور کا علم اور نہ ہی اس پر یقین کامل رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آج مسلمانوں کی بھاری اکثریت کے دلوں میں خدا اور اُس کے عذاب کا خوف نہیں رہا۔

مندرجہ بالا بجلی کے تار سے ہلاک ہونے والی مثال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی بات پر یقین حاصل کرنے کے لئے مشاہدے کا ہونا ضروری امر ہے۔ ہم بجلی سے اس لئے ڈرتے ہیں کہ ہم نے کبھی اس کا جھٹکا محسوس کیا ہوگا یا ہم نے لوگوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے بجلی کے جھٹکے سے مرتے ہوئے دیکھا ہوگا لیکن مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے؟ عذابِ قبر اور عذابِ آخرت کیسے ہوتے ہیں؟ یہ ایسی باتیں ہیں جن کا مشاہدہ اس دنیا میں عام طور پر نہیں ہوتا لہٰذا عام لوگ آخرت کے عذاب سے خوفزدہ نہیں ہوتے۔ اِس بات کی تصدیق ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک لمحہ بھر کے لئے جنت یا دوزخ کا مشاہدہ کر لے تو وہ اس دنیا کے کاروبار کی قطعاً پرواہ نہیں کرے گا اور دن رات عبادت میں مصروف رہے گا۔ چنانچہ اِس اصول کے شواہد پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ ہماری بھاری اکثریت واقعتاً خدا سے بے خوف ہے اور ان کو آخرت کے عذاب کا اندازہ بھی نہیں ہے تو پھر اصل مرض اسی یقین (یا مشاہدہ) کی کمی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ اگر مسلمان کو یقین کی دولت میسر ہو جائے تو یہ قوم قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح مستعد ہو سکتی ہے۔ اسلام نے یقین کی دولت کو حاصل کرنے پر بہت زور دیا ہے اور اسی لئے راقم الحروف نے مطلوبہ یقین کے موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی ہے تاکہ اہل ذوق اس کے مطالعے سے مستفید ہو سکیں۔ اس کیلئے مصنف کی کتاب "روحِ نماز" میں دیکھیں۔

خدائے بزرگ و برتر کی الوہیت پر یقین صرف وہی لوگ رکھتے ہیں جو اس کے چیدہ چیدہ احکامات سے پہلو تہی نہیں کرتے بیشک ایسے لوگ ایمان و یقین کی دولت سے

مالا مال ہوتے ہیں لیکن وہ لوگ جو حَیَّ عَلَی الصَّلوٰۃ کی آواز پر نماز کی طرف نہیں آتے وہ ناقص الایمان اور فقہ کے اعتبار سے اوّل درجہ کے فاسق اور فاجر کہلائے جاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کے حکم کو دنیا کے معمولی سے کاموں کی وجہ سے ترک کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگ جو اللہ کے حکم کو ٹال دیں اور دنیا کی ہر پکار پر لبیک کہیں اُن کو اپنے ایمان اور یقین کو درست کرنے کی ضرورت ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بجلی کے تار کی طرح آخرت کے امور کا مشاہدہ اس دنیا میں نہیں ہو سکتا لیکن خدا کا احسان ہے کہ اس نے اس دنیا میں اپنی ایسی نشانیاں مخفی کر دی ہیں کہ جن کو دیکھنے اور غور کرنے کے بعد خدا کی الوہیت کا مشاہدہ اسی طرح ہو جاتا ہے جس طرح کوئی اس دنیا میں بجلی کے تار کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس کتاب میں ایسے دلائل اور شواہد بیان کئے جا رہے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے الوہیت کا بخوبی اندازہ ہو جائے اور اس کے ساتھ ساتھ انسان کی اپنی ذات اور کائنات کی تخلیق کے چند ایسے پہلوؤں کی وضاحت کی جائے گی جس کی وجہ سے یقین میں اضافہ ہو سکے اور مبہم شکوک و شبہات جو بے عملی کا باعث بنتے ہیں دُور ہو جائیں۔

ترقی یافتہ یورپ بے یقینی کی جانب

علامہ اقبالؒ بال جبریل میں مرید ہندی کا کلام بنام مولانا رومؒ لکھتے ہیں کہ اس دور میں ہر شخص چنگ و رباب میں مست اور بے یقینی کے دور میں ہے اور "زکجا می آید ایں آواز دوست" کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا۔ اس بے توجہی کی وجہ بے یقینی اور اہل یورپ کی طرح عیاشی کی طرف رغبت کا ہونا ہے۔ ان کو معلوم نہیں کہ اہل یورپ کے نغمے ان کو سوئے خاک (یعنی نفسانی خواہشات کی پیروی اور اخلاقی قدروں سے دور) کھینچ رہے ہیں ۔

دورِ حاضر مستِ چنگ و بے سُرور — بے ثبات و بے یقین و بے حضور
کیا خبر اس کو کہ ہے یہ راز کیا؟ — دوست کیا ہے، دوست کی آواز کیا؟
آہ یورپ با فروغ و تابناک — نغمہ اس کو کھینچتا ہے سُوئے خاک

ابلیس اپنی مجلسِ شوریٰ میں شکر ادا کرتا ہے کہ آج کا مسلمان یقین سے محروم ہے کیونکہ اُس نے اپنی طاغوتی قوتوں کے ذریعے آئینِ اسلام کو مسلمانوں کی نگاہوں سے پوشیدہ کر دیا ہے۔

؎ بہ چشم عالم سے رہے پوشیدہ یہ عالم تو خوب ‏ یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرم یقین

عمل کیفیتِ علم سے صادر ہوتے ہیں

امام غزالی کا قول ہے کہ علم ایک کیفیت پیدا کرتا ہے اور عمل اس کیفیت سے ہی صادر ہوتے ہیں اور ان دونوں کا تعلق یقین سے ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے علم کو ایسی شان عطا فرمائی ہے کہ اس میں عزت بھی ہے اور دولت بھی ہے۔ حضرت سلیمانؑ کو اللہ تعالیٰ نے اختیار عطا فرمایا کہ علم، حکومت اور مال میں سے ایک چیز کو پسند کر لیں آپ نے علم کو پسند کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی برکت سے حکومت بھی دی اور مال بھی عطا فرمایا (الحدیث) گویا کہ علم ایک ایسی دولت ہے جس کی وجہ سے ہر چیز مل جاتی ہے (ہماری کتاب "سرمایہ ملت" میں "مسلمان کا علمی نصاب" کا مطالعہ فرمائیں) علم وہ عظیم دولت ہے کہ جس کی وجہ سے یقین بھی پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف راہنمائی بھی ملتی ہے۔

خدا کی پہچان کے لئے بنیادی علوم

اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی صفات کا عرفان ممکن نہیں اور یہی اس کی پہچان ہے کہ وہ پہچانا نہ جاسکے۔ تاہم بصیرتِ قلبی سے اُس کی ذاتِ مقدس کے موجود ہونے کے اشارات ہر چھوٹی بڑی اشیائے عالم میں پائے جاتے ہیں؛ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ آنکھ والا تری قدرت کا تماشا دیکھے، چنانچہ اہل نظر ہر ذرّے میں اُس کی ذاتِ ستودہ صفات کے جمال کو ملاحظہ کرتے ہیں۔ ایک حدیثِ شریف میں ہے کہ جس نے خود اپنے آپ کو پہچان لیا اُس نے خدا کو پہچان لیا۔ خدا کو پہچاننے کے لئے اپنے آپ کو پہچاننا اور اپنے آپ کو پہچاننے کے لئے دونوں عالموں کا پہچاننا ضروری ہے۔ لہٰذا اس جگہ انسان اور اس کے گرد و نواح کے عوالم کو پہچاننے کے لئے چھ نکات کی وضاحت کی جاتی ہے جس سے کسی حد تک اللہ تعالیٰ کا کچھ عرفان حاصل ہو سکے گا اور عرفان کے حاصل ہونے کے بعد ذاتِ باری تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ممکن ہو گا۔ ان چھ نکات کو نیچے بیان کیا جا رہا ہے بغور مطالعہ فرمائیں۔

۱۔ ایمان باللہ:۔ یہ معلوم کرنا کہ کیا خدا واقعی موجود ہے اور اگر موجود ہے تو نہ ماننا کیوں؟ خدا کی ذات پر استدلال اور ایسے ایمان کا قائم کرنا جس سے نافرمانی متصور نہیں ہوتی۔

۲۔ نقطۂ آغاز کہ کائنات کی تخلیق کا مقصد کیا ہے، یہ تخلیق کیسے اور کن مراحل میں ہوئی؟
۳۔ ابلیس کی طاقت اور اس کا مقابلہ ایک مسلمان کیسے کر سکتا ہے (آسان طریقے)
۴۔ تفہیم اسلام ۔ اسلام کے پانچوں ارکان کی مختصر معلومات بہم پہنچانا اور شوق پیدا کرنا)
۵۔ اسلام دشمن عناصر سے آگہی اور ان کی مدافعت کے آسان طریقے۔
۶۔ باعمل مسلمان بننے کے چند سہل نکات جن کو ذہن میں رکھنے سے اسلام کی پابندی ہو جاتی ہے۔

ایمان باللہ

اہل اللہ نے ایمان باللہ پر استدلال قائم کیا اور جب یہ استدلال محبت اور عشق کی چاشنی کے ساتھ ملا یا گیا تو عجیب وغریب مشاہدات رونما ہوئے۔ امام غزالیؒ نے فرمایا کہ میں نے خدا کی ذات پر ۱۰ دلائل قائم کئے لیکن اس جاہل گھسیارے کا ایمان مجھ سے بہت زیادہ مستحکم تھا جس سے میں نے خدا کی ہستی کی دلیل مانگی اور وہ دلیل نہ دے سکنے پر سخت برہم ہو گیا اور کہنے لگا "میری نظروں سے دور ہو جاؤ ورنہ میں درانتی سے تمہارا پیٹ پھاڑ دوں گا خدا کی دلیل کیا ہو سکتی ہے۔ بس خدا ہے اور بغیر کسی دلیل کے ہے" ایسا ایمان بھی لاشعور میں چھپے ہوئے یا غیر مرئی مشاہدہ کی باعث ہوتا ہے۔ ایسا شخص ہر بات میں خدا کی ہستی کا مشاہدہ کرتا ہے اگرچہ بیان نہیں کر سکتا۔ یہ بھی ایمان کی اعلیٰ قسم ہے جس میں شک نہ ہو اور اگر ایسا ایمان نہ ہو تو دلائل کی مدد سے ایمان کو بہتر بنایا جاتا ہے چنانچہ ایمان کی وضاحت کرنے کے بعد چند ایسے دلائل پیش کئے جائیں گے جن کے مطالعہ سے اللہ تعالیٰ کے عرفان (پہچان) کی طرف راہنمائی حاصل ہو سکے۔ خدا کے اثبات میں اگرچہ دلائل تو کثیر تعداد میں موجود ہیں لیکن اختصار کے پیش نظر چند دلائل پیش کئے جائیں گے۔

الایمان

ایمان کا مادہ امن ہے۔ جس کے معنی ہیں کسی خوف سے محفوظ ہو جانا، دل کا مطمئن

ہونا اور انسان کا خیر و عافیت کی دولت سے ہمکنار ہوتا ہے (ایمان و اسلام) آمَنَ جب متعدی معنوں میں استعمال ہو تو اس کا معنی 'اٰمَنْتُہٗ' یعنی میں نے اسے امن دیا ہوگا اور اس معنی کے اعتبار سے اسمائے حسنیٰ میں مومن کہا جاتا ہے اور مومن اللہ کا نام ہے (یعنی مومن وہ ہے کہ اگر کوئی اس سے وابستہ ہو تو وہ اُسے عافیت عطا کر دے) غیر متعدی معنوں میں پُر امن ہونے والے کو مومن کہتے ہیں۔ بندہ اللہ سے وابستہ ہو کر امن پاتا ہے اور دوسروں کو بھی امن دیتا ہے۔ امانت بھی امن سے مشتق ہے۔ اِس سے امین کا لفظ نکلا ہے۔ (یعنی جو بھروسہ اور اعتبار کے قابل ہو اور خوف اور اندیشہ سے امن میں ہو)

تفسیر نعیمی میں ہے کہ چونکہ مومن اچھے عقائد اختیار کر کے خود کو دوزخ کے عذاب سے امن میں رکھتا ہے اس لئے اچھے عقیدوں کے اختیار کرنے کا نام ایمان ہے۔ بعض نے کہا کہ کسی چیز کا حق سمجھ لینا اس کو جان لینا اور یقین کر لینا ایمان ہے۔ یہود و نصاریٰ بھی جانتے تھے کہ اسلام سچا مذہب ہے لیکن اس کو مانتے نہ تھے لہٰذا اصل ایمان ماننا ہے جاننا نہیں۔ قرآن میں مومن کے علاوہ رب تعالیٰ کو بھی مومن کہا گیا ہے اور اس کے معنی ہوں گے کہ وہ اپنے کرم سے مومنوں کو عذاب سے امن دیتا ہے۔ ایمان کے دوسرے معنی مضبوط کرنے اور بھروسہ کرنے کے ہیں چونکہ مومن عقائد میں مضبوط اور پورا بھروسہ کرنے والا ہے اس لئے مومن کہا جاتا ہے۔

اصطلاح میں ایمان کی تعریف وہی ہے جو حدیث جبرئیلؑ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی اور وہ یہ ہے "تو اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر، رسولوں پر، قیامت کے دن پر اور تقدیر کی بھلائی اور شر پر (یقین دل) ایمان رکھے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں" گویا خدا کے واحد و یکتا ہونے، اس کے خالق ہونے، اس کے پروردگار اور حاجت روا ہونے اور اُس کی تمام صفات پر ایمان ہونے اور دل سے تصدیق کرنے کا نام ایمان باللہ کہلائے گا۔ ایمان باللہ کے بنیادی تقاضے محبت الٰہی، اطاعت الٰہی اور توکل علی اللہ ہیں ——— توحید کے اقرار کے بعد ایمان بالرسالت (رسالت کی شہادت دینا) اسلام کا پہلا رکن ہے۔ ایمان بالرسالت میں رسالت کی ضرورت، رسالت پر ایمان، اتباعِ رسالت، مقامِ رسالت، علم نبوت، علم رسالت، احترام و محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حقوقِ رسالت کا علم

ہونا چاہیئے تاکہ مقامِ رسالت سے آگہی ہو اور اتباع کا شوق پیدا ہو۔ ایمان بالآخرت میں موت کی حقیقت، اَلْبَعْثَۃُ بَعْدَ الْمَوْتِ، شعورِ عینیت (اپنی ذات کی پہچان اعمال کے اعتبار سے) جزا و سزا اور عالمِ برزخ وغیرہ کے علوم کو حاصل کرنا، آخرت کے حساب کتاب کے لئے خود کو تیار کرنا شامل ہیں۔

امام راغب اصفہانیؒ نے لکھا ہے کہ ایمان کے ایک معنی شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ ایمان کے ساتھ ہر وہ شخص متصف ہو سکتا ہے جو توحید و نبوت کا اقرار کر کے شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہو جائے۔ کبھی ایمان کا لفظ بطور مدح استعمال ہوتا ہے اور اس سے حق کی تصدیق کر کے اس کا فرمانبردار ہو جانا مراد ہے اور تصدیقِ قلبی تو اقرار باللسان اور عمل بالجوارح سے مکمل ہوتی ہے۔ یعنی اگر تصدیق قلبی درست ہے تو وہاں عمل بھی ہو گا اور ایمان بھی ایمان تحقیقی ہی بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہے (یعنی سچا ایمان)

ایمان حقیقی اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے جو یہ جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ تمام عالم اعتباری ہے اور نیست و نابود ہے صرف حق تعالیٰ ہی موجود اور مستقلاً قائم بالذات ہے اور وہی عالم کے تعینات میں متعین ہے اور یہ جملہ تعینات اعتباری ہیں اس قسم کا ایمان کشف اور شہود کی راہ سے ہی حاصل ہوتا ہے نہ کہ کتب تصوف کے مطالعہ یا سائنس اور فلسفہ کے استدلال سے۔

ایقان اس حقیقت کا یقین کامل کہ حق تعالیٰ ہر شے میں بلاحلول اور اتحاد موجود ہے ایمان کا رنگ میں سمانا اور اس یقین میں محو ہو جانا ایقان ہے جیسے حضرت عزیرؑ نے فرمایا اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ (میں یقین کرتا ہوں کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے)۔

احسان پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث جبریل میں احسان کی یہ تعریف فرمائی اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ (متفق علیہ) یعنی احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت ایسی طرح کر کہ گویا تو اسے دیکھتا ہے (یعنی اس کے حضور میں حاضر ہے۔ پس اگر نہیں دیکھ سکتا (یعنی اسقدر حضور نہیں ہے) تو اتنا ضروری ہے کہ گویا خدا تجھے دیکھ رہا ہے۔ احسان وہ مقام ہے جس میں بندہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے آثار دیکھتا ہے۔

اور اپنی عبادت میں یہ تصور کرتا ہے کہ میں خداوند تعالیٰ کے سامنے ہوں اور اس کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ وہ یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ میری طرف دیکھتا ہے۔ یہ مراقبہ کا پہلا زینہ ہے احسان والے شخص (محسن) کا ہر کام خاص اللہ کے واسطے ہوتا ہے۔

ایمان بالغیب یہ غائب یا چھپی ہوئی چیز پر ایمان لانا ہے جو آنکھ، کان، ناک سے چھپی ہوئی ہو اور غور و فکر یا عقل میں نہ آسکے۔

غیب دو طرح کا ہے ایک وہ جس پر کوئی دلیل نہ قائم کی جاسکے مثلاً کسی کی موت، قیامت کے آنے کا وقت اور ماں کے پیٹ میں بچے یا بچی کا معلوم ہونا وغیرہ یہ مفاتیح الغیب میں شامل ہیں۔ البتہ اللہ جسے چاہے اُس کا بھی علم دے سکتا ہے۔ دوسرا غیب وہ ہے جس پر کوئی دلیل قائم ہو سکے اور دلیل سے پتہ لگایا جاسکے۔ جیسے خدا تعالیٰ کی ذات اور اُس کی صفات کا جتنا بھی علم ہو سکے۔ گو یا رب کو ہم نے دیکھا نہیں لیکن اس کائنات کا ذرہ ذرہ اُس کا پتہ دے رہا ہے۔ سورہ بقرہ کے اوائل میں یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ سے مراد یہ ہے کہ متقی وہ ہیں جو ان غیبوں پہ ایمان رکھتے ہیں جو محض عقل و دلائل سے معلوم نہ ہو سکیں۔ مگر دل کی آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں۔ اللہ کی ذات و صفات، انبیاء کرام کی نبوت، حساب قیامت سزا و جزا، جنت دوزخ یہ سب اسی غیب میں شامل ہیں۔ (نعیمی)

تفسیر روح البیان میں ہے کہ ایک غائب وہ ہے جیسے عالم ارواح کہ جب تو وہاں سے دنیا میں آگیا تو وہ تجھ سے غائب ہوگیا اور دوسرا یہ کہ اللہ جو تیرے بہت قریب ہے اور تو اُس سے غائب ہے۔

یار نزدیک تر از من بمن است　　　　ویں عجب تر کہ من ازدے دورم

(میرا یار خود مجھ سے بھی زیادہ نزدیک تر ہے۔ لیکن یہ عجب ہے کہ میں اُس سے دُور ہوں)

(الآیۃ) یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ سے تین معنی مراد ہیں　　پہلے یہ کہ حق تعالے اور جنّت و دوزخ کے مغیبات کو بغیر دیکھے جانتے ہیں (۲) یہ کہ وہ غیب چیز (یعنی دل) سے ایمان لاتے ہیں۔ (چونکہ دل چھپا ہوا ہے زبان ظاہر ہے) اور (۳) یہ کہ وہ غیب کی حالت یعنی مسلمانوں کے پیچھے بھی ایمان لاتے ہیں (منافق تو مسلمانوں کے سامنے ایماندار بن جاتے تھے

اور بعد میں انکار کرتے تھے) چنانچہ اس آیت کا معنی یہ ہوا کہ مسلمان وہ ہے جو اَن دیکھی چیزوں پر چھپے ہوئے دل سے اور مسلمانوں کے ڈر کے بغیر بھی ایمان لاتے ہیں۔

عجب ایمان درج بالا بیان سے ظاہر ہوا کہ عجب ایمان تو ایمان بالغیب ہے اور اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان بالغیب کو ایمان بالشہود کی نسبت بہت قابل تعریف قرار دیا ہے۔ آپ کا فرمان عمرو بن شعیبؓ نے صحیح اسناد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز دریافت کیا ای الخلق اعجب الیکم ایمانا یعنی تمہارے نزدیک کس مخلوق کا ایمان عجیب تر ہے؟ صحابہؓ نے کہا کہ فرشتوں کا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ ایمان کیوں نہ لائیں وہ تو خدا کے انوار، عرش کرسی، لوح محفوظ، جنت دوزخ دیکھ کر ایمان لاتے ہیں۔ ایسا ایمان تو کمال کا حامل نہیں صحابہؓ نے عرض کیا کہ پھر عجب ایمان تو انبیاء کا ہوگا۔ فرمایا کہ وہ ایمان کیوں نہ لائیں اُن پر تو وحی نازل ہوتی ہے۔ اِس کے بعد صحابہؓ نے کہا کہ پھر ہمارا ایمان عجب ہوگا۔ فرمایا کہ جب میں تم میں موجود ہوں تو تمہارا ایمان لانا کیا بڑی بات ہے تم میرے معجزات دیکھتے ہو (چاند کو دو ٹکڑے کرنا، کنکروں کا کلمہ پڑھنا، ایک لوٹا پانی سے لشکر کا سیراب ہونا وغیرہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عجب ایمان والے تو وہ لوگ ہوں گے جو میرے بعد آئیں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے پاس بس ایک خدا کی کتاب ہوگی اور وہ اس کے احکامات پر ایمان لائیں گے۔ ایک حدیث میں ہے کہ وہ لوگ مجھ سے اِس قدر عشق کریں گے کہ میری ایک جھلک دیکھنے کے لئے اپنے تمام مال و متاع دینے کو بھی تیار ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم لوگ دین کے دس حصّوں میں سے ایک حصّہ بھی ضائع کر دو تو تم لوگ گرفت میں آجاؤ گے اور وہ لوگ اگر دین کا دسواں حصّہ بھی تھامے رہیں گے تو نجات پا جائیں گے۔

تصدیق بلا اتّباع ضلالت ہے جو شخص اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق تو کرتا ہو مگر اُن کی شریعت کی اتباع و پیروی نہیں کرتا وہ سخت گمراہی اور ضلالت میں ہے کیونکہ اُن کی اتباع ہم پر واجب ہے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لئے ایمان کو بھی تسلیم نہیں کیا جس میں وہ مختلف اور مختلط ہیں حتیٰ کہ وہ ہر کام میں اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ نہ مانیں (فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ

حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ) اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ سب سے زیادہ حق ہے اور آپ کے فرمان کی موجودگی میں کوئی خدشہ، خلجان یا مختلف فیہ عمل بھی نہیں ہونا چاہیئے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ (مشکوٰۃ) یعنی تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اُس کی ہر خواہش اُس دین کے تابع نہ ہو جائے جس کو میں لے کر آیا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "جب میری اُمت دُنیا کو بڑی شے سمجھنے لگے گی تو اسلام کی ہیبت اور وقعت اُن کے دل سے نکل جائے گی اور جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ بیٹھے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہو جائے گی اور جب آپس میں گالی گلوچ اختیار کرے گی تو اللہ جل شانہٗ کی نظروں سے گر جائے گی" احادیث میں وارد ہے کہ جو شخص اپنے عہد کا پابند نہ ہو یا امین یا دیانتدار وغیرہ نہ ہو تو اُس کا ایمان کامل نہیں چنانچہ ایسے ایمان سے کیا حاصل ہو سکتا ہے جس سے خدا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ناراضگی کا اظہار کریں۔

اللہ تعالیٰ کی پہچان کے لئے براہین (دلائل)

بُرہان دلیل قاطع کو کہتے ہیں جو تمام دلائل سے زوردار ہو اور ہر حال میں ہمیشہ سچی ہو جیسے قرآن میں ہے يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آچکی ہے۔ النساء ۱۷۴) اِس آیت میں بُرہان سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ پر نازل ہونے والا قرآن مجید ہے۔ آئندہ سطور میں عقلی، قرآنی، فلسفی اور سائنسی دلائل اللہ تعالیٰ کی ذات کی پہچان کے لئے پیش کئے جا رہے ہیں تاکہ قارئین کے دلوں میں یقین و ایمان میں اضافہ ہو جیسا کہ قرآن میں ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت مومنوں کی آنکھوں سے آنسو چھلک رہے ہوتے تھے کیونکہ انہوں نے حق کو پہچان لیا تھا تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ (مائدہ ۸۳) اور سورہ توبہ آیت ۱۲۴ میں فرمایا کہ ایمان والوں کے ایمان میں اِس سورہ نے اضافہ کر دیا۔

صوفیہ کو تو نورِ باطن کے ذریعے خدا کا عرفان حاصل ہوتا ہے۔ مذہبِ
عقلیت بھی عقل کے ذریعے خدا کو پہچانتے ہیں کیونکہ عقل بھی خدا کا ایک عطیہ ہے اور قرآن
بار بار انسان سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ عقل سے خدا کی کائنات اور فطرت کے اسرار پر غور و فکر
کرے اور خود یہ نتیجہ نکالے کہ آیا یہ کائنات کی حیرت انگیز چیزیں اتفاقاً ظہور میں آ گئیں یا نہیں
ایک محیط عقلِ کل نے تخلیق کیا ہے؟ دین اور عقل لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں اگر قرآن کی کوئی
بات فلسفہ سے ٹکراتی ہوئی نظر آئے تو قرآن کے مخفی معانی کو عقل کے ذریعے بے نقاب کرے اور
فلسفے کے نقائص کو درست کرے۔ فصل المقال میں ابنِ رشد یہ کہتا ہے کہ دین اور اسلامی فلسفے میں
کوئی اختلاف نہیں۔ دین وحیٔ الٰہی کے ذریعے مکشوف ہوتا ہے اور فلسفہ نفسِ انسانی کی تخلیق
ہے۔ امام غزالی زمین کو اس لئے سپاٹ نہیں مانتے تھے کہ قرآن میں کہا گیا ہے کہ خدا نے اسے
فرش کی طرح بچھا دیا ہے۔ امام غزالی، ابن سینا اور ابن رشد من حیث العموم علمائے عقل سے
کلیتہً متفق ہیں۔ یہ لوگ عقلِ سلیم کے ساتھ قرآن کا فہم حاصل کرتے اور ان کا درست ہونا
ثابت کرتے تھے قرآن کا فرمان خود مُحق ہے اِس پر یقین کرنا ہر ذی عقل کا شعار ہے۔
عقل اور قرآنی انکشافات کے علاوہ اس دنیا میں وقوعِ پذیر ہونے والے بے شمار
واقعات اور مشاہدات بھی ایک خدا ہونے کی دلیل پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ ایسے مشاہدات
سے بھی درج ذیل بیان میں خدا کی ذات پر استنباط کیا گیا ہے۔

(ا)۔ اثباتِ ذاتِ حق تعالیٰ کے لیے عقلی دلائل

وہ عقلی دلائل جن پر غور کرنے کے بعد خدا کی ذات پر استدلال قائم ہوتا ہے
حسبِ ذیل ہیں:۔

(۱) کائنات کے اسباب و علل، ہر چیز کسی مقصد کے پیش نظر بنائی یا پیدا کی جاتی ہے
اگر ہم سوچیں تو ہمارے گھر میں چھوٹی سے چھوٹی چیز مثلاً ماچس کی سلائی کو بنانے کا بھی کوئی مقصد
ہے۔ اسی طرح اگر بھینس کے گوبر میں پیدا ہونے والے کیڑے بھی کئی بیماریوں کے علاج میں کام
آتے ہیں تو پھر اس زمین، آسمان، سورج، ستاروں وغیرہ کو بھی بغیر مقصد کے پیدا نہیں کیا گیا اور

اِن سب کی خالق وہ ذات ہے جس کو ہم خدا کہتے ہیں اور وہ ذات عظیم طاقتوں کی مالک ہے۔
علل جمع ہے علّت کی اور علت کسی سبب، وسیلہ یا ذریعہ کو کہتے ہیں
اس کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) علت صوری یعنی کسی چیز کی ظاہر صورت جس پر وہ بنائی گئی (جیسے لکڑی کو کرسی کی شکل دیدی جائے) (۲) علت غائی یعنی کسی شے کے بنانے کا سبب (جیسے کرسی اس لئے بنائی کہ اس پر بیٹھا جائے) (۳) علت فاعلی یعنی اس کے بنانے والا کون ہے؟ (۴) علت مادی یعنی وہ کون سا مادہ ہے جس سے وہ چیز بنی (لہٰذا کرسی لکڑی سے بنی) علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ ذاتِ مطلق عمل کی خاطر یہ ساری صورتیں اختیار کر لیتا ہے اور ہر چیز میں اس کی تجلّی ظاہر ہوتی ہے ؎

می شود از بہر اغراض و عمل — عامل و معمول و اسباب و علل

(مقاصد اور اعمال کیلئے جو چیزیں ضروری ہوتی ہیں وہ ہیں عمل کرنے والے جس پر عمل کیا جائے، عمل کے اسباب اور غائی علتیں)

کائنات کی کوئی نہ کوئی علّتِ صوری (اس کی شکل) علت غائی (کیوں بنائی گئی) علّت فاعلی (کس نے اس کو بنایا) و علّت مادی (کس چیز سے بنائی گئی) ضرور ہے۔ سائنسدانوں نے ان سب کا جواب دیا ہے لیکن کچھ سائنسدان علت فاعلی (یعنی کائنات کو کس نے بنایا) کے معاملے میں غلو کرتے ہیں کہ اِس کو فطرت نے بنایا۔ ظاہر ہے کہ فطرت خالق نہیں ہو سکتی یہ تو تخلیق کا عمل ہے۔ فطرت تو قانون قدرت ہے۔ خالق تو ایک ذات ہوتی ہے۔ لہٰذا سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کون اِس کا خالق ہو سکتا ہے۔ کچھ حساب دان یہ بھی کہتے ہیں کہ ہر چیز کے بننے کا کوئی نہ کوئی سبب ہے اور آخری سبب خدا کی ذات ہے چنانچہ آخری سبب جس کو کسی نے نہیں بنایا وہی خالقِ کائنات اللہ تعالیٰ کی ذات ہو سکتی ہے۔

(۲) خدا کا ہونا ضروری ہے، کوئی چیز (کارخانہ یا مشینری) خود بخود نہیں چل سکتی۔ اس کا فاعل ضروری ہے اور کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی خدا نہیں تو سائنسدانوں کو ایک ایسا خدا ایجاد کرنا ضروری ہے۔ یہ سائنس والوں کے لئے ایک کھلا چیلنج ہے۔

(۳) امام غزالیؒ اور ایک دہریہ ایک دہریہ کے ساتھ مناظرے کے لئے امام غزالیؒ

کو بُلایا گیا تو آپ جائے مناظرہ پر کافی تاخیر سے پہنچے اور وجہ تاخیر یہ بیان کی کہ آن کے راستے میں اچانک ہی ایک دریا بن گیا جس کو عبور کرنا ان کے لئے ممکن نہ تھا اور پھر اچانک لکڑی کے چند تختے اُس جگہ بہتے ہوئے آ گئے اور خود بخود میرے پاس آ کر ایک کشتی کی صورت میں پیوست ہو گئے چنانچہ میں نے اُس کشتی کی مدد سے دریا کو عبور کیا۔ دہریہ کہنے لگا یہ کس طرح ممکن ہے کہ دریا وجود میں آ گیا ہو اور کشتی خود بخود بن گئی ہو۔ آپ نے فرمایا کہ اگر یہ دریا اور کشتی خود بخود نہیں بن سکتی تو یہ اتنی بڑی کائنات کس طرح خود بخود بن گئی یہی خدا کے ہونے کی دلیل ہے۔ اِس پر دہریہ لاجواب ہو گیا۔

۴) حضرت موسیٰ کا خدا سے کلام موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ الٰہی تجھے نیند کیوں نہیں آتی فرمایا دو شیشیوں کو ہوا میں بلند کر کے ساری رات کھڑے رہو۔ کچھ دیر بعد جب اونگھ آئی تو شیشیاں ٹکرا کر ٹوٹ گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ اگر میں سو جاؤں تو کائنات ٹکرا جائے۔ اس لئے میرا سونا روا نہیں۔

(۵) نظام خانہ اگر ایک گھر میں کوئی سربراہ نہ ہو تو گھر کا نظام نہیں چل سکتا۔ اسی طرح کائنات کا چلنا ممکن نہیں جب تک اِس کو چلانے والا کوئی نہ ہو۔

(۶) حضرت ابراہیمؑ کا نمرود سے مناظرہ نمرود خود کو خدا کہتا تھا حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ اگر تو خدا ہے تو مُردے کو زندہ کر کے دکھا اور زندہ کو مار کر دکھا۔ اس نے دو قیدی بلائے اور ایک کو پھانسی سے رہا کر دیا اور دوسرے کو پھانسی لگا دی۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ میرا خدا سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو مغرب سے نکال کے دکھا تو اس سوال پر اس کے ہوش اُڑ گئے۔ اس میں بھی ایک خدا کے ہونے کی دلیل موجود ہے۔

(۷) اگر دو خدا ہوتے تو فساد ہوتا کیونکہ دونوں میں جھگڑا لازم تھا۔ ایک سورج کو مغرب سے نکالتا اور دوسرا مشرق سے نکالنا چاہتا چونکہ ایسا کوئی تصادم نظر نہیں آتا۔ اس لئے خدا ہے اور ایک ہی ہے۔

(۸) کوئی شخص مکھی کا پر نہیں بنا سکتا مصنوعات تو بنتی ہیں مگر اصل کے ساتھ ان کا کوئی مقابلہ نہیں۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کاریگر تمام مخلوق سے الگ اور انوکھا ہے۔

(۹) سورہ الرحمٰن کا چیلنج:۔ سورہ رحمٰن میں اللہ نے اپنی قدرت کے کارناموں کا ذکر کیا ہے اور اللہ نے فرمایا ہے کہ تم میری ذات کو کن کن باتوں سے جھٹلاؤ گے۔ اس کے کارنامے ایسے ہیں کہ اس کائنات میں اس کی کوئی ہمسری نہیں کرسکتا۔ ان باتوں پر غور کرنے سے خدائے قادر مطلق کی حقانیت کا علم ہوتا ہے۔

(۱۰) اللہ بہت بڑا حساب دان ہے:۔ سورۂ انعام آیت نمبر ۶۲ میں ہے وَھُوَ اَسْرَعُ الْحَاسِبِیْنَ اور وہ (اللہ) سب سے تیز حساب کرنے والا ہے ایٹموں اور مالیکیولز کے اندر جو کچھ نظام موجود ہے وہ سب ایک حساب کے مطابق دکھائی دیتا ہے۔ منفرد اور مرکب اشیاء کے اجزاء کی ترکیب اور الیکٹرونز کے نظام اور حساب کو دیکھیں تو وہی ایک قانون نظر آتا ہے جو نظامِ شمسی میں نظر آتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب چیزوں کا کاریگر ایک ہی ہے ہے۔ حقیقت ایک ہے ہر شے کی خاکی ہو کہ نوری ہو۔ لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرّے کا دل چیریں

(۱۱) اہل قبور کے محفوظ اجسام:۔ قرآن میں سورہ البقرہ آیت ۱۵۴ میں فرمایا گیا ہے کہ جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں تو اُن کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں (وہ اللہ کے ہاں رزق دیئے جاتے ہیں) اور ایسی مثالیں بھی نظر آتی ہیں کہ واقعی ایسے لوگوں کے اجسام ہزاروں سالوں کے بعد بھی قبروں میں محفوظ پائے گئے (بغداد میں جو قبریں بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں کھودی گئیں ان میں سے حضرت حذیفہؓ بن الیمانؓ اور حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ کے اجساد مبارک تقریباً ۱۲۰۰ سو سال بعد بالکل تر و تازہ پائے گئے (چند صفحات کے بعد اثباتِ ذاتِ حق کے فلسفی اور مشاہداتی دلائل میں "خدا کی نشانیاں دنیا میں" کے عنوان کے تحت تفصیل ملاحظہ فرمائیں) ان واقعات سے قرآن کی حقانیت اور خدا کے مقرر کردہ اصولوں اور ذات کا ثبوت ملتا ہے۔

(۱۲) کائنات صرف ایک ہی عظیم ہستی کے بس میں ہے:۔ تخلیقِ کائنات کے بیان میں کائنات کی وسعت کے متعلق کچھ بیان اس کتاب میں لکھا گیا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ کسی کو کائنات کے آخری کناروں کا ابھی تک علم نہیں ہو سکا۔ ہر سال نئے نئے اجرام فلکی انسانی علم میں آتے ہیں۔ لیکن کائنات کہاں تک ہے شاید یہ کبھی بھی معلوم نہ ہوسکے۔ اس بات سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے کائنات کی حقیقت سے

نابلد ہے چنانچہ کوئی طاقت ضرور انسان کی طاقت سے بڑی ہے جو اس قدر عظیم کائنات کو چلا رہی ہے اور وہ ذات خدا کے علاوہ اور کون سی طاقت ہو سکتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ فطرت کے اصولوں نے ہی یہ سب کچھ پیدا کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ فطرت تو قوانینِ الٰہی کا ایک ضابطہ ہے کہ اگر گندم بوئی جائے تو گندم ہی اُگے گی۔ فطرت کے اصولوں سے گندم تو دبخود نہیں اگ سکتی جب تک اس کو بونے والا اور پرورش کرنیوالا کوئی نہ ہو۔ قوانین فطرت تو خدائے کائنات کے بنائے ہوئے ہیں وہ ہستی حکم دیتی ہے تو "کُن" سے "فَیَکُوْن" ہوتا ہے۔ خود بخود کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ گویا فطرت تو خود خدائے قدوس کا آلۂ کار ہے اور ایک روز اس کو ختم ہو جانا ہے اور سوائے ذاتِ خداوندی کے اور کوئی چیز باقی نہ رہے گی۔

(۱۳) کشف القبور:۔ اہلِ قبور کے احوال کشف قبور کے ذریعہ معلوم کیے جاتے ہیں۔ ان کی تصدیق آنیوالے واقعات خود کرتے ہیں یہ اس لئے کہ جو کچھ اہل قبور بتاتے ہیں سچ ثابت ہوتا ہے۔ اس بات کے متعلق اولیائے کرام نے بہت کچھ لکھا ہے۔ الحمد و تعالیٰ مستند کتابوں کی روایات تو ایک طرف راقم الحروف نے بذاتِ خود کشف القبور کو صحیح پایا ہے اور یہ دیکھا ہے کہ جس طرح اولیائے کرام زندگی میں اختیارات رکھتے تھے وہ اختیارات مرنے کے بعد ختم نہیں ہو جاتے۔ اگرچہ کچھ لوگ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن اس میں ان کا قصور نہیں کیونکہ وہ اس شرف سے بجانب اللہ محروم ہیں (چونکہ یہ بحث بہت طویل ہے اس لئے اس کا متعلقہ کتب سے مطالعہ کریں) ان واقعات کی تصحیح سے خداوند تعالیٰ کی حقانیت بھی واضح ہو جاتی ہے

(۱۴) مرنیوالوں سے خوابوں میں ملاقات:۔ ایسے واقعات مطالعے میں آتے ہیں جس سے اس جہان کے اور اگلے جہان کے احوال مرنیوالے لوگ خوابوں میں بیان کر جاتے ہیں خواب میں بیان کردہ واقعات اکثر سچے ثابت ہوتے ہیں بشرطیکہ خواب دیکھنے والے کی کیفیت درست ہو۔ سچے خوابوں کو تو نبوت کا چالیسواں حصّہ کہتے ہیں۔ ان خوابوں میں بیان کردہ احوال سے بھی خدا کی حقانیت کا پتہ چلتا ہے۔

(۱۵) مشاہدات اولیائے کرام:۔ اللہ تعالیٰ نے اولیاء کرام کو بہت اختیارات عطاء

کئے ہیں وہ بہ یک وقت کئی جگہوں پہ حاضر ہو سکتے ہیں۔ اور وہاں کے حالات کو بیان کرتے ہیں حالانکہ فی الوجود وہ ایک ہی جگہ پر موجود ہوتے ہیں۔ لیکن روحانی طور پر وہ کئی جگہ موجود ہو سکتے ہیں ایسے واقعات حضرت مجدد الف ثانیؒ اور دیگر مستند بزرگوں نے اپنی تصانیف میں بیان فرمائے ہیں۔

کچھ اولیائے کرام ایسے بھی ہیں جو خطۂ زمین کو اپنی ہتھیلی پر اس طرح سے دیکھتے ہیں جیسے ہتھیلی پر کوئی تل موجود ہو۔ یہ مضمون بھی بہت طوالت طلب ہے اور اس کے متعلق کچھ بیان علم کے باب میں شامل کیا جا چکا ہے۔ اولیائے کرام کی اس قوت سے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی ہے خدائے تعالیٰ کی حقانیت کا ایک بیّن ثبوت ملتا ہے۔

(ب) اثباتِ حق تعالیٰ کے قرآنی دلائل

سب سے پہلے اس بات کو سمجھ لینا ضروری ہے کہ قرآن پاک ایک الہامی کتاب ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اپنے رسول مقبول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی اور اس کا ایک ایک حرف کلام الٰہی ہے بلکہ مالک کائنات نے فرمایا کہ جس شخصیت پر یہ قرآن نازل کیا گیا وہ بھی روحانیت کے اس قدر بلند مقام پر فائز ہیں کہ ان کا اپنا کلام وحی متلو کے نہ ہوتے ہوئے بھی وحی (یعنی وحی غیر متلو) کا درجہ رکھتا ہے۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ وحی الٰہی میں جو کچھ خداوند تعالیٰ نے فرمایا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلام پاک کی جو تشریح فرمائی وہ سب کا سب سچائی پر مبنی ہے۔ ان دونوں میں رائی برابر شک کرنا بھی مسلمان کو ایمان سے خارج کر دیتا ہے۔ انہی اصولوں کی صداقت کے پیش نظر جو دلائل قرآن کی رو سے پیش کئے جائیں گے ان میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ ویسے تو قرآن کا ہر حرف اللہ تعالیٰ کے ہونے کی ایک دلیل ہے اور اس کلام سے سینکڑوں دلائل قائم کئے جا سکتے ہیں لیکن اختصار کے پیش نظر چند ایک دلائل قرآن مجید سے ملاحظہ فرمائیں۔ ہماری کتاب "سرمایۂ ملت" میں ایک باب قرآن کے حقائق و معارف پر شامل کر دیا گیا ہے جس میں اس موضوع پر قدرے زیادہ وضاحت دیدی گئی ہے۔

(۱) وہ ذات جس پر قرآن نازل ہوا ۔ ذرا سوچیے کہ وہ ذات جس پر قرآن نازل ہوا۔ وہ کسقدر پاکیزہ اور بلند کردار و اخلاق کی مالک تھی۔ آپ کی زندگی پوری کائنات کے لئے صداقت کا نمونہ تھی اور آپ کی صداقت کا یہ عالم ہے کہ آپ کے مخالف بھی آپ کو امین کہتے تھے اور اب بھی کہتے ہیں آپ کی زندگی کی بلندیوں کی مثال کسی شخص میں کبھی نہ دیکھی گئی آپ کی تعریف اور سنت یعنی زندگی کی ایک ایک بات کی اس طرح حفاظت کی گئی ہے کہ آج تک دشمنانِ اسلام بھی حیران ہیں۔ آپ کی سیرت پر لاکھوں کتابیں لکھی گئی ہیں اور آپ کی شان میں کروڑوں نعتیں اور مدحتیں آج بھی لکھی جاتی ہیں دشمنانِ اسلام آج بھی آپ کو دنیا کا بہترین انسان تسلیم کرتے ہیں۔ یہ وہ واحد ہستی ہے جس کیخلاف آج تک ایک بھی نفرت آمیز جملہ منسوب نہیں ہوا۔ ایسے شخص کی صداقت پر کسی کو رائی برابر شبہ نہیں ہو سکتا اور اگر وہ کہے کہ خدا ہے تو یہ بات ہرگز غلط نہیں ہو سکتی۔

(۲) کلام پاک کلام بشر نہیں ۔ قرآن نے عرب اور دُنیا کے تمام زباندانوں اور ماہرینِ کلام کے لئے یہ اعلان کیا ہے کہ اگر تم سمجھتے ہو کہ یہ قرآن کسی انسان کی تحریر ہے تو تم سب مل کر اس طرح کی ایک آیت ہی بنا کر دکھاؤ۔ چنانچہ سب دانشوروں نے متفقہ فیصلہ دیا کہ اس قرآن کی آیات کی طرح ایک آیت بھی نہیں بنائی جا سکتی۔ بنابریں اس کتاب کا الہامی ہونا ثابت ہوا۔

روایات میں ہے کہ جب سورہ کوثر نازل ہوئی تو اہل مکہ نے اس سورہ کو ایک کاغذ پر لکھ کر اس عظیم شاعر کی غار کے باہر رکھ دیا جس نے لوگوں کی بدکرداریوں سے تنگ آ کر مکہ کو ترک کر کے ایک غار میں سکونت اختیار کر لی تھی اس کے عزیزوں نے قریش کی کہ درج ذیل سورہ میں چوتھا مصرعہ ملا دیں۔ اہل مکہ نے دیکھا کہ اس یگانۂ روزگار شاعر نے اس کاغذ پر جہاں یہ لکھا تھا

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ اس کے آگے لکھ دیا لَیْسَ هٰذَا کَلَامَ الْبَشَرْ کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں۔ اس نے لکھا اور کاغذ واپس کر دیا۔
اس کلام جیسا ایک فقرہ بھی نہ بن سکا اس کے الہامی ہونے اور ایک خدا ہونے کی بین دلیل ہے۔

(۳) آن کتاب زندہ قرآن حکیم ۔ کوئی بھی الہامی کتاب جو اس دنیا میں آئی یا غیر الہامی کتاب لکھی گئی وہ محض چند سالوں کے لئے زندہ رہی ہے مگر قرآن عظیم ایک واحد کتاب ہے جو

آج بھی عین اسی طرح پہلی حالت میں ہے اور اسی طرح پڑھی جاتی ہے جس طرح یہ نازل ہونے کے وقت پڑھی جاتی تھی۔ اس میں نہ کوئی خامی ہے اور نہ اس کی آیتوں میں ٹکراؤ اور اس کی کوئی آیت ایسی نہیں جو اپنی حلاوت میں دوسری آیت سے کم ہو جیسا کہ انسانی کلام میں عموماً ہوتا ہے کہ کوئی کلام دوسرے کلام سے یا تو بڑھ کر ہوتا ہے یا کچھ کم تر ہوتا ہے لیکن یہ کلام چونکہ اس ذاتِ باکمال کا ہے جس کا کوئی ہمسر نہیں اس لیے انسانی کلام سے ہر اعتبار میں اعلیٰ، ارفع اور ممتاز ہے۔ یہ دلیل اس کتاب کے الہامی اور اس کے نازل کرنے والے ایک خدا کے ہونے کا ثبوت ہے۔

(۴) عبارتِ قرآن کے انوار:۔ اب تو سائنس دانوں نے بھی یہ بات تسلیم کر لی ہے کہ ہر حرف جو منہ سے نکلتا ہے ایتھر میں لہریں پیدا کرتا ہے اور ہمارا یہ یقین درست ہے کہ قرآن، حدیث اور کلامِ اولیاء میں حسبِ مراتب مختلف انواع کے انوار موجود ہوتے ہیں جو عام کلام میں نہیں ہوتے اور پہچان رکھنے والے سائنسی آلہ جات اور انسان اس فرق کو معلوم بھی کر لیتے ہیں قرآن اور حدیث میں جو انوار ہیں وہ دیگر الفاظ میں نہیں۔ کیونکہ یہ کتاب "تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ" ہے۔

(۵) انسانی جسم کی مشینری:۔ مولانا رومؒ نے تجاذبِ اجسام (تمام اجسام ایک دوسرے کو اپنی جانب کشش کرتے ہیں) کا ذکر مثنوی میں نیوٹن سے سینکڑوں سال پہلے کیا ہے۔ آپ نے تجدیدِ امثالی (جسم کے خلیات کی ہر روز نئے خلیات سے تبدیل ہونے اور ہر روز انسان کے جسم کی تجدید) کے متعلق ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ قدرت نے انسانی جسموں کو کس طرح طویل مدت کے لئے محفوظ کیا ہے۔ مولانا نے مسئلہ ارتقاء اور بہت سے مسائل کا حل قرآن کے حوالے سے پیش کیا ہے جو اس کے الہامی ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔ انسانی جسم میں بیماریاں اور ان کا قدرتی طور پر علاج ہونے کے نظام سے بھی کسی خدا کی کاریگری معلوم ہوتی ہے۔

(۶) کارخانۂ کائنات میں فتور کا نہ ہونا:۔ سائنسدان جانتے ہیں کہ ایک ایٹم کے اندر کیا کچھ ہے۔ ایک گلیکسی کی پوری کائنات میں ہمارے نظامِ شمسی کی کیا حیثیت ہے اور اگر اس کائنات میں موجود بے شمار منفردات و مرکبات کی باریکیوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی زبردست دماغ کی ہی تخلیق ہو سکتی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تمام کائنات معیّن اصولوں پر چل رہی ہے کہیں بھی کوئی کمی یا غلطی نظر نہیں آتی۔ کیونکہ یہ ایسی ہستی کی تخلیق ہے جو خطا سے مبرا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا

چیلنج ہے کہ تم نظر دوڑا کر دیکھو تو تمہیں ہمارے نظام کائنات میں کہیں فطور نظر نہیں آئے گا (سورۃ ملک آیت ۳-۴) سائنسدان اللہ تعالیٰ کی قوت تخلیق اور اس کی ذات کا ایک بہت بڑا حساب دان ہونے پر حیرت کا اظہار کرتے ہیں (اس تحریر میں تخلیقِ کائنات کے بیان کو شامل کیا گیا ہے اس کے علاوہ غلام جیلانی برق کی کتاب "دو قرآن" کا مطالعہ بھی فائدہ مند ثابت ہوگا) یہ تمام حیرت افروز باریکیاں جو کائنات میں نظر آتی ہیں، ایک خدا کے ہونے کی دلیل پیش کرتی ہیں۔

(۷) کائنات احاطۂ انسانی سے باہر ہے۔ انسان کو تو یہ بھی علم نہیں کہ کائنات کی وسعت کہاں تک ہے۔ سورج کا درجۂ حرارت چھ ہزار ڈگری سنٹی گریڈ ہے تو پھر کوئی ایسی طاقت ہے جو کائنات کی اشرف ترین مخلوق یعنی انسان سے بھی بالا اور برتر ہے جو اس کو اپنے حکم اور نظام پر چلا رہی ہے وہ ذات خدا کے سوا اور کون ہو سکتی ہے۔ انسان تو خود ۵۰ ڈگری سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتا۔

(۸) ایٹم کا اندرونی خاکہ۔ ایٹم کے اندر جو نظام ہے وہی نظام ہمارے نظام شمسی میں کارگر ہے۔ اسقدر لطیف ایٹم اور اس قدر عظیم نظام شمسی اور پھر کائنات کی صانع اور چلانے والی کوئی سپر طاقت صرف خدا ہی ہو سکتی ہے، جو ہر چیز کو ایک زبردست حساب کے مطابق چلا رہی ہے۔ ایک ایٹم کی تحقیق سے ہزاروں مخفی اسرار کو آشکار کیا جا چکا ہے اور ابھی نہ جانے کتنے اسرار صیغۂ راز میں بند ہیں۔ یہ سب چیزیں اس کے صانع کی طرف اشارہ کر رہی ہیں، لارڈ کلون نے بجا طور پر یہ لکھا ہے کہ "یہ خیال سراسر باطل ہے کہ کائنات کا آغاز اور یہ تسلسل بغیر کسی خالق کے ہو سکتا ہے۔ فطرت کے یہ حیرت انگیز مناظر جن سے تکمیل و رحمت برستی ہے، الٰہی تخلیق اور تعمیر پر مبہوت کن دلائل ہیں جو ہمیں صاف بتا رہے ہیں کہ کائنات کا انحصار ایک حی و قیوم اور قادر مطلق کی خشیت پر ہے"۔

(۹) صاحبِ قرآن کا اُمّی ہونا۔ نہ صرف یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے بلکہ آپ کی اُمت کے بے شمار اولیاء اُمّی ہونے کے باوجود ایسے علوم کے مالک تھے کہ بڑے بڑے عالم ان کے سامنے کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔ یہ سب اس لئے ہوتا ہے کہ یہ لوگ تلامیذ الرحمٰن ہوتے ہیں اور علم لدن سے سرفراز کئے گئے ہیں۔ اس لئے دیگر علماء سے بدرجہا زیادہ اعلم ہوتے ہیں۔ اس بات سے بھی خدائے رحمٰن کی ذات کا علم ہوتا ہے۔

(۱۰) قرآن مکمل کتاب ہے اور اسلام مکمل دین ہے:۔ تمام شریعتوں کی تکمیل کرنے والی اور تمام انسانوں کے لئے کسی ضابطہ حیات کی آخری شکل قرآن کی وساطت سے ہم تک پہنچی ہے یہ وہ کتاب ہے جو بلوغت انسانیت کے تقاضوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری پیغام ہے۔ جب انسانیت بلوغ کو پہنچ چکی اور دین متعین ہو گیا تو اب مزید کسی کتاب یا دین کی بھی ضرورت نہ رہی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اس دین کو مکمل اور اس کتاب کو آخری کتاب کہا جبکہ اس سے پہلے پیغمبروں کی شریعت میں وقتاً فوقتاً تبدیلیاں آتی رہیں۔ دین اسلام کا دوسرے دینوں سے تقابل کر کے دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس دین میں کسی قسم کی کمی اور کجی نہیں ہے اور یہی اس کے دین الٰہی اور دین فطرت ہونے کی دلیل ہے۔

(۱۱) حفاظت قرآن کا کرشمہ:۔ پہلی کتابیں چونکہ اس وقت کی ضروریات کو پورا کرتی تھیں جب کا انسانی ذہن مکمل طور پر بالغ نہیں ہوا تھا، اس لئے مکمل نہ تھیں۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ جب انسانیت بلوغت پر پہنچی تو قرآن کے بعد کسی کتاب کی ضرورت نہ رہی چنانچہ اس کتاب کو ہر آنیوالے وقتوں کے لئے محفوظ کر دیا گیا اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لی ہے۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (الحجر: ۹)	بیشک ہم نے ہی اتارا ہے اس ذکر (قرآن) کو اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

مخالفین اسلام نے کئی بار اسلام کو ختم کرنے کی نہایت سخت مہم چلائی اور قرآن کے نسخہ جات میں تحریف کرنے کی مسلسل کوششوں کے بعد دیکھا کہ وہ اس میں ایک حرف کی بھی تبدیلی نہ لا سکے۔ یہ اس لئے تھا کہ اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود اٹھایا تھا۔ چنانچہ اسلام کے خلاف سخت زہر اگلنے والے میور (MUIR) نامی ناقد کو بالآخر لکھنا پڑا کہ "اغلباً، قرآن کے علاوہ کوئی کتاب ایسی نہیں جس کا متن ۱۲ صدیوں (اور اب ۱۴ صدیوں) تک ہر قسم کی تحریف سے یوں پاک رہا ہو"۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت درج ذیل ذرائع سے پوری فرمائی اور یہ شرف کسی اور کتاب کو حاصل نہیں ہوا۔

(۱) قاریوں کے دلوں میں قرآن کو محفوظ فرمایا اور ہر زمانے میں لاکھوں حافظ اس کو حفظ کرتے ہیں۔

(ii) رمضان المبارک میں تقریباً سب مسلمان صلوٰۃ تراویح میں (بطور سنت موکدہ) لازمی طور پر قرآن کو سنتے ہیں اور سناتے ہیں اور اگر کوئی غلطی کرے تو سامعین میں سے حفاظ لقمہ دیتے ہیں۔
(iii) پورے قرآن کو تاج کمپنی نے کیلنڈر کے ایک صفحے پر چھاپ دیا ہے اور اگر اس ایک صفحے کو مائیکرو فلم کے ذریعے اور چھوٹا کیا جائے تو پورا قرآن ایک انچ یا ایک نکتے جتنی جگہ میں بھی آسکتا ہے اور اسے دوبارہ اس قدر پھیلایا جا سکتا ہے کہ اس کے حروف پڑھے جا سکیں۔ چنانچہ ہر انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے قرآن ایک نقطہ کی شکل میں محفوظ کر دیا ہے لہٰذا جب کوئی شخص اسلام قبول کرتا ہے اور اس کے بعد ذرا سی محنت کرتا ہے تو دل میں کندہ کیا ہوا یہ قرآن ایک فوارے کی طرح پھر حافظ کے دل سے پھوٹنا شروع ہو جاتا ہے۔ چونکہ اور کوئی کتاب اس طرح دل میں نقش نہیں کی گئی۔ اس لئے وہ قرآن کی طرح حرف بہ حرف یاد نہیں ہو سکتی۔

استدلال چونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ ہم اس قرآن کی حفاظت کریں گے، اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ چودہ سو سالوں سے اس کی حفاظت ہو رہی ہے، تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دعویٰ حفاظت سچا ہے اور دعویٰ کرنے والا بھی سچا ہے لہٰذا اس دعوے کے کرنے والے خدا کی اس بات سے تصدیق ہو جاتی ہے۔ یاد رہے کہ دنیا کی کوئی اور (الہامی یا غیر الہامی) کتاب ایسی نہیں جو قرآن کی طرح حرف بہ حرف کسی کو یاد ہو سکے چنانچہ یہ خدا کی ذات کے موجود ہونے کی تصدیق میں ایک اور ثبوت ہے۔

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم ۔ حکمتِ اُو لازوال است و قدیم
(قرآن حکیم ایک زندہ کتاب ہے ۔ اس کی حکمت قدیم اور لازوال ہے)
حرف اُو را ریب نے تبدیل نے ۔ آیتش شرمندۂ تاویل نے
(اسکے حروف میں نہ کوئی شک ہے اور نہ تبدیلی ۔ اس کی آیات شرمندۂ تاویل نہیں)

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ قلبِ انسانی میں کائنات کی ہر چیز منعکس ہے اور اس کو دیکھنے کی صلاحیت صرف قلبِ مومن رکھتا ہے لہٰذا وہ اس میں ہر چیز کا معائنہ کر سکتا ہے۔ اس بات کی دلیل قرآن کی آیت وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۔ میں موجود ہے یعنی تمہارے اندر ہر چیز ہے تم کیوں نہیں دیکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ اولیائے کرام تمام کائنات

کو اس طرح دیکھتے ہیں کہ جس طرح ہتھیلی پہ تل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول ”اے ساریہ پہاڑ کی طرف دیکھو“ اسی قبیل سے ہے یہ تمام باتیں ایک خدا کے موجود ہونے کی دلیل قائم کرتی ہیں

مشورہ ۵ :۔ درجِ بالا دلائل سے مسلمان کے دل کو یقین ہو جانا چاہیئے کہ ایک خدا کی ذات ضرور موجود ہے جس نے یہ سب دعوے کئے اور ان دعوؤں کی سچائی اس کی حقانیت کے ثبوت کے طور پر ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے لہٰذا جب یہ باتیں صحیح ثابت ہو چکی ہیں تو اس قرآن کا ایک ایک حرف بھی درست ہے چنانچہ ہمیں اس کے احکام کو تسلیم کرنے کے لئے سرِ نیاز خم کرنا چاہیئے ورنہ اگر کل ہی موت آجائے تو خدا کو کیا منہ دکھائیں گے۔ موت تو کسی وقت بھی آسکتی ہے اور ہزار ہا لوگ جوانی میں روزانہ مرتے ہیں۔ کسی کے متعلق یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ۷۰ یا ۸۰ سال کا ہو کر ہی مرے گا۔ اس لئے آج سے ہی اپنی عاقبت کی فکر ہونا ضروری ہے۔ جو لوگ جوانی میں اچانک مر گئے وہ بھی تمہاری طرح یہی سوچتے تھے کہ ابھی موت دُور ہے لیکن ان کی موت اچانک آ پہنچی اور ان کو نیک اعمال کی مہلت نہ ملی۔

(۱۲) تنسیخِ آیاتِ قرآنی :۔ قرآن حکیم میں چند ایسی آیات بھی موجود ہیں۔ جن کا حکم منسوخ کر دیا گیا ہے مگر ان کی تلاوت ابھی تک کی جا رہی ہے (جیسے لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى النساء ۴۳) اور کچھ آیات ایسی بھی ہیں جن کا حکم اور تلاوت دونوں منسوخ کر دیئے گئے (اور جن کا غذات پر یہ لکھی تھیں۔ مٹ گئیں بلکہ انسانی ذہنوں سے بھی محو کر دی گئیں) اس سے معلوم ہوا کہ آیاتِ قرآن کا ذہنوں میں نقش کرنا یا مٹانا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے رکھا ہے تاکہ قرآن کی حفاظت کی جا سکے۔ آیاتِ قرآنی کا دلوں میں نقش کیا جانا اور محو ہو جانا ایک خدا کی ذات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

(۱۳) قرآن حکیم کی صداقت :۔ قرآن حکیم میں جن باتوں پر گفتگو موجود ہے وہ من وعن صحیح ثابت ہو رہا ہے۔ مثلاً کرہ جاتِ ارض وسماء سے باہر کسی سند کے بغیر نہ نکل سکنا، حکومتِ روما کا غلبہ پانا، انسانی بچے کا پیدائش کے مختلف مراحل سے گزرنا، دو سمندروں کا آپس میں ملنا (سویز) مختلف صفات کے آبی ردوں کے پانیوں کا سمندر میں الگ الگ رہنا، وقت کا مختلف جگہوں پر مختلف ہونا، ایک ہزار سال کا ایک دن ممکن ہونا، رات کے ایک حصے میں طویل مسافت کا طے ہونا وغیرہ یہ تمام ایسے واقعات ہیں جو قرآن نے ۱۴ سو سال پہلے کہے اور رفتہ رفتہ سائنس اسکی تصدیق کر رہی ہے۔

(۱۴) **قرآن کا فلسفۂ زمان و مکان :-** علامہ اقبال نے زروان (جو کہ زمان و مکان کی روح ہے) کی وہ داستان نظم کی ہے جس میں اس نے ایک مسافر کو عالم علوی کی سیاحت کرائی ہے اس کا مطالعہ کلیاتِ اقبال فارسی کے صفحہ ۶۱۲ پر دلچسپی کا باعث ہوگا۔

قرآن کے فلسفۂ زمان و مکان کو بیان کرنے کے لیے ایک نہایت طویل کتاب لکھنے کی ضرورت ہوگی۔ ڈاکٹر وحید عشرت نے زمان و مکان کے مجموعۂ مقالات کو ۸۴۲ صفحات کی ضخامت میں "زمان و مکان" کے نام سے ایک کتاب میں پیش کیا ہے جس میں مختلف حکماء اور علامہ اقبال کے فلسفۂ زمان و مکاں کے متعلق کافی تفصیل درج کی ہے۔ اس کتاب میں قرآن کی بہت سی آیات پر علامہ اقبال کے فلسفیانہ نظریہ خیال کا اظہار کیا ہے۔ اور زمان و مکان کے فلسفے کو قرآن کی آیات سے ثابت کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ (کہ وہی خدا اول و آخر و ظاہر اور باطن ہے) میں اس طرف اشارہ ہے کہ سارے کا سارا ارتقا اسی ایک وحدت میں سے شروع ہوا جس نے وحدت کو کثرت میں ظاہر کیا ہے اور آخر کار ارتقاء اسی منزل پر پہنچ جائے گی جہاں سے اس کا آغاز ہوا تھا۔ جیسے کہ قرآن میں فرمایا وَاَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى۔ (سورہ نجم آیت ۴۲) یعنی یہ کہ سب کو آپ کے رب کے پاس ہی پہنچنا ہے۔ اسی طرح قرآن کی آیات مثلاً كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ۔ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ، جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا۔ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ، هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ وغیرہ بیشمار آیات زمان و مکان کے فلسفے کی وضاحت کرتی ہیں لیکن اس جگہ صرف درج ذیل آیت کے متعلق کچھ تفصیل مثال کے طور پر بیان کی جا رہی ہے۔

وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (الحج ۴۷)	بے شک ایک دن تیرے رب کے ہاں ایک ہزار سالہ کی طرح ہوتا ہے جس حساب سے تم گنتی کرتے ہو۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں اگر ایک سال ۱/۴ ۳۶۵ دن کا ہے

تو اللہ کے ہاں اس دنیا جیسے ایک ہزار سال کا ایک دن ہے یعنی ۳۶۵۲۵۰ سال کا سورہ المعارج میں بارگاہِ الٰہی میں پہنچنے کا راستہ اس دنیا کے ۵۰ ہزار سال کی مسافت ہونے کا ذکر بھی ہے ایک، زمانہ تھا کہ ناقص الیقین لوگوں کو قرآن کی اس بات پر یقین نہیں آتا ہوگا۔ لیکن اب تو جدید سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ ایک سیارے کا ایک سال اس وقت پورا ہوتا ہے جب وہ سورج کے گرد ایک گردش پوری کرتا ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عطارد، زہرہ، زمین، مریخ، مشتری، سیٹرن، یورانس اور پلوٹو پر ایک سال کی لمبائی علی الترتیب اس دنیا کے ۸۸، ۲۲۵، ۳۶۵٫۲۵، ۶۸۷ دن، ۱۱٫۸۶ سال ۲۹٫۵ سال ۸۴، ۱۶۴٫۸ سال اور ۲۴۸ سال کے برابر ہے کیونکہ اگر زمین سورج کے گرد اپنا ایک چکر ۳۶۵٫۲۵ دنوں میں کاٹ لیتی ہے تو دوسرے ستارے سورج سے اپنے فاصلوں کے مطابق چکر پورا ختم کرتے ہیں اور چونکہ پلوٹو سورج سے بہت زیادہ دور ہے اس لیئے اس کا ایک چکر ۲۴۸ سال میں پورا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کا ایک سال دنیا کے ۲۴۸ سالوں کے برابر ہے۔ درج ذیل خاکے میں ہر ایک ستارے کا مقام دکھایا گیا ہے اور ان کا سورج کے گرد ایک چکر مکمل ہونے کا عرصہ بھی دکھایا گیا ہے۔

ان سیاروں کے سالوں کی لمبائی کے اختلاف سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں لکھے ہوئے ایک دن کا ایک ہزار سال کے برابر ہونا بھی کوئی ناممکن بات نہیں۔ سائنسدانوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ چاند کا ایک سال ۲۹ دن کے قریب ہے کیونکہ چاند کا ایک چکر زمین کے گرد اسی قلیل عرصہ میں طے ہو جاتا ہے چنانچہ اگر ایک بچہ چاند پر پیدا ہو اور دوسرا اسی وقت زمین پر پیدا ہو تو چاند والا بچہ ۶۰ ماہ یعنی تقریباً ۵ سال کے عرصہ میں اتنا ہی بوڑھا ہو جائے گا جتنا کہ زمین والا بچہ زمین کے ۶۰ سال میں بوڑھا ہوتا ہے۔ چاند کا ایک سال زمین کے ایک ماہ کے برابر ہونے اور چاند کی کشش ثقل اور ہوا کا دباؤ زمین سے کئی گنا کم ہونے کی وجہ سے چاند پر انسانی جسم جلدی بوڑھا ہو جاتا ہے۔

یہ بات کھلی، کہ مندرجہ بالا سیاروں کے اوقات میں اس قدر تفاوت ثابت

ہمارا نظامِ شمسی (جس میں ہر سیارے پر سال کی طوالت مختلف ہے)

وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ

ترجمہ: بیشک ایک دن تیرے رب کے ہاں ہزار سال کی طرح ہوتا ہے جس حساب سے تم گنتی کرتے ہو (الحج ۴۷)
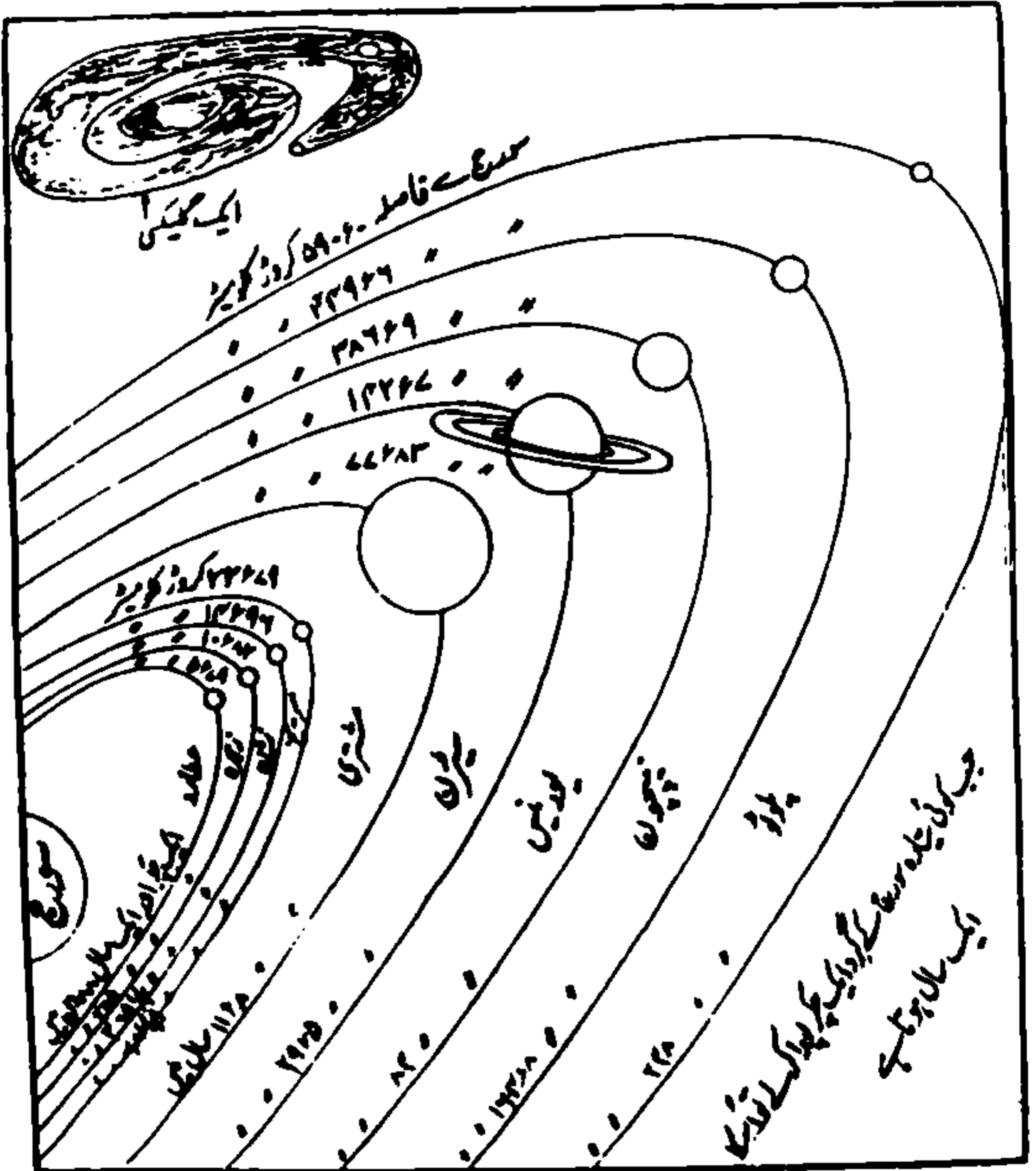
تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ جاوداں پیہم دواں ہر دم جواں ہے زندگی

ہونے سے قرآن کی حقانیت اور اللہ تعالیٰ کے خدا ہونے پر استدلال قائم ہوتا ہے اور یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اگر اس دنیا کا ایک ہزار سال آخرت کے ایک دن کے برابر ہے تو پھر اس دنیا کی قلیل زندگی کی خواہشات کی خاطر آخرت کی زندگی کو نظرانداز کرنا انتہائی درجہ کی حماقت ہے چنانچہ آخرت کی ہمیشہ رہنے والی زندگی کی طرف توجہ دینا ہی دانائی کی علامت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دنیا کو قلیل اور چند روزہ دنیا کہا گیا ہے مگر انسان اس قدر ناسمجھ ہے کہ اس چند روزہ دنیا کی خاطر ہمیشہ رہنے والی آخرت کو ضائع کر دیتا ہے اور اس غفلت کی وجہ سے جہنم میں دھکیل دیا جاتا ہے۔ اہل عقل کے لئے اس میں ایک بہت بڑا راز ہے۔

(۱۵) کائنات کی گلیکسیوں کا زمان و مکان

ہمارے نظامِ شمسی کے تمام سیارے سورج کے گرد ایک ہی سمت میں تقریباً ایک ہی PLANE یعنی ایک جھکاؤ کے ساتھ گھومتے ہیں۔ سورج کے اندر کا درجہ حرارت ایک کروڑ ۵۰ لاکھ ڈگری سینٹی گریڈ ہے (Fifteen Million) اور اس کا سطحی درجہ حرارت ۶ ہزار ڈگری سینٹی گریڈ ہے۔ سورج کا قطر زمین سے ۱۰۹ گنا ہے۔ یہ تمام سیارے مل کر ایک نظامِ شمسی کہلاتے ہیں اور ایسے بہت سے نظامِ شمسی مل کر ایک گلیکسی بناتے ہیں۔ اس گلیکسی میں ہمارے نظامِ شمسی کی حیثیت محض ایک سوئی کے سرے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور یہ نظامِ شمسی اپنی گلیکسی کے مرکز سے ۲۷ ہزار روشنی کے سالوں کی مسافت پر ہے۔ یہ گلیکسی ۱۴ ارب ۷۰ کروڑ سال سے زائد پرانی بتائی جاتی ہے۔ اور اس قسم کی کروڑوں گلیکسیاں موجود ہیں۔ یہ کروڑوں گلیکسیاں بھی گردش میں ہیں۔ اور ان کی گردش کی رفتار اور سمت معلوم نہیں ہو سکی۔ ایسی دو گلیکسیوں کے درمیان کا فاصلہ اربوں روشنی کے سال سے زیادہ ہے۔ ڈاکٹر شابلی کا خیال ہے کہ فضا میں ایک مرکز نور ہے جس کے گرد بے شمار شموس (شمس کی جمع) چکر لگا رہے ہیں۔ اور ان کا ایک چکر ۲۰ کروڑ سال میں ختم ہوتا ہے۔ گویا ہمارے ۲۰ کروڑ سال ان شموس کے ایک سال کے برابر ہیں۔ لہٰذا ان کا ایک دن ہمارے ۵ لاکھ ۲۲ ہزار سال کے برابر ہے۔ یہ تمام انکشافات جو سائنسدانوں کی تحقیق سے ظاہر ہو رہے ہیں۔ قرآن کے فلسفہ زمان و مکاں کی تصدیق کر رہے ہے

ہیں اور زبانِ حال سے یہ کہہ رہے ہیں کہ آخرت کی زندگی محض ایک خیال نہیں اور انسان کے لئے اس زندگی کے تقاضے پورے کرنا نہایت ضروری ہیں ورنہ قرآن کے بیان کے مطابق دردناک عذاب میں گرفتار ہونا ہوگا۔

(۱۶) قرآن کا خطا سے خالی ہونا: قرآن اور اسلام کی خوبیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ دین ہر لحاظ سے مکمل اور خطا سے خالی ہے۔ اس کے احکامات ایک دوسرے سے ٹکراتے نہیں۔ اس کا ہر حکم دین فطرت، قوانین فطرت، قوانین صحت، صفائی پاکیزگی طہارت پر مبنی ہے جب کہ دوسری کتابیں تو آج موجود ہی نہیں۔ یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ آج انجیل کا اصل نسخہ موجود نہیں بلکہ ۳۰ قسم کی انجیلیں پائی جاتی ہیں۔ نصاریٰ نے خود ہی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ انجیل میں ساڑھے تین سو مرتبہ اس کے اپنے الفاظ میں تضاد موجود ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ انجیل کو کئی مرتبہ تبدیل کیا گیا ہے۔ اس قسم کے تضادات سے قرآن پاک مبرا ہے۔ یہ تمام باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ قرآن کا خالق خداوند تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا ہے۔ مزید تفصیل کے لئے اسلام کے متعلق غیر مسلم علماء اور نومسلموں کے تاثرات ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی کتاب "رمزِ ایمانی" باب نمبر ۱ میں ملاحظہ کریں۔

(۱۷) پاکیزہ زندگی: جو لوگ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو قرآن کے بتاتے ہوئے اصولوں پر چلتے ہیں نتیجتاً اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت عطا فرماتے ہیں اور روز بروز اس ہدایت میں اضافہ کرتے ہیں اور تقویٰ کی منزل پر لا کھڑا کرتے ہیں۔ (دیکھیں سورہ محمد آیت ۱۷) یہی وجہ ہے کہ اس مذہب میں اس قدر اولیائے کرام پیدا ہوتے کہ جس کی مثال کسی دیگر مذہب میں نہیں ملتی۔ اولیائے کرام کی زندگیوں کا مطالعہ کریں تو ان میں وہ کمالات نظر آتے ہیں جو سوائے خدائی عطا کے ممکن نہیں۔ ان اولیائے کرام کا وجود (جو آج کے دیگر مذاہب میں مفقود ہے) اور ان کی کرامات کا ظہور اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ یہ مذہب سراسر خدائے قدوس کی ذات سے تعلق رکھتا ہے اور یہی بات بذاتِ خود خدا کے ہونے کا ثبوت ہے۔

(۱۸) قرآن اور ماڈرن سائنس: قرآن اور جدید سائنس کے مصنف ڈاکٹر مارلیس

بوکیل ایک مشہور فرانسیسی، سائنسدان، سرجن اور سکالر ہے جس کو فرعون کی ممی (محفوظ شدہ لاش) کو درست کرنے کا اہم کام سونپا گیا تھا۔ جب اُسے قرآن کے اُن حوالہ جات کا علم ہوا جس میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کی لاش کو انسانوں کی عبرت کے لئے محفوظ کرنا ظاہر کیا ہے تو اس نے عربی زبان سیکھی اور پھر پورے قرآن کا بغور مطالعہ کیا۔ اس مطالعہ کے بعد اس نے ایک کتاب لکھی جس میں اُس نے قرآن کی وہ تمام باتیں لکھیں جسے جدید سائنس نے اب دریافت کیا ہے اور جو پہلی الہامی کتابوں میں قطعاً موجود نہیں ہیں۔ اُس کا خیال ہے کہ بائیبل میں لکھے ہوئے واقعات ناقابل قبول ہیں جب کہ قرآن میں فزیالوجی، تولید انسان، انسان کی ابتدا تخلیق کائنات طوفانِ نوح، بنی اسرائیل کی صحرائے سینا میں ہجرت، کائنات کی تخلیق سے پہلے صرف دھوئیں کا ہونا، کائنات کا چھ ادوار میں بنایا جانا، چاند، سورج اور ستاروں یعنی فلکیات کا بیان موجود ہونا، اجرام فلکی کا اپنے مدار میں گھومنے کا ذکر، کواکب کا خود روشن نہ ہونا بلکہ روشنی کو منعکس کرنا، نجم سے مراد وہ ستارہ لیتا جو جلتا ہے اور خود کو ختم کرتا ہے۔ سورج کے لئے روشنی اور گرمی کا پہچانا اور چاند کی ٹھنڈی روشنی کا انعکاس ہونا (جب کہ بائیبل ان دونوں کو چمکنے والے اجسام کہتی ہے)، کائنات کا پھیلاؤ، کائنات کے خلا کی تسخیر خدائی طاقت سے ممکن ہونا (مثلاً چاند وغیرہ پر پہنچنا) کائنات میں پانی کا مختلف مقامات سے گزرنا (WATER CYCLE)، سورج اور چاند وغیرہ کا اپنے مدار میں اپنی حرکت سے گھومنا، زمین کی سطحوں کا بچھونا ہونا اور پہاڑوں کا میخوں کی طرح لیٹے ہوئے ہونا، حیوانات اور نباتات میں افزائش نسل، ہر شے کی زندگی کی ابتدا پانی سے ہونا (وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (الانبیاء۔ ۳۰) پودوں کا نر اور مادہ ہونا (اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى یعنی ہم نے نکالے تیکم زمین میں سے جوڑے گوناں گوں نباتات کے طٰہٰ ۵۳) پودوں میں جنسی امتیازات کا ہونا (وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ اور ہر قسم کے پھلوں سے دو دو کے جوڑے بنا دیئے۔ الرعد: ۳) مادہ تولید کی معمولی سی مقدار کا تخم ریزی کے لئے کافی ہونا سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۔ یعنی انسانوں کو بنایا مٹی کے جوہر منویہ سے (المومنون: ۱۲ اور سورہ سجدہ: ۸)، تخم ریزی کے بعد عورت کے بیضے کا رحم میں قرار پکڑنا قرآن کے لفظ علق سے واضح ہونا، ماں کے پیٹ میں بچے کا مختلف مراحل مثلاً عَلَقَةً (خون کا لوتھڑا)

مُضغۃً (گوشت کی لوتھ) عِظٰماً (ہڈیاں) لَحماً (ہڈیوں پر گوشت چڑھانا) خَلقاً آخر (روح پھونک کر دوسری مخلوق بنانا) کا بیان موجود ہونا، اس کے بعد بچے میں سننے دیکھنے اور سونگھنے والے اعضاء پیدا ہونا (وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَۃَ) اور بنا دیئے تمہارے لیے کان آنکھ اور دل۔ السجدہ : ۹) طوفانِ نوح کا تاریخی آثار سے ثابت ہونا اور موجودہ تحقیقات کا اس کے مطابق ثابت ہونا حضرت موسیٰؑ کا فرعون سے مقابلہ، صحرائے سینا کی طرف ہجرت اور فرعون کی موت کا آثارِ قدیمہ سے صحیح ثابت ہونا قرآن کی صداقت کے لئے بہت مضبوط دلائل ہیں۔ ڈاکٹر بوکیل نے درج بالا نکات کے علاوہ دیگر نکات کو واضح کیا اور لکھا ہے کہ قرآن نے ان تمام باتوں کو اُس وقت بیان کیا جب دنیا میں کسی کو بھی ان کا علم نہ تھا اور موجودہ تحقیقات نے ان تمام باتوں کی سچائی کو ظاہر کر دیا ہے۔ یہ قرآن کی حقانیت پر واضح دلائل ہیں۔ اور خدا کے ہونے کے ثبوت بھی۔ (دیکھئے قرآن بائبل اینڈ سائنس از مالیس)

(۱۹) معجزات، کرامات اور قوانینِ فطرت : قرآن اور احادیث میں متعدد معجزات اور کرامات کا ذکر آیا ہے۔ آج بھی کرامات دیکھنے میں آتی ہیں۔ حضرت بلقیس کا تخت یمن سے حضرت سلیمانؑ کے حضور آپ کے دارالسلطنت واقع شام میں ایک آنکھ جھپکنے کی دیر میں پیش کیا جانا قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔ چاند کا دو ٹکڑے ہونا جسے سائنس بھی تسلیم کرتی ہے) اصحابِ کہف کا ۲۵۰ سال سونے کے بعد اٹھنا وغیرہ ایسے واقعات ہیں جن کو نیچری ثابت نہیں کر سکے اور ان واقعات کی غلط تاویلیں کرنے لگتے ہیں۔ کرامات تو آج بھی دیکھنے میں آتی ہیں اور ان کا رد کوئی پیش نہیں کر سکا۔ کرامات خرق عادات یا ایسے کاموں کا ہونا ہے جو فطرت کے اصولوں سے مطابقت نہ رکھتا ہو۔ ان کرامات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیائے کرام کی شناخت کروانے کی علامت بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر وحی کے ذریعے اس بات کا یقین دلایا ہے کہ اگرچہ دنیا کا نظام چلانے کے لیے ہم نے قانونِ فطرت (سنت الٰہیہ) کا رواج رکھا ہے۔ لیکن فطرت کے قوانین سے ہٹ کر (اپنی الوہیت کا ثبوت دینے کے لیے) بغیر باپ کے بیٹا بھی پیدا کر سکتے ہیں اور اپنے ولیوں کو مخصوص کراموں سے نواز سکتے ہیں۔ یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کی ذات کی نشاندہی کرتی ہیں اور فطرت کی حتمی حاکمیت کا رد کرتی ہیں۔

(۲۰) ہر شے کے جوڑے ہونا: سورہ الذاریات کی آیت ۴۹ وَمِن كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ میں اس بات کا ذکر ہے کہ خدا نے ہر چیز کے جوڑے بناتے ہیں چنانچہ آج سائنس نے خود اس حقیقت کی تصدیق کر دی ہے۔ قرآن نے فرمایا رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ (یعنی خدا دو مشرقوں اور دو مغربوں کا رب ہے) اس آیت کا تقاضا تھا کہ زمین کا بھی جوڑا ہوتا تاکہ دو مشرق اور دو مغرب بھی ہو سکتے چنانچہ ڈاکٹر عبدالسلام نے تحقیق کے بعد لکھا ہے کہ کائنات کا بھی جوڑا ہے۔ ایک منفی کائنات (-) بھی موجود ہے جو مثبت کائنات کی مخالف سمت میں، درمیانی پلان سے برابر فاصلے پر موجود ہے منفی کائنات والی زمین مادی زمین جیسی نہیں بلکہ عالم امر سے متعلق ہے۔ مسلمان صوفیاء نے عالم ناسوت، ملکوت، جبروت، لاہوت، ہاہوت، ھو اور عالم امر و عالم خلق کا آج سے ۱۴۰۰ سو سال پہلے بھی ذکر کیا تھا جس کو سائنسدانوں نے آج اپنی تحقیق کے بعد ثابت کیا ہے۔ درج ذیل خاکے سے دو مشرق اور دو مغرب ظاہر ہوتے ہیں

درمیانی لائن جس سے دونوں کائناتیں ہم فاصلہ ہیں

عالم مادی کی زمین		عالم امر کی زمین جو مادی نہیں
شمال		شمال
مشرق (+VE) مغرب		مغرب (-VE) مشرق
جنوب		جنوب
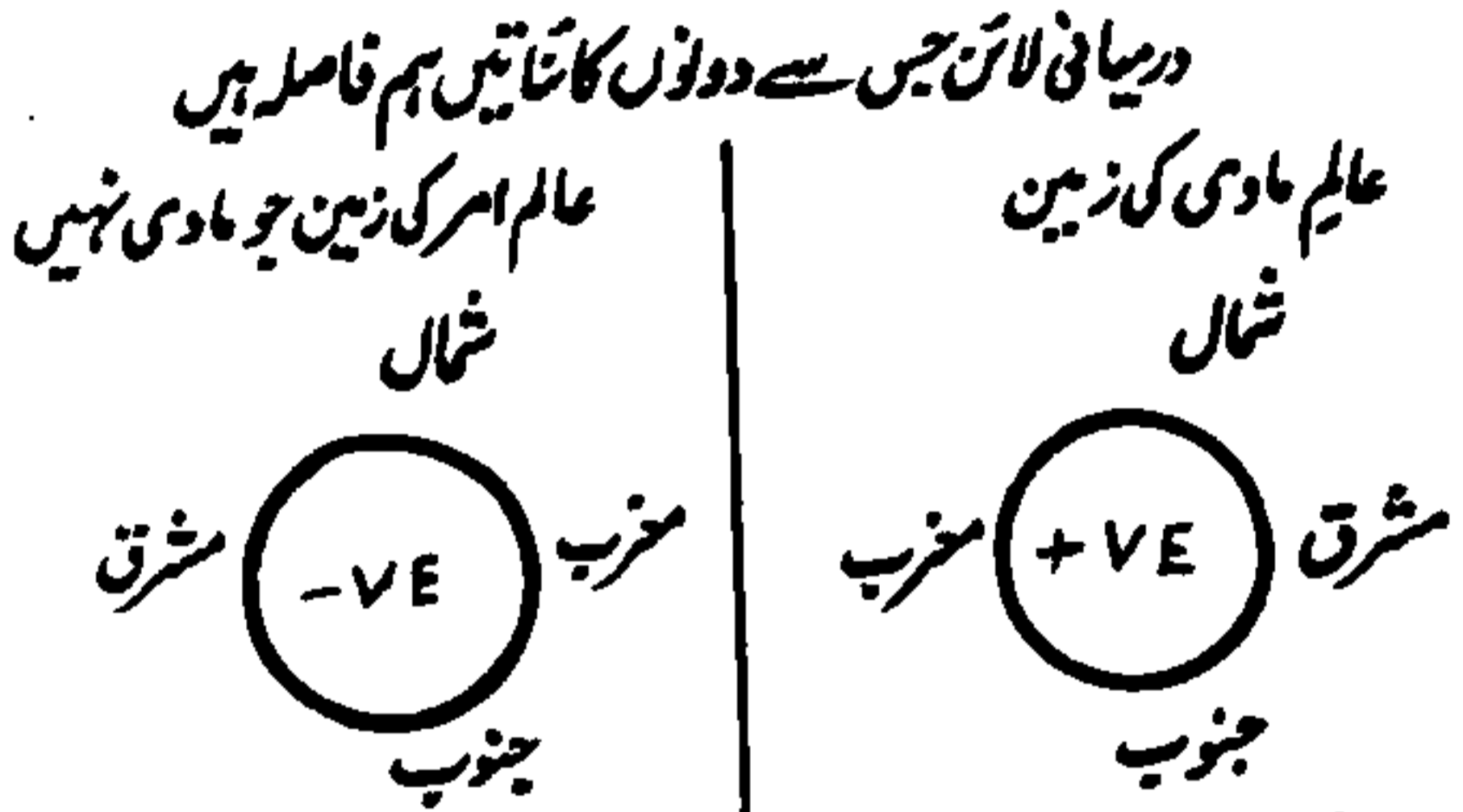
پروفیسر عبدالسلام کا نظریہ ہے کہ مثبت کائنات کے علاوہ ایک ویسی ہی منفی یعنی امری کائنات بھی موجود ہے جو غیر مادی قسم سے تعلق رکھتی ہے۔

یہ تمام باتیں قرآن کی حقانیت اور ایک خدا کے وجود کو ثابت کرتی ہیں۔

(۲۱) کائنات صفر سے بنائی گئی: کچھ حساب دانوں کا خیال ہے کہ جب کائنات بنائی گئی تو اس وقت کچھ نہ تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے کائنات کو صفر سے بنایا۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب ہم کچھ بنانے کا ارادہ کرتے ہیں تو "کُن" کہہ دیتے ہیں اور وہ چیز بن جاتی

ہے۔ سائنسدانوں نے اس کی تشریح یوں کی ہے کہ "کن" سے پہلے صفات کے اعتبار سے کائنات کا عدد صفر تھا اور اس صفر سے ہی کائنات کو بنایا گیا۔ صفر کو اگر دو حصوں میں تقسیم کیا جائے تو ایک حساب دان اس کو یوں ظاہر کرے گا۔

$$\pm 0 = -x + x$$

حساب دانوں کا کہنا ہے کہ x- اور x+ دو مقداریں (QUANTITIES) ہیں جب کہ صفر کوئی مقدار نہیں اور جب کائنات ختم کی جائے گی تو x- اور x+ کو دوبارہ ملا کر ماحصل صفر ہو جائے گا اور وہی حالت آجائے گی جو "کن" کہنے سے پہلے تھی۔ یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ x- اور x+ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اس اعتبار سے پروفیسر عبدالسلام کا مذکور بالا نظریہ صحیح معلوم ہوتا ہے جس میں منفی اور مثبت کائنات کا ذکر ہے۔ منفی (VE -) کائنات کو x- اور مادی (VE +) کائنات کو x+ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی حکمتِ تخلیق کی بات سمجھ میں آتی ہے۔ اور ایک خدا کی ذات موجود ہونے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

ج۔ اثباتِ حق کے فلسفی و مشاہداتی دلائل

اختصار کے پیش نظر درج ذیل چند دلائل پر ہی اکتفا کیا جارہا ہے جس میں فلسفیانہ نظریات کے ساتھ ساتھ ایسے مشاہدات کو پیش کیا جائے گا جن سے ہر صاحبِ علم اور عقل بخوبی واقف ہے۔ ہماری روزمرہ کی زندگی میں ایسے بہت سے مشاہدات رونما ہوتے ہیں کہ اگر ان پر غور کیا جائے تو بہت سے قیمتی حقائق سے پردہ اٹھ جاتا ہے۔ یہ مشاہدات اور حقائق ہمیں ایک خدائے قدوس کی ذات کو تسلیم کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ آیئے ایسی کچھ باتوں کا مطالعہ کریں۔

۱۔ <u>ارادوں کا ٹوٹ جانا</u>: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عَرَفْتُ رَبِّی عَنْ فَسْخِ الْعَزَائِمِ (میں نے خدا کو ارادوں کے ٹوٹ جانے سے پہچانا) آپ فرماتے ہیں کہ بارہا ایسا ہوا کہ ہم کسی کام کا ارادہ کرتے ہیں لیکن اچانک کوئی ایسی بات حائل

جاتی ہے کہ ہم وہ کام نہیں کر پاتے ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ارادوں کی تکمیل کسی اور (خدا) کے ہاتھ میں ہے ۔ سفرماتے ہیں کہ ارادوں کو توڑنا کسی دنیاوی طاقت کے ہاتھ میں ہوتا تو ہم اس کا مقابلہ کر سکتے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے کاموں میں کسی ایسی ذات کا دخل ہے جو قادرِ مطلق ہے اور ہمیں اس میں دخل کی مجال نہیں ۔ اسباب سے خدا کی ہستی کا ثبوت ملتا ہے ۔

۲۔ حضرت علیؓ کا استدلال ؛ حضرت علیؓ نے ایک دہریے کے ساتھ گفتگو کے دوران اللہ کی ذات کے اثبات میں یہ استدلال قائم کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق صرف دو امکانات ہو سکتے ہیں ۔ ایک یہ کہ کوئی خدا ہے اور دوسرا یہ کہ کوئی خدا نہیں ہے یہ دونوں امکانات ایک دوسرے کے ساتھ برابر اہمیت رکھتے ہیں ۔ (یعنی دونوں صورتوں کے ۵۰ ٪ امکانات ہیں) چنانچہ اگر مرنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ کوئی خدا نہیں ہے ۔ تو اس حالت میں ہمارا اور تمہارا حشر ایک سا ہوگا ۔ یعنی دونوں ہی مٹی میں مل کر ختم ہو گئے ۔ لیکن دوسری صورت کے مطابق اگر خدا کا ہونا ظاہر ہوا تو تم لوگ خسارے میں رہو گے اور ہمیں نجات ملے گی ۔ اس سے ثابت ہوا کہ خدا کو نہ ماننے کی نسبت مان لینے میں فائدہ ہے ۔ چودہ سو سال کے بعد آج THEORY OF PROBABILITIES بھی یہی ثابت کرتی ہے کہ ہر چیز کے ہر وقت ۵۰ ٪ چانسز ہوتے ہیں ۔

۳۔ حضرت ابراہیمؑ کا استدلال ؛ قرآن میں (سورہ البقرہ آیت ۲۵۸) حضرت ابراہیمؑ اور نمرود کے درمیان ایک مختصر سی گفتگو نقل کی گئی ہے ۔ آپ نے نمرود سے کہا کہ ہمارا خدا سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اور اگر تو خدا ہے تو سورج کو مغرب سے طلوع کرنے کا حکم دے ۔ اس پر وہ لاجواب ہو گیا ۔ حضرت ابراہیمؑ نے یہ بھی دلیل قائم فرمائی کہ جو چیز زوال پذیر ہو وہ خدا نہیں ہو سکتی ۔ اس دنیا کی ہر چیز کو زوال لازم ہے چنانچہ خدا وہ ہے جس کو زوال نہیں (فطرت کے اصول جن کو کچھ لوگ کائنات کو بنانے اور چلانے والی طاقت سمجھتے ہیں وہ بھی ایک دن ختم ہو جائے گی ۔ کیونکہ خدا کے سوا ہر چیز کو زوال ہے ۔)

۴۔ حضرت سلمان فارسیؓ کا استدلال ؛ حضرت سلمان فارسیؓ کے اجداد زرتشت

تھے اور آگ کی پوجا کیا کرتے تھے مگر آپ نے یہ کہہ کر کہ آگ تو پانی ڈالنے سے بجھ جاتی ہے اسے خدا ماننے سے انکار کر دیا اور دنیا کے بڑے بڑے علماء کے پاس گئے تاکہ انہیں خدا کے بارے میں کچھ علم ہو سکے مگر ان کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی۔ آخر کار اٹلی میں پوپ نے کہا کہ تمہاری تسلی صرف وہ کالی کملی والا (صلی اللہ علیہ وسلم) کر سکے گا۔ جس کا ظہور عنقریب مکہ میں ہونے والا ہے چنانچہ آپ مکہ کی جانب روانہ ہوئے اور دوران سفر غلام بنا لیے گئے مگر آپ کی جستجو میں فرق نہ آیا۔ ایک یہودی آقا کی غلامی میں تقریباً دس سال تک رہے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت کیا تو پوپ کی بتائی ہوئی نشانیوں کو دیکھ کر ایمان لے آئے۔ حضرت سلمان فارسیؓ کے دلائل میں خدا کا اثبات ہے۔ پوپ کی بتائی ہوئی نشانیوں کی تصدیق سے رسالت اور خدا کے ہونے کی تصدیق ہوتی ہے۔

۵۔ آیات اللہ (خدا کی نشانیاں) چشمِ بصیرت سے دیکھا جائے تو ہر چیز میں اللہ کی کاریگری، حکمت، عظمت اور اس کے حسن وجمال اور جلال کی کھلی نشانیاں نظر آتی ہیں۔ لیکن جو آنکھوں کا اندھا ہو اُسے کیا نظر آئے گا۔ خدا کی ان نشانیوں کو ہی دیکھ کر کسی نے کہا ہے

امروز گر جمالِ تو بے پردہ ظاہر است　　　　در حیرتم کہ وعدۂ فردا برائے کیست

"خدایا! اگر آج ہی تیرا جمال بے پردہ نظر آتا ہے تو پھر حیرانگی اس بات کی ہے کہ کل قیامت کے دن اپنا جلوہ دکھلانے کا وعدہ کس لیے کیا؟"

اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کے مخفی اسرار اور کھلی نشانیاں ہی تو ہیں قرآن کا حفظ ہو جانا، قرآن میں تحریف نہ ہونا، نیک مسلمانوں کے اجسام کا قبروں میں محفوظ ہونا، اولیائے کرام سے کرامات کا سرزد ہونا، قرآن کی صداقت اور حقانیت کا زندگی میں مشاہدہ ہونا تعلیماتِ اسلام میں حیاتِ طیبہ اور تقویٰ کا حاصل ہونا وغیرہ ایسی لا تعداد شہادتیں ہیں جس میں ہمیں ایک خدائے بزرگ اور برتر کے ہونے کی نشانیاں ملتی ہیں۔ سورہ لقمان میں کشتی کا سمندر کی بلند لہروں میں چلنا بھی اللہ کی نشانیوں میں ہونا ظاہر کیا گیا ہے۔ خدائے قدوس نے خود فرمایا ہے کہ:-

(۱) كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ　　　　ایسے ہی کھول کر بیان کرتا ہے

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ — اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتیں تاکہ تم غور و فکر کرو۔

(البقرۃ : ٢٦٦)

(١١) وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝ — اور جو کچھ پیدا فرمایا ہے اللہ نے آسمانوں اور زمین میں (ان میں اس کی نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو متقی ہیں۔

(یونس : ٦)

قرآن میں آیات اللہ کے متعلق متعدد آیات وارد ہوئی ہیں جن کا یہاں ذکر کرنا ممکن نہیں البتہ ایک مثال جو اللہ کی نشانیوں میں سے بہت دلچسپ معلوم ہوتی ہے یہاں بیان کی جا رہی ہے اور وہ ہے بچے کی پیدائش۔

ہم دیکھتے ہیں کہ بچہ ماں کے پیٹ میں نو ماہ تک قیام کرتا ہے اور پرورش پاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو کسی قسم کی تکلیف محسوس نہیں ہونے دیتا (حالانکہ وہاں نہ کھلی ہوا نہ عام غذا اور نہ کسی سہولت کا سامان نظر آتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ مطلوبہ ہر قسم کی ضروریات کو اس کے لئے مہیا کرتا ہے) اللہ تعالیٰ نے اس سے یہ اچھا سلوک اس لیے کیا کہ ابھی تک وہ معصوم تھا کیونکہ اس نے ابھی تک کوئی اچھا یا برا عمل نہیں کیا۔ لہٰذا اگر وہ پیدا ہونے کے بعد اچھے کام کرنے لگے تو یقیناً اس کے ساتھ قبر میں اچھا سلوک ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی نیک بندہ مرتا ہے تو اس کی قبر زندہ رہتی ہے اور وہ بھی قبر میں ایسے ہی رہتا ہے جیسے کوئی دلہن اپنے بستر میں آرام کر رہی ہو۔

احادیث شاہد ہیں کہ اس کی قبر جنت کے باغوں کی طرح ہو جاتی ہے اور جو نافرمان قبر میں جاتا ہے تو اس کو طرح طرح کے عذاب ملتے ہیں اور اس کی ہڈیاں قبرستان میں لوگوں کے پیروں تلے روندی جاتی ہیں۔ کوئی نافرمان اور بے دین انسان جب اللہ کے سامنے جاتا ہے تو اس کی بینائی سلب کر لی جاتی ہے اور وہ اللہ سے عرض کرتا ہے "اے اللہ مجھے آج اندھا کیوں اٹھایا گیا ہے۔ دنیا میں تو میں بالکل بینا تھا؟" اس پر ارشادِ باری تعالیٰ ہوگا کہ تم کو اس لئے اندھا پیدا کیا گیا ہے کہ تمہارے پاس میری آیات (نشانیاں) آئی تھیں۔ سو تو نے انہیں بھلا دیا۔ اس لیے آج ہم نے بھی تجھے فراموش کر دیا ہے (دیکھیں سورہ طٰہٰ آیات ١٢٤ سے ١٢٦)

اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نیک عمل کرنے والے کے چہرے پر انوارِ الہٰی کی جھلک نظر آتی ہے اور بدچلن لوگوں کے چہرے دنیا میں ہی ٹیڑھے ہو جاتے ہیں اور ان کی آنکھوں اور شکلوں پر لعنت نظر آتی ہے اور جب وہ مرتے ہیں تو لوگ اُن کی برائیاں بیان کرتے ہیں اور قبر بھی انہیں قبول نہیں کرتی۔ ایسے لوگوں کی ہڈیاں قبروں سے نکال کر باہر پھینک دی جاتی ہیں اور لوگ انہیں پیروں تلے روندتے ہیں۔ ہر نیکی اور بدی کا بدلہ کسی حد تک دنیا میں مل جاتا ہے۔ ایسی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ گویا مکافاتِ عمل کا سلسلہ دنیا سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ اہلِ فہم کے لئے ہر فعل میں اللہ کی نشانیاں موجود ہیں

نکتہ: حضرات قارئین کے سامنے یہ نکتہ پیش کیا جاتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی اوسطاً ۴۰ سال کی ہے۔ اس کے بعد (اور پہلے بھی) کوئی کسی وقت مرسکتا ہے بچے، جوان اور بوڑھے ہر روز لاکھوں کی تعداد میں مرتے ہیں۔ آپ کو کیا معلوم کہ آپ کی عمر کتنی ہے؟ خدانخواستہ کوئی شخص گھر سے نکلا اور کار والا اسے (بریک فیل ہونے سے یا حادثے میں) اگر روند جائے تو کون اسے روک سکتا ہے۔ ہر روز حادثات اخبار میں پڑھنے کو آتے ہیں اور اگر کوئی بے نمازی اور بے دینی کی حالت میں مر جاتا ہے تو اُسے یہی قبر کا عذاب، جہنم کا عذاب اور خدا کی ناراضگی اپنے اعمال کے عوض مول لینا ہوتی ہے۔ اور یقیناً قبر میں اس کا جسم گل سڑ جائے گا، کیڑے اور بچھو اس کے جسم کو ڈستے رہیں گے اور قیامت کے روز اور اس کے بعد بھی دردناک عذاب سے دوچار ہوگا۔ (بے نمازی اور بے دین کو اس عذاب میں شک نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ بغیر اعمال کے مغفرت اور رحم کی امید رکھنا ایسے ہی ہے جیسے بغیر فصل بونے کے ہی فصل کاٹنے کی اُمید رکھی جائے)۔ چنانچہ اگر اس ہمیشہ رہنے والی زندگی کو بہتر بنانا چاہتے ہو تو اِس مختصری زندگی میں نماز روزہ کا اہتمام کرلو ورنہ اللہ کو کیا شکل دکھاؤ گے۔

__نکتہ ثانی:__ جن لوگوں نے اس دنیا میں نماز روزے کا اہتمام کیا وہ قبر میں اور حشر میں بھی اللہ کے انعامات کے مستحق ہوں گے۔ قبر میں ان کے اجسام محفوظ رہتے ہیں۔ کیا ہم واقعی اس قدر بے حس اور بے غیرت ہو چکے ہیں کہ دن بھر میں آ... گند... کہ

وقت پانچ نمازوں کے لئے مختص کرنا بھی مشکل سمجھتے ہیں اوراس کے بدلے میں قبر اور آخرت کے عذاب کے علاوہ خدا کی ناراضگی کے لئے تیار ہیں؟ افسوس ہے ایسی عقل اور دنیاوی چالاکی پر! ان کو شیطان نے اس حد تک نافرمان کر دیا ہے کہ دن بھر میں آدھ گھنٹہ بھی اُس خدا کی خوشنودی (اور اپنے عذاب سے بچنے) کے لئے نکال نہیں سکتے؟ دو صحابہ رضؓ کے جسموں کو بیسوی صدی کے اوائل میں قبروں سے تروتازگی کی حالت میں نکالا گیا اور بغداد میں دوبارہ دفن کیا گیا تھا۔ ان کی کیفیت ملاحظ فرمایئے اور پھر اس حقیقت پر یقین کریں کہ نیک لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کس قدر اچھا سلوک کرتا ہے اور اگر اس کے باوجود تم نماز ترک کرو تو یہ بدبختی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

۴۔ دو صحابہ کرام رضؓ کے تروتازہ اجسام : راقم الحروف نے صغر سنی میں سنا اور ایک رسالے کی کٹنگ (جس پر نام درج نہ تھا) پڑھا کہ بیسوی صدی کے اوائل میں دو صحابہ کرام رضؓ کو دریا کا پانی قبروں میں آجانے کی وجہ سے قبروں سے نکالا گیا۔ لاکھوں بندوں نے ان کی زیارت کی، جنازے کو کندھا دیا، نمازِ جنازہ پڑھی گئی اوراس واقعہ کو ٹیلی ویژن اسکرین اور فلم بنا کر سینما سکرین پر بھی دکھایا گیا۔ ان صحابہ کرام کو دوبارہ قبروں میں دفن کرنیکے واقعات پڑھ کر ایمان تازہ ہوتا ہے۔ یہ فلم عراق میں موجود ہے مگر افسوس ہے کہ اس فلم کو مسلمان ممالک میں نہیں بھیجا جاتا۔ شاید بڑے لوگ اس کی ضرورت نہیں سمجھتے ورنہ یہ فلم بہت سے مسلمانوں کے ایمان کو تقویت دیتی اور جذبۂ عمل پیدا کرنے کا باعث بنتی۔

ان دو صحابہ کرام رضؓ کے اسمائے گرامی حضرت حذیفہ رضؓ بن الیمان اور حضرت جابر بن عبداللہ رضؓ ہیں چونکہ تفصیلات بتائے بغیر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی لہٰذا پورا واقعہ یوں ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عبداللہ لقب صاحب السر قبیلہ غطفان خاندان عبس تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محرم راز بھی تھے اِن کی اور ان کی والدہ دونوں کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے بخشش کی دعا مانگی تھی آپ رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں عورتوں کی حفاظت پر مامور کیے گئے تھے۔ آپ غزوۂ خندق کے علاوہ اور بھی کئی غزوات میں

شریک ہوئے۔ عراق فتح ہونے پر حضرت عمرؓ نے آپ کو نواح دجلہ کے بندوبست کا افسر مقرر کیا تھا۔ ۳۲ھ میں آپؓ نے آذربائیجان فتح کیا۔ بعد میں مدائن کے حاکم بھی بنائے گئے۔ حضرت حذیفہؓ نے ہی حضرت عثمان غنیؓ کو قرآن پاک کی نقلیں کرا کے ساری اسلامی سلطنت میں پھیلا دینے کا مشورہ دیا تھا۔ آپؓ نے بہت سی احادیث بھی روایت کی ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ بھی آنحضرتؐ کے برگزیدہ صحابی ہیں آپؓ کی کینت بھی ابوعبداللہ تھی، قبیلہ خزرج تھا۔ عقبہ ثانیہ میں والد سمیت مسلمان ہوئے تھے۔ آنحضرتؐ کو جب قرض کی ضرورت ہوتی تھی تو اکثر آپ ہی سے لیتے تھے۔ آپؓ بھی غزوۂ خندق میں شریک ہوئے اور بھی کئی غزوات میں شرکت کی۔ بیعتِ رضوان اور حجۃ الوداع کے موقع پر بھی موجود تھے۔

بغداد سے ۳۰ میل دور ایک مقام کا نام مدائن تھا جس کا موجودہ نام سلمان پاک ہے۔ دائیں طرف تھوڑے سے فاصلے پر دریائے دجلہ بہتا ہے۔ یہاں حضرت سلمان فارسیؓ حضرت حذیفہؓ بن الیمان اور حضرت جابر بن عبداللہؓ کے مزارات ہیں۔ آخر الذکر دو صحابہ کرامؓ کے مزارات عراق کے شاہ فیصل اوّل کے دور میں دوبارہ تدفین کے بعد بنائے گئے ہیں۔ اس سے پہلے یہ دونوں مزارات سلمان پاک سے تقریباً دو فرلانگ کے فاصلے پر تھے۔

حضرت حذیفہؓ نے عراق کے شاہ فیصل اوّل سے خواب میں فرمایا کہ میرے مزار میں پانی اور حضرت جابرؓ کے مزار میں نمی آنی شروع ہو گئی ہے لہٰذا ہم دونوں کو یہاں سے منتقل کر کے دریائے دجلہ سے ذرا فاصلہ پر دفن کر دیا جائے۔ بادشاہ اپنی مصروفیات کی بناء پر دن کو یہ خواب بھول گئے۔ دوسری شب خواب میں پھر وہی کہا گیا اور وہ بھول گئے تیسری رات عراق کے مفتی اعظم کو حضرت حذیفہؓ نے خواب میں وہی بات کہی اور کہا کہ ہم دو راتوں سے بادشاہ سے کہہ رہے ہیں لیکن وہ مصروفیات کی وجہ سے بھول جاتا ہے۔ آپ بادشاہ کو متوجہ کروایئے اور ہمیں یہاں سے دوسری جگہ منتقل کروایئے۔

مفتی اعظم نے اُس وقت کے وزیر اعظم نوری السعید پاشا سے فون پر بات کی اور پھر تفصیلی ملاقات کر کے انہیں تمام حالات سے آگاہ کیا۔ نوری السعید پاشا، مفتی اعظم

کھولے کر بادشاہ کے پاس گئے۔ بادشاہ نے واقعہ سننے کے بعد کہا کہ ہاں میں ان کو تین بار خواب میں دیکھ چکا ہوں اور انہوں نے مجھے بھی ہر بار یہی حکم دیا ہے۔ غرض اس موضوع پر آپس میں کافی بات چیت ہوئی اور مفتی اعظم نے صحابہ کرام کے حکم پر عمل کرنے پر زور دیا۔ لیکن بادشاہ نے کہا کہ پہلے احتیاطاً اس بات کی تصدیق کرالی جائے کہ واقعی دریا کا پانی ان کے مزارات کی طرف آ بھی رہا ہے یا نہیں۔ چنانچہ بادشاہ کے حکم پر عراق کے محکمہ تعمیرات عامہ کے چیف انجینئر اور عملے نے مزارات سے دریا کے رخ پر ۲۰ فٹ کے فاصلے پر بورنگ وغیرہ کرا کر دیکھا۔ مفتی اعظم بھی وہاں موجود رہے۔ پورے دن کی بھگ دوڑ کے بعد شام کو یہ رپورٹ دی گئی کہ پانی تو درکنار کافی نیچے سے جو مٹی نکلی ہے اس میں نمی تک نہیں ہے۔ اسی رات حضرت حذیفہؓ بادشاہ کے خواب میں پھر تشریف لائے اور اپنی بات دہرائی لیکن چونکہ بادشاہ کو بورنگ وغیرہ کی رپورٹ مل چکی تھی جس میں ماہرین ارضی نے بتایا تھا کہ پانی نہیں جارہا لہٰذا انہوں نے اسے خواب سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔ اگلی رات حضرت حذیفہؓ مفتی اعظم عراق کے خواب میں تشریف لائے اور اب کی دفعہ ان سے سختی سے کہا کہ ہمارے مزارات میں پانی گھستا آرہا ہے لہٰذا ہمیں جلد از جلد یہاں سے منتقل کرادیں۔

صبح مفتی اعظم پھر گھبرائے ہوئے اور پریشان حالت میں بادشاہ کے پاس گئے اور تمام واقعہ بیان کیا۔ بادشاہ کچھ جھلا سا گیا اور کچھ ناراضگی کے عالم میں کہنے لگا کہ مفتی صاحب آپ ماہرین ارضی کی رپورٹ دیکھ چکے ہیں۔ خود بھی موقع پر آپ موجود رہے پھر کیوں پریشان کرتے ہیں اور خود بھی پریشان ہوتے ہیں۔ مفتی اعظم نے کہا لیکن پھر بھی مجھے اور آپ کو برابر حکم دیا جارہا ہے۔ لہٰذا مزارات کھدوا دیجئے اور انہیں دوسری جگہ منتقل کروا دیجئے۔ شاہِ عراق نے کہا اچھا تو پھر آپ فتویٰ دے دیجئے۔ چنانچہ انہوں نے فتویٰ دے دیا۔ یہ فتویٰ اور اس کے ساتھ شاہِ عراق کا یہ فرمان کہ عید الاضحیٰ کو ظہر کی نماز کے بعد حضرت حذیفہ بن الیمانؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ کے مزارات کھولے جائیں گے اخبارات میں شائع کرا دیا گیا۔ اس فتویٰ کا اور فرمان کا اخبارات میں شائع ہونا تھا کہ تمام عالمِ اسلام میں جوش و خروش اور ہلچل پھیل گئی رائٹر نیوز ایجنسی اور دنیا کی دیگر نیوز ایجنسیوں کے ذریعے یہ خبر تمام دنیا میں پھیل گئی۔

یہ حج کا زمانہ تھا اور تمام دنیا کے مسلمان مکہ معظمہ میں آئے ہوئے تھے جنہوں نے صحابہ کرام کے مزارات عید الاضحیٰ کے کچھ دنوں بعد کھولنے کی درخواست کی تاکہ وہ بھی شریک ہو سکیں۔ اس کے علاوہ دنیا کے بے شمار ملکوں ہندوستان، ترکی، ایران، شمالی افریقہ، شام، فلسطین، مصر، روس، بلغاریہ، لبنان، حجاز وغیرہ سے بے شمار لوگوں نے عراق کے شاہ فیصل اوّل کو تار بھیجے کہ کچھ دنوں کے بعد مزارات کھولے جائیں تاکہ وہ بھی صحابہؓ کرام کے جنازوں میں شریک ہو سکیں۔

شاہ عراق کے لئے یہ بڑا مشکل مرحلہ تھا۔ ایک طرف تمام عالم اسلام کا اصرار اور دوسری طرف خوابوں میں جلد از جلد مزارات کی منتقلی کی ہدایت۔ اور اگر مزارات میں واقعی پانی رس رہا ہے تو مزید دیر ہونے سے مزارات کو نقصان پہنچ سکتا ہے آخر ایک ترکیب کی گئی وہ یہ کہ دریا کے رُخ پر دس فٹ کے فاصلے پر ایک لمبی اور گہری خندق کھدوا کر اس میں سیمنٹ اور بجری وغیرہ بھروا دی گئی اور دوسرا شاہی فرمان جاری ہوا کہ اب مزارات کی منتقلی عید الاضحیٰ کے دس دن بعد کی جائے گی۔

مدائن (سلمان پاک) میں عید الاضحیٰ کے بعد دس دنوں میں تقریباً پانچ لاکھ افراد جمع ہو گئے۔ اس میں ہر مذہب فرقہ اور عقیدے کے لوگ تھے۔ عراق کی حکومت نے اس موقع پر دوسرے ممالک سے پہنچنے والوں پر کسٹم پاسپورٹ اور کرنسی وغیرہ کی تمام پابندیاں ختم کر دیں اور صرف اپنے ملک کا اجازت نامہ لانے کو کہا۔ اس موقع پر کئی ملکوں سے سرکاری وفود بھی آئے۔ ان دنوں ترکی پر مصطفےٰ کمال اتاترک کی حکومت تھی ان کی نمائندگی ان کے ایک وزیر مختار نے کی، مصری وفد میں وزراء علمائے کرام کے علاوہ سابق شاہ فاروق جو اس وقت مصر کے ولی عہد تھے نے بھی شرکت کی۔

آخر خدا خدا کر کے وہ دن آیا جس نے لوگوں کے دلوں میں ہل چل مچا رکھی تھی۔ اور جس کیلئے لاکھوں افراد مدائن میں جمع تھے۔ یہ پیر کا دن تھا۔ عراق کے شاہ فیصل اوّل، مفتی اعظم عراق، عراق کی پارلیمنٹ کے تمام ارکان، سرکاری وفود اور لاکھوں افراد کی موجودگی میں مزارات کو کھولا گیا تو واقعی حضرت حذیفہ رضؓ کے مزار میں پانی آچکا تھا اور حضرت جابرؓ کے

مزار میں نمی آ چکی تھی۔ جب کہ یہ مزارات دریائے دجلہ سے دو فرلانگ کے فاصلے پر تھے ایک کرین کے ذریعے جس میں پھاوڑے کے پھل کی طرح کا پھل لگا تھا اور اس پر ایک اسٹریچر کس دیا گیا تھا استعمال کیا گیا۔

حضرت حذیفہ رض کی نعش مبارک کو زمین سے اس طرح اٹھایا گیا کہ ان کی نعش مبارک کرین پر نصب شدہ اسٹریچر پر خود بخود آ گئی۔ اسٹریچر کو کرین سے الگ کیا گیا اور شاہِ عراق، مفتی اعظم عراق، شہزادہ فاروق والی مصر، ترکی کے وزیر مختار نے اسٹریچر کو کندھا دیا اور بڑے احتیاط و احترام سے ایک شیشے کے بکس میں رکھ دیا۔ اور پھر اسی طرح حضرت جابر رض کی نعش مبارک کو ان کے مزار سے نکالا گیا، نعشہائے مبارک کا کفن حتیٰ کہ ریش ہائے مبارک کے بال تک بالکل صحیح حالت میں تھے اور لاشوں کو دیکھ کر ہرگز یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ یہ تیرہ سو سال پہلے کی نعشیں ہیں (واضح رہے کہ حضرت حذیفہ رض کا انتقال ۳۶ھ میں اور حضرت جابر رض کا انتقال تقریباً ۷۴ھ میں ہوا تھا) بلکہ یہ گمان ہوتا تھا کہ ان کو رحلت فرمائے ہوتے دو تین گھنٹے ہوئے ہیں اور سب سے حیرت انگیز بات یہ کہ دونوں صحابہ کرام رض کی دونوں آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور ان میں اتنی پراسرار چمک تھی کہ کئی لوگوں نے چاہا کہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھیں لیکن ان کی آنکھیں اس چمک کے آگے ٹھہرتی نہیں تھیں، ٹھہر بھی کیسے سکتی تھیں۔ جن آنکھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو وہ آنکھیں، سبحان اللہ

ایک بین الاقوامی شہرت کے مالک جرمن ماہر چشم نے یہ منظر دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا، وہ بے ساختہ ہو کر آگے بڑھا اور مفتی اعظم کا ہاتھ پکڑ کر اس نے کہا کہ اسلام کی حقانیت اور صحابہ کرام رض کی بزرگی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے اور اسی وقت کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ دونوں صحابہ کرام رض کی لاشیں شیشے کے بکسوں میں رکھی ہوئی تھیں اور رونمائی کی غرض سے چہروں پر سے کفن ہٹایا گیا تھا۔ عراقی فوج نے باقاعدہ سلامی دی، توپوں سے بھی سلامی دی گئی۔ مجمع نے نماز جنازہ پڑھی، بادشاہ، علمائے کرام، سفرا، اعلیٰ حکام اور بے شمار لوگوں نے جنازوں کو کندھا دیا اور یہ تمام کارروائی ایک جرمن فلم ساز کمپنی نے پورے مجمع کو ۴۰ فٹ لمبی اور ۲۰ فٹ چوڑی اسکرین پر اور بذریعہ ٹی۔ وی کیمرہ دکھائی مزید چار بڑے بڑے

سکرین اور بھی لگائے گئے جس کی وجہ سے تقریباً پانچ لاکھ افراد نے جس میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے نہایت اطمینان وسکون کے ساتھ مزارات کے کھلنے سے لے کر آخر وقت تک کی تمام کاروائی دیکھی ورنہ ہزاروں افراد زیارت کے شوق میں ریل پیل اور ہڑبونگ میں کچل کر مرجاتے۔

اس کے بعد صحابہ کرام رضؓ کے جنازوں کو پورے ادب واحترام کے ساتھ سلمان پاک کی طرف لے جایا جانا شروع کیا گیا راستے میں ہوائی جہازوں نے غوطے لگا کر سلامی دی اور ان پر پھول نچھاور کیے اس کے علاوہ مجمع نے بھی جنازوں پر منوں پھول برسائے۔ کئی جگہ یہ جنازے رکوائے گئے اور تقریباً چار گھنٹے بعد یہ جنازے سلمان پاک، حضرت سلمان فارسیؓ کے مزار کے پاس پہنچے یہاں اعلیٰ فوجی حکام نے گارڈ آف آنر پیش کیا۔ لاشوں کو پہلے کرین سے اتارا اور پورے ادب اور احترام سے قبروں میں جو پہلے سے تیار تھیں رکھا اور اس طرح توپوں کی گرج، فوجی بینڈوں کی گونج اور اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں کے درمیان ان صحابہ کرام رضؓ کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ اس موقع پر اور اس واقعہ کو دیکھ کر اتنے لوگ ایمان لے آئے کہ جس کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ اگلے دن بغداد کے سینماؤں میں اس واقعہ کی فلم دکھائی گئی۔

یہ واقعہ آج دنیا میں صداقتِ اسلام کی ایک زندہ مثال ہے اور خدائے تعالیٰ کی ذات پاک کے ہونے پر واضح دلیل ہے۔ کاش یہ علم حاصل کی جائے تاکہ لوگوں کا ایمان تازہ ہو۔

۷۔ __وجدان خدا کی نشاندہی کرتا ہے۔__ وجدان مقام شہود کو کہتے ہیں یعنی سالک کا ذات حق سبحانہٗ کو ہر ذرے میں مشاہدہ کرنا اور اس سے قلبی لذت اور ذوق حاصل کرنا۔ خدا کی ہستی کے ہونے کی دلیل یہ ہے کہ سالکوں کو وجدان حاصل ہوتا ہے اللہ تعالےٰ کی ہستی کا سمجھنا روایتی وجدان سے ہی ہو سکتا ہے۔ جو محض عبادات اور نیک زندگی کی پیداوار ہے، عقل انسانی محدود ہے اور عقل کا انحصار حواس خمسہ پر ہے جو کہ خود بھی محدود ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کی ہستی لامحدود ہے اور لامحدود کا محدود میں آنا ممکن نہیں (INFINITE CAN-NOT BE CONTAINED IN FINITE) وجدان کی ابتدائی کیفیت جس کو چھٹی حس کہا جاتا ہے حقیقتاً وجدان نہیں

کہلا سکتی اور یہ چھٹی حس تو ہر کسی انسان میں کسی حد تک پائی جاتی ہے۔ اہل اللہ کا وجدان صرف مسلمانوں کے حصے میں آنے والی دولت ہے اور یہ طاقت ہی ان کو خدا کی نشاندہی کرتی ہے

۸۔ اللہ ہر شے پر محیط ہے: کمیت (یعنی MASS) کا بڑھنا یا گھٹنا، اس کی حرکت (VELOCITY) پر منحصر ہے۔ اگر حرکت (V) زیادہ ہے تو درج ذیل فارمولا کے مطابق ماس بھی زیادہ ہوگا۔

کمیت صفر رفتار پر ← M_0

کمیت کی رفتار کا مربع ← $M_V = \dfrac{M_0}{\sqrt{1-\dfrac{V^2}{c^2}}}$ ← (کمیت کسی خاص رفتار V پر)

$= \dfrac{M_0}{\sqrt{1-1}}$ ← اگر کسی چیز کی رفتار روشنی کی رفتار تک پہنچ جائے تو۔

$= \dfrac{M_0}{0}$ ← یعنی

$= \infty$ ← دوسرے لفظوں میں (لامحدود) یعنی اگر کسی چیز کی حرکت روشنی کی رفتار سے بڑھ جائے تو اسکی کمیت لامحدود ہو جائے گی۔

اگر ہم VELOCITY کو اتنا بڑھا دیں کہ وہ روشنی سے بھی تیز ہو جائے تو MV یعنی مادے کی کمیت (MASS) اتنی بڑی ہو جائے گی کہ انسانی فہم میں نہیں آسکے گی اور ناقابل پیمائش ہوگی مگر اس رفتار کے حاصل کرنے سے پہلے (MASS) نور میں تبدیل ہو جائے گا اس سے اللہ کے نور کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جو تمام کائنات کا خالق ہے اس کا نور تو قرآن کے بیان کے مطابق ہر جگہ پھیلا ہوا ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ جیسا کہ سورہ النساء آیت ۱۲۶ میں فرمایا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا (اللہ تعالیٰ ہر چیز پر احاطہ کر لینے والا ہے) اور کیا یہ کائنات اس کے مقابلے میں ایک نقطے کے برابر نہ ہوگی۔ یہ فارمولا اور یہ نکات خدا کے ہونے کی دلیل ظاہر کر رہے ہیں۔ آئن سٹائن نے درج بالا حقیقت کو دوسری شکل میں اس طرح لکھ دیا۔

$$E = M.C^2$$

(روشنی کی رفتار کا مربع × کمیت) = (توانائی)

ایسی مساوات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر ENERGY بڑھے گی تو کمیت (MASS) بھی بڑھے گی چنانچہ جو لوگ اونچے مکانوں میں رہتے ہیں وہ نیچے رہنے والوں کے مقابلے میں زمین کی چوبیس گھنٹوں کی گردش میں زیادہ سفر طے کرتے ہیں لہذا ان کے فہم کا معیار بھی زیادہ بلند ہو جاتا ہے۔

۹۔ بلیک ہولز (BLACK HOLES): ریڈیو ٹیلی سکوپ کے ذریعے سائنسدانوں نے آسمان میں کالے سوراخ (BLACK HOLES) دیکھے ہیں کیونکہ ان جگہوں پر کثافت (DENSITY) بہت زیادہ ہے اصولاً کثافت وہیں زیادہ ہوگی جہاں مادے کے کھنچنے کی مقدار زیادہ ہو اور اسی لیے یہ سوراخ کالے نظر آتے ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ یہ کالے سوراخ دونوں جہانوں کو آپس میں ملانے والے دروازے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو جس جگہ یہ دونوں جا کر مل رہے ہیں وہاں ان کے قریب آ نیوالی چیزوں کا خاتمہ ہو رہا ہے یا دوسرے لفظوں میں مذکورہ بالا (X +) اور (X -) مل کر (ZERO) ہو رہے ہیں۔ (0 = X + X-) گویا) قرآن نے آسمانوں کے دروازوں کا ذکر کیا ہے اور ہر چیز کا اوپر معدوم کرنے اور فنا ہونے کا بھی ذکر ہے۔ بلیک ہولز کا اس سے زیادہ تذکرہ عام آدمی کی فہم سے زیادہ ہے اس لیے اس مسئلہ کو زیادہ نہ بیان کرنا ہی بہتر ہے۔ البتہ اتنا سمجھ لینا چاہیئے کہ سورہ الذاریات آیت نمبر ۷ میں وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ (یعنی قسم ہے آسمان کی جس میں راستے ہیں) انہی بلیک ہول کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ اور اس کے علاوہ ان راستوں سے ستاروں کی گزرگاہیں بھی مراد لی جاتی ہیں۔ اَلْاِحْتِبَاكِ کا لفظی معنی کسی چیز کو مضبوطی سے باندھنا بھی ہے چنانچہ سائنسدان کہتے ہیں کہ ان بلیک ہولز سے کوئی چیز بچ کر نہیں جا سکتی حتیٰ کہ روشنی بھی اس میں بند ہو جاتی ہے۔ ان سوراخوں کے قریب جو بھی چیز آتی ہے ان کی طرف کھنچ جاتی ہے یہ تمام باتیں قرآن کی صداقت پر دال ہیں۔

۱۰۔ ہر چیز کو اندازے کے مطابق بنایا جانا: چاند زمین سے تخمیناً

۳۵۶،۴۱۰ کلومیٹر تا ۴۰۶،۶۸۵ کلومیٹر دور ہے۔ اس کا اوسط قطر ۳۴۷۶ کلومیٹر ہے MASS (کمیت) زمین کا ۱/۸۱ حصہ ہے۔ کشش ثقل (SURFACE GRAVITY) زمین کا ۱/۶ حصہ ہے۔ چنانچہ جو آدمی زمین پر ایک غلے کی بوری اٹھا سکتا ہے وہ چاند پر چھ بوریاں اٹھا سکتا ہے اور کرکٹ کا بال ہٹ لگانے پر زمین کی نسبت چھ گنا دور جائے گا۔ جیبی گھڑی کا چاند میں بالکل احساس نہیں ہوگا۔ اور اگر یہ گھڑی ایک ایسے ستارے پر لے جائی جائے جو کہ زمین سے ایک لاکھ گنا بڑا ہو تو گھڑی کا وزن ۱۵۰ من ہو جائے گا اور ہم اس کے بوجھ سے پس جائیں گے۔ اگر یہ زمین اس سے ہلکی یا بھاری ہوتی تو ہماری زندگیاں دوبھر ہو جاتیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو مناسبت سے پیدا کیا۔ جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝ (القمر، ۴۹)

ہم نے ہر چیز کو اندازہ کے مطابق پیدا کیا۔

اگر زمین اپنی موجودہ گردش کی رفتار سے ۱۷ گنا تیز ہو جائے تو کشش ثقل اتنی کم ہو جائے کہ کسی چیز کا وزن نہ رہے۔

اسی طرح زمین کو اگر ہموار بنایا گیا ہوتا تو ہر مقام پر تقریباً ۱ ہزار فٹ گہرا پانی ہوتا۔ اونچی نیچی جگہ جو زلزلوں اور سیلابوں سے بنی اس نے زمین کو ناہموار بنا دیا، ورنہ یہ زندگی کے قابل نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے احسان کرتے ہوئے فرمایا۔

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا (طٰهٰ: ۵۳)

اللہ وہ جس نے زمین کو تمہارے لئے بچھونا بنا دیا۔

ہر چیز کو انسانی زندگی کے لئے سازگار بنایا گیا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے نظام تخلیق کا اندازہ ہوتا ہے۔

<u>لمحۂ فکریہ</u>: زمین آسمان۔ ستارے۔ نظامِ شمسی۔ گلیکسی۔ کہکشاں، نبولا، سدیم اور ایسی ہزاروں گلیکسوں پر مشتمل کائنات جس کا نہایت مختصر بیان کیا گیا ہے، کیا سب کچھ دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی عظمت کی طرف خیال نہیں جاتا؟ کیا یہ سب کچھ دیکھنے اور سمجھنے کے بعد یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا کوئی خالق بھی ہے جو اس کو ایک نظام اور حساب کے مطابق

چلا رہا ہے۔ انسان کی حقیقت اس کائنات کے سامنے ایک کیڑے سے زیادہ نہیں ہے اتنی بڑی کائنات کے پیدا کرنے کا کوئی مقصد ضرور ہے۔ دنیا کی تخلیق کا شاہکار دیکھ کر اور ہر چیز میں نظام الہٰی کے کرشمے نشانیوں کے طور پر دیکھ کر اور عناصر کی تکوینی شکل و صورت اور وحدت دیکھ کر ایک ناقابل تردید خالق کی طرف خیال جاتا ہے۔

دنیائے مغرب کا ایک حکیم، دنیا کے نظام سے متاثر ہو کر لکھتا ہے۔

"جوں جوں ہمارا علم فطرت بڑھتا جاتا ہے، ہم محسوس کرتے ہیں کہ ابھی کچھ اور بھی ہے جسے جاننا چاہیئے۔ اس کیف انگیز دنیا میں، ہم جوں جوں آگے بڑھتے ہیں ہماری مسرتوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ مطالعۂ کائنات پر صرف کیا ہوا لمحہ ہمیں بلند تر کیف و حق کا پیغام دیتا ہے۔ ہم سب اس حسین منزل کی طرف بڑھتے ہی جائیں گے اور ٹھہریں گے نہیں اس لئے کہ کائنات کی تجلیاں از بس قریب نظر ہیں۔"

ایک اور حکیم مغرب کہتا ہے "میری مثال اس بچے کی سی ہے جو سمندر کے کنارے کھیل رہا ہو۔ مجھے اپنے ساتھیوں کی نسبت کوئی زیادہ خوبصورت سنگریزہ یا گھونگا مل جاتا ہے لیکن ابھی حقیقت بحر ذخار کی طرح میرے سامنے ہے جس کا ہمیں کوئی علم نہیں۔"

فرانسس تھامسن نے لکھا ہے "تمام قریب اور بعید کی اشیاء کو ایک لازوال طاقت نے مخفی طور پر بہ یک دیگر باندھ رکھا ہے جب تم ایک پھول کو چھیڑو گے تو فضائے گردوں میں ایک ستارہ کانپ اٹھے گا۔" ؎

حقیقت ایک ہے ہر شے کی خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرّے کا دل چیریں

یورپ کا ایک شاعر کہتا ہے "جب میری نگاہ تیرے ہیبت آسمانوں کے ستاروں اور مہتاب پر پڑتی ہے، جو تیری مشیت سے مقہور اور مجبور ہو کر سرگرم عمل ہیں تو معاً خیال آتا ہے کہ خدا جانے یہ انسان کیا چیز ہے جس کی تجھے اس قدر فکر ہے کہ اس آدم کو تو نے اپنا جلوہ بھی دکھایا، کبھی ہم کلامی کا شرف بخشا اور کبھی انسانوں کی طرف تو نے اپنے پیغمبر بھیجے۔"

لندن یونیورسٹی کے پروفیسر ڈیوڈ مرلیسر جسم انسانی کا علم حاصل کرنے کے بعد لکھتا ہے "عظیم فطرت کے لامتناہی جلال و جبروت دیکھ کر میرا دل ڈوب رہا ہے۔"

سر جیمز جینز کہتا ہے "یہ کائنات کوئی مشین نہیں بلکہ کسی شاعر کا زبردست تخیل معلوم ہوتی ہے۔"

ریڈرز ڈائجسٹ ۱۹۷۳ء میں امریکہ کے شہرہ آفاق سائنسدان تھامس ایڈیسن جس نے ایک ہزار سے زائد ایجادات کیں، ایک روز کہنے لگا کہ لوگ مجھے بہت بڑا موجد کہتے ہیں حالانکہ میں قطعاً ایسا موجد نہیں جو قابلِ ذکر ہو۔ جب میں سوچتا ہوں کہ میں ایک زیرک انسان تو کیا ایک بیوقوف آدمی بنانے پر بھی قادر نہیں جو احمقوں کی سی باتیں کر سکے، تو اس کے باوجود مجھے موجد کہنا ایک بہت بڑی بے انصافی ہے۔ پھر اس نے اپنی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "حقیقی موجد تو اس کی ذات ہے۔"

آئن سٹائن کا قول ہے "وہ انسان جو کائنات پر اظہار تعجب کے لئے نہیں ٹھہرتا اور اس پر خشیت اور تقویٰ کی کیفیت طاری نہیں ہوتی وہ مر چکا ہے اس کی آنکھیں بصارت سے محروم ہیں۔" ان سائنسدانوں کے اقوال پر قرآن کی وہ آیت صادق آتی ہے۔ کہ جس میں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھ سے میری کائنات کا علم رکھنے والے ہی ڈرتے ہیں۔

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ط	اللہ سے صرف علمائے فطرت
(الفاطر: ۲۸)	ہی ڈرتے ہیں۔

قرآن نے حصولِ علم اور تفکر فی الکائنات پر بہت زور دیا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے ؎

ناداں! ادب و فلسفہ کچھ چیز نہیں ہے	اسبابِ ہنر کے لیے لازم ہے تگ و دو
وہ علم نہیں زہر ہے احرار کے حق میں	جس علم کا حاصل ہو جہاں میں دو کفِ جو
خودی میں ڈوبنے والوں کے عزم و ہمت نے	اس آب جُو سے کیے بحرِ بیکراں پیدا
وہی زمانے کی گردش پہ غالب آتا ہے	جو ہر نفس سے کرے عمرِ جاوداں پیدا
خودی کی موت سے مشرق کی سرزمینوں میں	ہوا نہ کوئی خدائی کا راز داں پیدا

تخلیقِ کائنات

اَلْخَلْقُ ۔ خلق کے معنی کسی چیز کو بنانے، اندازہ لگانے یا ابداع (بغیر کسی ماں یا بغیر کسی تقلید کے پیدا کرنے) کو کہتے ہیں۔ خلق بصورت استحالہ (کسی تبدیلی کے ساتھ) یہ ہے کہ خدا کے سوا دوسروں کو بھی تخلیق کا اختیار دیا جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کو فرمایا اِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ کَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ (المائدہ ۱۱۰) یعنی جب تم میرے حکم سے مٹی کا جانور بناتے تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے خود کو اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ ۔ فرمایا ہے۔

ساری کائنات کو ایک خالق نے بنایا ہے اور ہر چیز میں اس کا جلوہ رونما ہوتا ہے، اگر ہم اس کی صناعی اور تخلیق میں پوشیدہ کمالات حُسن اور عجائبات پر غور کریں تو واقعی انسان ششدر رہ جاتا ہے اور اس موضوع پر اگر ہزاروں کتابیں بھی تحریر کی جائیں تو بھی ان کمالات کو پوری طرح بیان نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ اس کائنات کی تخلیق میں چند اہم اقدام کو ہی بیان کیا جائے گا تاکہ معلوم ہو کہ یہ کائنات کیوں اور کس طرح وجود میں آئی۔

جب کچھ نہ تھا تو صرف خدائے تعالیٰ کی ذات موجود تھی اور اُس کا عرش پانی پر تھا۔ گویا پانی کو تمام اشیاء سے پہلے تخلیق کیا جا چکا تھا، جیسا کہ سورۂ ہود آیت ۷ میں ہے، وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ ۔ (زمین اور آسمانوں کو چھ دنوں میں بنانے کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ اس سے پہلے اس کا عرش پانی پر تھا) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پانی کو ہر چیز کا جزو بنایا گیا۔ سورۃ الانبیاء میں بھی ذکر ہے کہ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ۔ یہاں زمین و آسمان کی چھ روزہ تخلیق سے مُراد چھ ادوار ہیں اور ہر دور کے طول کے متعلق کوئی شواہد موجود نہیں۔

احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تخلیق کائنات سے پہلے اللہ تعالیٰ کی اپنی تمام صفات (یہ کہ وہ ازلی ہیں) اُس وقت بھی اس میں موجود تھیں۔ یعنی تخلیق سے پہلے بھی وہ خالق، رازق، غفار، رحیم، حلیم، رحمٰن وغیرہ کی صفات سے متصف تھا، لیکن یہ صفات عمل میں اُسی وقت آسکتی تھیں اگر کوئی مخلوق ہوتی۔ وہ رازق تھا لیکن رزق کسے دیتا، رحیم تھا مگر کس پر رحم کرتا، چنانچہ اپنی صفات

کو عمل میں لانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ میں اپنی صفات سے پہچانا جاؤں، جیسا کہ حدیث شریف میں بھی وارد ہے۔

کُنْتُ کَنْزًا مَّخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ ۔ میں ایک مخفی خزانہ تھا مجھے اس بات کی محبت ہوئی کہ میں پہچانا جاؤں اسلئے میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔

اس تصور کے آتے ہی مخلوقات کے پیدا کرنے کا خاکہ ذہن میں آیا اور اس کے ساتھ ہی لفظ "کُن" سے کائنات کے پیدا کرنے کا حکم فرمایا اور ہر چیز حسب حکم اپنے وقت پر نمودار ہونے لگی اور یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ کی مشیت تک جاری رہے گا۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ کُنْ فَیَکُوْن کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے ؎

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید کہ آرہی ہے دمادم صدائے کُنْ فَیَکُوْن

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو لفظِ "کُن" کہتا اور ہر چیز یکدم پیدا ہو جاتی، لیکن اللہ تعالیٰ کا خلق و تدبر اور عجائبات قدرت و حکمت اور تقاضائے مشیت یہی تھا کہ ایک حساب کے ساتھ ہر چیز معرضِ وجود میں آئے۔

داستانِ تخلیق تو بہت طویل ہے لیکن اتنا کہا جا سکتا ہے کہ جیسے کسی چیز کو بنانے سے پہلے اُس کی تخلیق کے پیچھے ایک جذبۂ عشق ہمارے دلوں میں کارفرما ہوتا ہے۔ اِسی طرح حسین اور جمیل کائنات کی تخلیق سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صفاتِ عشق و محبت واضح طور پر نمایاں تھی اور اسی جذبۂ عشق کے تحت کچھ انوارِ الٰہی نہایت لطیف نور کی شکل میں اللہ تعالیٰ کے رُوبرو صفتِ آئینہ نمودار ہوئے۔ یہ نور چونکہ نہایت صاف اور شفاف تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام کمالات و صفات اور حُسن و جمال کا عکس اس نورانی آئینہ میں مشاہدہ کیا اور اپنے اس حُسن کے مجسمے کو اس قدر پسند فرمایا کہ وہ اس پر عاشق ہو گیا۔

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ نور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور تھا جس پر وہ عاشق ہوا اور آج بھی وہ اس پر عاشق ہے۔ جب اس نور کی طرف محبت کی نگاہ ڈالی تو اس نور کے وجود پر عرقِ انفعال (حیا کے پسینے) نمودار ہوئے چنانچہ بعد ازاں اس پسینے سے تمام مخلوقات کو پیدا کیا۔ پیشانی کے پسینے سے فرشتوں کو اور علی الترتیب باقی حصوں سے باقی مخلوقات کو پیدا کیا۔

روایات میں ہے کہ اس نور کو کروڑوں سال تک اپنے قُرب میں رکھا اور اس کی چمک تمام جہات میں پھیلتی رہی۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے (ایک حدیث کے مطابق) اپنی عمر کا

اندازوں بیان کیا ہے کہ انہوں نے اس نور کو ستر ہزار مرتبہ دیکھا جبکہ یہ نور ان کو ستر ہزار سال کے بعد نظر آیا کرتا تھا۔ اکثر علماء اور صوفیاء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور میں سے ایک نور ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی ہے کہ انہوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے کس چیز کو پیدا فرمایا؟ تو آپ نے فرمایا یا جابر ان اللہ تعالیٰ قد خلق قبل الاشیاء نور نبیک (سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کے نور کو پیدا فرمایا) آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا " انا من نور اللہ والمومن من نوری اور ایک حدیث ہیں والخلق من نوری فرمایا یعنی میں اللہ کے نور سے ہوں اور مومن میرے نور سے، اور دوسری حدیث کے مطابق مخلوق کو میرے نور سے پیدا کیا)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تصدیق فرمائی اور مکتوبات (دفتر سوم حصہ دوم مکتوب ۱۰۰) میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا ہوں (خلقت من نور اللہ) مجدد الف ثانیؒ نے یہ بھی فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش دوسرے افراد انسانی کی طرح نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم باوجود جسم عنصری رکھنے کے نور حق تعالیٰ سے پیدا ہوئے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم ممکنات میں سے نہیں بلکہ اس سے بلند اور ارفع امکان سے پیدا ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تخلیق کو تعین اول یا حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں۔ اس کا بیان حقیقت کعبہ میں آئے گا، انشاء اللہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمانے کے بعد ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب حق تعالیٰ نے اس نور سے اٹھارہ ہزار قسم کی مخلوقات کو پیدا فرمایا جس میں سوائے آدم علیہ السلام کے باقی تمام مخلوقات، نباتات، جمادات، حیوانات، فلکیات یعنی ہر چیز کو پیدا فرمایا، اس کے بعد آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، تخلیق کائنات اور تخلیق آدم کے متعلق سورہ بقرہ، النساء، الانعام، ھود، مومن، یونس، اعراف، فرقان، الحدید، التوبہ، الانبیاء، المومنون، النحل، الزخرف، الحجر وغیرہ کا مطالعہ فرمائیں تخلیق آدمؑ کی مختصر تفصیل آئندہ صفحات میں شامل کی گئی ہے۔

مقصد تخلیق | جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو اس لیے پیدا فرمایا کہ اس کی صفات کو پہچانا جائے، چنانچہ مخلوق اس کی پہچان حاصل کرنے کی کوشش میں ہے اور ابھی تک

اس کی معرفت کی ابتدائی صفات کو بھی پہچانا نہیں جا سکا ؎

دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر
ماہمچناں در اوّلِ وصفِ تو ماندہ ایم

تخلیق کائنات کے متعلق سورۃ الدخان آیت ۳۸ میں حق تعالیٰ نے یوں فرمایا کہ ہم نے زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل کود کے طور پر نہیں پیدا فرمایا (وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ) اس تخلیق کے مقصد کی یوں بھی وضاحت بیان فرمائی ہے کہ :-

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ (الذّٰریات ۵۶) اور نہیں پیدا فرمایا میں نے جن اور انسان کو مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔

قومِ تبّع کے متعلق ذکر کرتے ہوئے قرآن نے فرمایا کہ وہ لوگ اپنی زندگیوں کو اسی طرح رنگ رلیاں منانے اور جی بھر کے عیش کرنے میں صرف کیا کرتے تھے حتیٰ کہ وہ دردناک عذاب میں مبتلا کیے گئے۔ ان کی مثال دینے کے بعد اہلِ مکہ اور آنے والی نسلوں کو بھی فرمایا کہ تم آنیوالے حساب سے غافل نہ رہو۔

روایات میں ہے کہ اسی قومِ تبّع کا ایک بادشاہ ابوکرب جب مکے سے گزرا تو اُسے نبیِّ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خبر دی گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک ہزار سال بعد) مدینہ منوّرہ میں ظہور فرمائیں گے، چنانچہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ایک خط لکھ کر ابوایوب انصاریؓ کے اجداد میں سے اُس عالم کے ہاتھ میں دیا جو ایک جماعت کے ساتھ مدینہ منوّرہ میں اس نیت سے مقیم ہو گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر (جب بھی آپ تشریف لائیں گے) ایمان لے آئیں۔ چنانچہ ان کی نسل میں سے ابوایوب انصاریؓ لے وہ خط حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا جس کے آخری الفاظ یہ تھے "میرا سلام قبول فرمائیں اور قیامت کے دن میری شفاعت فرمائیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی درخواست کو قبول فرمایا۔ (ضیاء القرآن)

گو مذکورہ جماعت کے لوگ حضورؐ کی امت سے نہیں تھے لیکن اپنی عقیدت اور رجوع کے سبب آپ کے اُمتی اور مقبول بارگاہِ الٰہی بن گئے۔ لیکن یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہمارے آج کے مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں ہوتے ہوئے بھی آپ سے محبت نہیں کرتے

بلکہ رات دن مال و دولت کے سمیٹنے میں مصروف ہیں اور اپنی آخرت کی نجات کے لیے بالکل فکر نہیں کرتے۔ سورۃ الدخان کی اس آیت ۳۸ میں اس طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اس کارخانہ حیات کے ہر ذرہ میں جو نظم و ضبط پایا جاتا ہے اس کے نظام میں جو سنجیدگی اور گہرائی پائی جاتی ہے اس کے مشاہدے کے بعد کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ یہ سب کچھ کھیل تماشا ہے اور اسے محض تفریح طبع کے لیے بنا دیا گیا ہے؟ جب ہر چیز با مقصد ہے اور اپنے صانع کی طرف اشارہ کرتی ہے تو پھر انسان اس کی تابعداری کیوں نہیں کرتا ؟

درج بالا آیات کے علاوہ اللہ تعالیٰ متعدد بار انسانوں کی توجہ اُن کے مقصد تخلیق کی طرف مبذول کرتا ہے اور قرآن میں ۳۰۰ سے زائد مرتبہ آیاتِ تخلیق کا ذکر ہوا ہے جس کی تفصیل یہاں بیان کرنا ممکن نہیں۔ ایسی آیات میں کہیں تو فرمایا گیا ہے کہ تم غور کیوں نہیں کرتے؟ کیا تمہارے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں؟ کبھی فرمایا کہ ہم نے موت اور زندگی کو تمہاری آزمائش کے لیے بنایا تاکہ معلوم ہو سکے کہ کون نیک اعمال کر کے بعد ہمارے انعامات کا وارث بنتا ہے۔ کبھی فرمایا یہ دنیا تو آخرت کی کھیتی ہے اور یہ دنیا اللہ تعالیٰ کے ابدی انعامات کے مقابلے میں بہت قلیل شے ہے اس پر بھروسہ نہ کرو۔ کچھ آیات ایسی ہیں جن میں اس زندگی اور آخرت کی زندگی کے فرق کو بیان فرمایا ہے تاکہ شاید یہ لوگ اپنی تخلیق کے مقصد کو پہچانیں مگر ہم ہیں کہ نہ ہی قرآن اور حدیث کی بات سننا چاہتے ہیں اور نہ ہی کسی نیکی کی طرف بلانے والے کی ندا اور صدا کو سننا چاہتے ہیں۔ کاش ہم اس کائنات کی ہر شے سے نکلنے والی اس منادی کو سنیں جو خدا کی طرف ہمیں پکار رہی ہے اور معلوم کریں کہ

؎ از کجا می آید ایں آوازِ دوست

کمپیوٹر کی تحقیقاتی روشنی میں تخلیقِ کائنات

سائنسدانوں نے کمپیوٹر کو طبیعات کے اصولوں پر مبنی ایک پروگرام فیڈ کرنے کے بعد یہ معلوم کرنے کی کوشش کی ہے کہ کائنات کب اور کس طرح وجود میں آئی۔ اُن کی تحقیقات کی تفصیل بہت طویل ہے لیکن اس جگہ عوام کی معلومات کے لیے اس تحقیق کا مختصر اور آسان خلاصہ شامل

کیا جا رہا ہے جس کو عام فہم کرنے کے لیے بہت محنت کی گئی ہے اور پروفیسر نور محمد چوہدری ڈائریکٹر (ریٹائرڈ) نیوکلیر ریسرچ لیبورٹری گورنمنٹ کالج لاہور کی مدد سے ایسا خلاصہ ملہ الگ تیار کیا گیا ہے جسے معمولی سائنسی علوم رکھنے والے بھی سمجھ سکتے ہیں۔ اس خلاصے سے پہلے ایک ایسا عام فہم خلاصہ ہی دیا جا رہا ہے جسے وہ لوگ بھی سمجھ سکتے ہیں جو سائنس سے قطعًا ناواقف ہیں۔

عام فہم خلاصہ

امریکہ اور اس کے سائنس دانوں نے معلوم کیا ہے کہ آج سے تقریباً ۱۵ بلین (15×10^9) سال یعنی ۱۵ ارب سال پہلے ایک زبردست حرارتی دھماکہ ہوا اور اس وقت پوری کائنات ایک ذرے کی شکل میں موجود تھی، اس کی جسامت ذرے سے زیادہ نہ تھی اور اس کی تپش ناقابلِ فہم درجۂ حرارت پر تھی۔ اس ذرے میں روشنی بھی نہ گزر سکتی تھی اور طبیعاتی قوتیں اس میں مقید تھیں۔ اس دھماکے کے بعد یہ کائنات پھیلنا شروع ہوئی۔ سائنسدانوں کا خیال ہے کہ کائنات کا یہ ذرہ ایک نور تھا اور دھماکے کے بعد جس طرح اس نور کو چاہا گیا کائنات ویسے ہی بنتی گئی (یعنی جونہی کُن کہا تو بے حد چھوٹے وقفے میں کائنات کا بننا عمل میں آگیا) سائنسدانوں نے کائنات کا بننا اور مکمل ہونا سات مرحلوں میں بیان کیا ہے اور کہتے ہیں کہ ہر مرحلے پر درجۂ حرارت کم ہوتا چلا گیا اور طبیعاتی قوتیں ایک کے بعد ایک ظاہر ہونا شروع ہوئیں۔ ان مرحلوں کے دوران کائنات کی توانائی آئن سٹائن کی مساوات $E=mc^2$ کے مطابق UARKS/ نامی مادی ذرات اور الیکٹرونز (برقیہ) میں بدلنا شروع ہوئی اور ان کے ساتھ ساتھ مخالف بار والے مادے (ANTI MATTER) ظہور میں آنے لگے۔ توانائی سے مادی ذرات اور مادی ذرات سے توانائی بننے کا عمل جاری رہا حتٰی کہ کائنات نے ایک گرم گیند کی شکل اختیار کر لی۔

یہ کائنات مزید ٹھنڈی ہوتی رہی اور پھیلتی رہی۔ مادے، مخالف آئینی عکسی مادے اور توانائی نے خمیر شدہ آٹے کی شکل اختیار کی۔ چوتھے مرحلے میں جبکہ کائنات کا پھیلاؤ بڑھ رہا تھا اور درجۂ حرارت کم ہو رہا تھا، کائنات نے نظامِ شمسی کی صورت اختیار کی جس کے مرکز میں سورج اور گرداگرد سیارے گھومنے لگے۔ ایٹم میں بھی اس نظامِ شمسی کی طرح کوارکس کے ملنے سے پروٹون (قلبیہ)

ملہ یہ خلاصہ راقم الحروف کی تصنیف "سرمایۂ ملت" میں شامل کیا جائے گا۔

اور نیوٹرونز (عدلیہ) وجود میں آئے۔

کائنات کے اس دھماکے کے تقریباً ایک منٹ بعد ایک لطیف ذرہ نیوٹرینو (NEUTRINO) باقی مادے سے الگ ہو کر آزادانہ وجود میں آگیا۔ سائنسدانوں کا مفروضہ ہے کہ نیوٹرینو اس قدر بھاری تعداد میں موجود ہیں کہ کائنات کے مادے کو بنانے میں ۹۰ فیصد مقدار ان نیوٹرینو کی ہو سکتی ہے اور جس کائنات کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں یہ نیوٹرینو کے انباروں پر اس طرح ہے جس طرح پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف جمی ہوتی ہے۔ (یعنی نظر آنے والی کائنات ہمارے مادے کا دس فیصد حصہ ہے اور اس کا بقایا ۹۰ فیصد حصہ نیوٹرینو کی شکل میں موجود ہے اور ہمیں نظر نہیں آتا) پانچویں مرحلے میں گویا دھماکے کے تین منٹ بعد درجہ حرارت 10^9 K پر تھا اور چھوٹے ذرات پر پروٹون اور نیوٹرون کی ایٹم کے مرکز میں آمیزش ہوئی لیکن مکمل آمیزش چھٹے مرحلے میں ہوئی کیونکہ اس درجہ حرارت پر الیکٹرون اتنے طاقتور رہتے کہ ان کا بندھن ایٹم کے ساتھ ممکن نہ تھا۔ دھماکے کے ساتویں مرحلے میں (ایک ارب سال بعد) درجہ حرارت ۵ اکیلون تک گر گیا اور اس دور میں کہکشاں پرے کائنات کے مخفی اجسام جو کوزر کہلاتے ہیں وجود میں آئے جن سے ریڈیائی برقی لہریں نکلنے لگیں۔ (جیوگرافیکل میگزین جون ۱۹۸۳)

ان تمام مفروضات کو صحیح اور عملی طور پر ثابت کرنے میں اور دیگر بہت سے سوالات کا جواب دینے میں ابھی کتنے سال درکار ہیں اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

ہر شے اللہ کی فرمانبردار ہے | سورہ الذاریات کی آیت ۵۶ سے معلوم ہوا کہ جنوں اور انسانوں کی تخلیق کا واحد مقصد عبادت الٰہی ہے۔ عبادت سے مقصود اللہ تعالیٰ کے سامنے انتہائی عجز و تذلل کا اظہار کرنا ہے یعنی اس کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کرنا، اپنے فرائض و واجبات کو کما حقہٗ ادا کرنا۔ یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ عبادت ان حرکات و سکنات کا نام ہے جس سے اپنا پیارا (خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم) راضی ہو جائے۔ قرآن میں اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ عام انسانوں کے سوا ہر چیز اللہ تعالیٰ سے ڈرتی ہے اور اس کے حکم کی اتباع میں اپنی بندگی کا اظہار کرتی ہے۔

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ (النور: ۴۱)

ہر ایک جانتا ہے اپنی مخصوص عبادت اور تسبیح کو۔

سورہ حشر کی آخری آیتوں میں بھی فرمایا گیا ہے کہ:۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ	(یعنی اگر ہم نے اتارا ہوتا اس قرآن کو کسی پہاڑ پر تو آپ اس کو دیکھتے کہ وہ جھک جاتا اور پاش پاش ہو جاتا اللہ کے خوف سے)

لیکن انسان پر خدا کے خوف کے آثار دیکھنے میں نہیں آتے وہ رات دن عیش پرستی میں مبتلا ہو کر خدا کو بھلائے بیٹھا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ انسانوں اور جنات کے سوا ہر مخلوق اللہ کے خوف سے ڈرتی ہے اور اس کے تابع فرمان ہے۔ سورۂ حٰمٓ السجدہ آیت ۱۱ میں ہے پھر اس (اللہ) نے توجہ فرمائی آسمان کی طرف اس وقت وہ محض دھواں تھا پس فرمایا اسے اور زمین کو کہ آ جاؤ (تعمیل حکم اور ادائے فرائض کے لئے) خوشی سے یا مجبوراً۔ دونوں نے عرض کی کہ ہم خوشی خوشی (دست بستہ) حاضر ہیں (قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ) سورہ الرعد آیت ۱۴ میں ہے کہ اللہ کے سامنے زمین اور آسمان کی ہر چیز خوشی خوشی یا مجبوراً سربسجود ہے اور اس کے تابع فرمان ہے۔

ذرا غور کریں تو معلوم ہوگا کہ سورج چاند ستارے نباتات جمادات سب اللہ کے حکم کے سامنے سربسجود ہیں۔ سورج ایک سیکنڈ کے لئے بھی نکلنے اور غروب ہونے میں تاخیر نہیں کرتا۔ آگ کو حکم ہے کہ وہ جلائے چنانچہ وہ ہمیشہ جلاتی ہے۔ گندم سے ہمیشہ گندم اور جَو سے ہمیشہ جَو اگتا ہے یہ نفوس بھی خلاف ورزی نہیں کرتے غرضیکہ دنیا کی ہر چیز وہی کرتی ہے جس کا اس کو حکم ہے سوائے انسان کے کہ وہ اپنے خالق کی نافرمانی پر رات دن کمربستہ ہے۔

نعمتوں کا نافرمانی میں خرچ

سورہ المؤمنون اور الذاریات کی درج بالا آیات میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام مخلوقات سے جدا پیدا فرمایا۔ اسے عقل و فہم، اختیار و ارادہ، خلافت اور نیابت الٰہی اور کائنات کی تسخیر کی قوت بخشی۔ یہ تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی خاص عنایات ہیں جو مخلوق میں سے کسی کو عطا نہیں کی گئیں۔ اس کے علاوہ آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا اور ان پر اپنی محبت کی نظر ڈالی ان کو اپنی صورت پر بنایا اور احسن تقویم کا رتبہ عطا فرمایا روح خداوندی کا ان میں نفخہ کیا اور ان کو مسجودِ ملائکہ بنایا انہیں تمام اسماء کا علم عطا فرمایا۔ عروج اور ارتقائی منازل طے کرنے کی صلاحیت بخشنے کے

ساتھ ساتھ انسان کے دل میں اپنی اور اپنے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ڈال۔ یہ تمام باتیں عطا فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات کا نام دیا مگر دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ عام انسان اپنی اس باکمال تخلیق کا مقصد صرف دنیا میں عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنا خیال کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ سورہ العدیات میں فرمان الٰہی ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ (بیشک انسان اپنے رب کا ناشکر گزار ہے) الکنود وہ ہوتا ہے جو نعمتوں کو نافرمانی پر خرچ کرے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ لوگ پیدا ہوتے ہیں، بڑے ہو کر تعلیم حاصل کر کے رزق کمانے کے چکر میں لگے رہتے ہیں، سن بلوغت پر شادی کرتے ہیں ان کے ہاں بچے پیدا ہوتے ہیں اور پھر عمر بھر بچوں کی پرورش میں مشغول رہتے ہیں، بوڑھے ہو جاتے ہیں اور بالآخر اس دنیا سے کوچ کر جاتے ہیں۔ انسانوں کے اس عیش پرستی میں لگے رہنے اور عمر بھر دنیا کی لگن میں رہنے کا ذکر ایک جگہ اس طرح فرمایا۔

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۗ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۗ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۗ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۙ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۙ (سورۃ التکاثر)

غافل رکھا تمہیں مال کی کثرت حاصل کرنے کی ہوس نے یہاں تک کہ تم قبروں تک جا پہنچے ہاں ہاں تم جلد جان لو گے، پھر ہاں ہاں تمہیں اپنی کوششوں کا انجام جلد معلوم ہو جائیگا، ہاں اگر تم (اس انجام کو) یقینی طور پر جانتے (تو ہرگز ایسا نہ کرتے) (اب) تم دیکھ کر رہو گے دوزخ کو، پھر آخرت میں تم دوزخ کو یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے۔

اس سورہ میں انسان کی فطرت کو اچھی طرح واضح کر دیا کہ وہ ساری عمر مال، مال اور مال کی ہی تمنا کرتا ہے حتیٰ کہ جب وہ مر کر قبر میں جاتا ہے تو اس ہوس کے چکر میں ہی جکڑا ہوا جاتا ہے لیکن جو لوگ عقل سلیم کے مالک ہیں ان کے دلوں میں اس دنیا میں بھیجے جانے کے مقصد کی ہمہ وقت آگہی رہتی ہے اور وہ احکام خداوندی کی بجاآوری سے غفلت نہیں کرتے۔

انسانوں کی حد سے غفلت اور دنیا میں بیجا انہماک کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے ان سرکش بندوں کو مخاطب کر کے سورۂ مومنون کی آیت ۱۱۵ میں فرمایا۔ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝ (یعنی کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے) انسان کے لئے یہ لمحۂ فکریہ ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے آخرت سے غافل نہ رہے۔

تخلیقِ آدم علیہ السلام

قصۂ آدم کا خلاصہ قصۂ آدم بہت دلچسپ، رنگین اور اللہ تعالیٰ کے حسین شاہکار کا قصہ ہے۔ اس قصے کی عمیق گہرائیوں پر طائرانہ نظر بھی ایک طویل داستان پر مبنی ہوگی۔ کافی اختصار کی کوشش کے باوجود یہ بیان چند صفحات پر محدود نہیں رہ سکتا۔ اس کی مختصر سی تفصیل کا علم ہونا ہر شخص کے لئے ضروری سمجھا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں پانچ سے زیادہ مقامات پر اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ (جس کے چند اقتباسات اس تحریر میں دیئے جائیں گے) جو شخص قصۂ آدم سے نابلد ہے تو گویا اسے اپنے ہی مقام سے ناشناسی اور اپنے اندر مخفی اسرار کے خزانوں کے علم سے محرومی کی شکایت رہے گی۔ قصۂ آدم پر ایک طائرانہ نظر ملاحظہ فرمائیں تاکہ اس کے مضامین کا علم ہوسکے۔

جب کچھ نہ تھا تو خدا تھا مگر اس کو پہچاننے والا کوئی نہ تھا چنانچہ اس نے چاہا کہ میں اپنی خوبیوں کے سبب پہچانا جاؤں یعنی یہ کہ میں رزاق ہوں مگر رزق کسے دوں؟ میں رحیم ہوں مگر کس پر رحم کروں؟ چنانچہ اس نے دنیا کا ایک پروگرام مرتب کیا اور پھر فرمایا کہ ہو جا۔ چنانچہ وہ تمام پروگرام ہونا شروع ہوگیا اور جب تک کائنات ہے کُنْ فَیَکُوْن کی صدائیں بلند ہوتی رہیں گی۔

اس کائنات کی تخلیق سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فخر کونین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو پیدا فرمایا اور آپ کے نور سے ۱۸۰۰۰ انواع کی مخلوقات کو پیدا فرمایا اور سب سے آخر میں حضرت آدم علیہ السلام کا ڈھانچہ مختلف جگہوں کی مٹی اور پانی سے تیار کروایا اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ہاتھوں سے آدم کو اپنی ہی شکل پر پیدا کیا۔ ابلیس جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودیاں حاصل کر چکا تھا اس وقت معلم الملکوت تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں اور جنات کو بلا کر آدم کو تخلیق کرنے اور ان کو اپنا نائب (خلیفہ) بنانے کا تذکرہ کیا اور حکم دیا کہ جب میں آدم میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اسے سجدہ کر دینا کیونکہ آدم کی ذات سے تمہیں بے شمار روحانی فیوض حاصل ہوں گے فرشتوں نے نہایت ادب سے عرض پیش کی کہ یہ خاک کا پتلا دنیا میں خون خرابا اور اخلاقی آلودگیوں میں مبتلا ہوگا (اس لئے

آپ کی خلافت کا حقدار نہیں ہو سکتا) جبکہ ہم تو ہر وقت تیری فرمانبرداری اور پاکی بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں (اس کی) وہ (خوبیاں) جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام میں اپنی روح پھونکی تو وہ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور ایک چھینک آنے پر الحمد للہ کہا کچھ دیر اللہ، اللہ، اللہ۔ لا الٰہ الا اللہ" کہہ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ فرشتوں کو سلام کیا۔ فرشتے اس بات کو دیکھ کر حیران ہو گئے کہ یہ آدم تو پیدا ہوتے ہی ذکر اور شکر میں مشغول ہو گئے ہیں لہٰذا یقیناً یہ کوئی خاص انعام یافتہ مخلوق میں سے ہے۔

فرشتوں کا وجد۔ فرشتوں کی تسلی کے لئے کہ اس مخلوق کو خلیفہ بنانے کا فیصلہ عین درست ہے اللہ تعالیٰ نے کچھ اشیاء مثلاً سورج، چاند، ستارے، درخت، سبزیاں وغیرہ کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا کہ اگر تم خود کو آدم سے بہتر خیال کرنے میں سچے ہو تو ان اشیاء کے نام بتلاؤ۔ فرشتوں کو صرف اُن باتوں کا ہی علم ہے جو ان کو (تسبیح، ذکر، تکبیر، رکوع، سجود وغیرہ کی قسم سے) بتلائی گئیں تھیں انہوں نے ان اشیاء کے نام بتانے سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا اور اپنے دعوے پر معذرت پیش کی۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق کی بلندی کچھ اس انداز پر متعین کی تھی کہ اُن کے دماغ میں ابداع و ایجاد، تحقیق اور علم الاسماء کا مادہ کوٹ کوٹ کر ڈال دیا گیا تھا (جس طرح مرغی کے بچے کو انڈے سے نکلتے ہی ٹھونگیں مارنے کا علم دیا گیا ہے) چنانچہ آدمؑ نے سب چیزوں کے نام بتلا دیئے۔ جب فرشتوں نے آدمؑ کا علم دیکھا تو وجد میں آ گئے اور حکم الٰہی کے مطابق آدم کو سجدہ کر دیا (اس سجدے کی مدت کافی لمبی تھی) مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا۔ جب فرشتوں نے سجدے سے سر اُٹھایا تو دیکھا کہ ابلیس کے گلے میں لعنت کا طوق ڈال دیا گیا ہے اور اُس کی شکل بھی مسخ کر دی گئی ہے۔ (اس دنیا میں بھی گستاخوں اور نافرمانوں کی شکلیں مسخ کر دی جاتی ہیں۔) تو انہوں نے ایک اور سجدہ شکرانے کے طور پر کر دیا (چنانچہ ہماری نماز میں دو سجدے ہی رکھے گئے ہیں)

انکار ابلیس۔ ابلیس سے سجدہ نہ کرنے کی وجہ دریافت کی گئی تو بجائے اپنی غلطی اور سرکشی کو تسلیم کرنے کے اُس نے اس نافرمانی کو خدا کی مشیت پر ڈال دیا اور یہ بھی کہا کہ میرا ناری وجود آدم کے خاکی وجود سے افضل ہے، اس لئے میں آدم کو سجدہ نہیں کر سکتا اور (نعوذ باللہ من ذالک) اس نے بے دریغ کہہ دیا کہ اے خدایا! میری یہ گمراہی تیری وجہ سے ہے۔ شیطان کی اس بات کو علامہ نے

یوں بیان کیا ہے ؎

حرفِ استکبار تیرے سامنے ممکن نہ تھا
ہاں مگر تیری مشیت میں نہ تھا میرا سجود

اس پر حضرت یزداں سے یہ جواب ملا ؎

پستیٔ فطرت نے سکھلائی ہے یہ حجت اسے
کہتا ہے تیری مشیت میں نہ تھا میرا سجود
دے رہا ہے اپنی آزادی کو مجبوری کا نام
ظالم اپنے شعلۂ سوزاں کو خود کہتا ہے دُود (دھواں)

ابلیس کو اس نافرمانی پر جنت سے نکل جانے کا حکم ہوا اور اس کا شمار کافروں میں سے کیا جانے لگا۔ لیکن جنت سے نکلنے کے وقت اس نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ اے خدائے بزرگ و برتر اگر تو مجھے قیامت تک مہلت دیدے تو میں تیرے ان بندوں کو، جن کی خاطر تو نے مجھے جنت سے رسوا کر کے نکالا ہے گمراہ کر دوں گا اور تو دیکھے گا کہ چند مخلص بندوں کے سوا باقی سب تیری زمین پر تیری نافرمانی پر کمربستہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جا تجھے مہلت دی گئی اور ان کو گمراہ کرنے کی طاقت بھی دی گئی مگر میرے مخلص بندوں پر تیرا ذرہ برابر بھی زور نہیں چلے گا۔ اور جو تیری گمراہ کاریوں میں آگئے میں ان سب کو تیرے ساتھ دوزخ میں دھکیل دوں گا۔ ہاں تمہیں میری طرف سے پوری طاقت دی جاتی ہے کہ ان پر ہر طریقے سے حملے کر، اپنی فوج استعمال کر اور ان کو شریک کر مال و دولت اور اولاد میں اور ان سے وعدے کر۔ بے شک شیطان تیرے سب وعدے دھوکے کے سوا اور کچھ نہیں ہوں گے۔

جنت سے خروج۔ اللہ تعالیٰ نے جنت میں بی بی حوا کو پیدا فرمایا اور آدم علیہ السلام کے لئے جنت میں رہنے کا ساتھی بنا دیا۔ دونوں کو حکم دیا کہ جنت کے تمام میوے کھائیں مگر اس (گندم) کے درخت کے نزدیک نہ جائیں۔ ابلیس نے جنت میں آدمؑ سے (دیوارِ جنت سے باہر کھڑے ہو کر) کہا کہ اے آدم مجھے آپ سے بہت ہمدردی ہے۔ اور رحم بھی آتا ہے کہ خدا نے آپ کو اس شجرِ جنت (گندم) سے محروم کر دیا ہے حالانکہ اس درخت کے کھانے میں یہ تاثیر ہے کہ تم ہمیشہ

فرشتے بن جاؤ گے یا ہمیشہ ہمیشہ جنت کے باسی بن جاؤ گے۔ ابلیس قسمیں کھانے لگا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ اور اصرار کیا کہ اس درخت کو چکھ لو۔ آدمؑ نے بات نہ سُنی تو اُس نے حضرت حوّا کو اس بات پر رضامند کر لیا کہ اس شجرِ خلد کو کھا لیں حضرت حوّا نے آدمؑ کو بھی رضامند کر لیا۔ جونہی دونوں نے اس درخت کو چکھا تو جنت کا لباس اُن کے جسموں سے اُتر گیا اور جنت کے پتوں سے اپنے جسموں کو ڈھانپنے لگے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ندا فرمائی کہ اے آدم کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہ فرمایا تھا اور یہ نہیں کہا تھا کہ یہ شیطان تم دونوں کا دشمن ہے؟ آدمؑ نے شرم سے سر کو جھکا دیا اور عرض کیا۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (الاعراف ۲۳)

(دونوں نے عرض کیا) اے ہمارے پروردگار ہم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر اور اگر نہ بخشش فرمائے تو ہمارے قصے اور نہ رحم فرمائے ہم پر تو یقیناً ہم نقصان اٹھانے والوں سے ہو جائیں گے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہوا کہ اب تم زمین پر جاؤ اور اگر وہاں تم اور تمہاری اولاد نیک عمل کرو گے تو پھر دوبارہ جنت الفردوس عطا کر دی جائے گی۔ دنیا میں تم شیطان کی فریب کاریوں سے بچتے رہنا۔

اس دانے کے کھانے کے بعد آدمؑ کو سراندیپ (سری لنکا) کی پہاڑیوں میں اور حضرت حوّا کو جدہ میں نازل کر دیا گیا۔ تین سو سال آہ وزاری اور توبہ استغفار کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی اور دونوں کی ملاقات عرفات کے میدان میں ہوئی۔ اس کے بعد اس دنیا میں ان کی نسل کی افزائش ہوئی اور وہ ہوا جو آپ نے سنا اور دیکھا۔ علامہ اقبالؒ نے ابلیس کے گمراہ کن حربوں کا ذکر اپنے کلام میں دلچسپ انداز سے کیا ہے جس کے لئے کلیاتِ اقبالؒ کا مطالعہ کیا جائے۔

اس واقعہ میں ہمیں جو سب سے بڑا سبق دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ شیطان کو چونکہ جنت سے رسوا کر کے نکالا گیا تھا۔ اس لئے وہ اولادِ آدم کو لالچ، ہوس اور حرص کی چکی میں پیس دینا چاہتا ہے اور ان کو مال وجان، اولاد، عزت کا فریب دے کر گمراہ کرنے میں مصروف رہتا ہے تاکہ وہ خدا کی یاد سے غافل ہو جائیں۔ آئندہ اوراق میں اس واقعہ کی کچھ تفصیل بیان کی

جا رہی ہے تاکہ اس معاملے کی مکمل تفصیل معلوم ہو سکے اور شیطان کے ہتھکنڈوں سے بچا جا سکے۔ اس بیان کے آخر میں چند دُہ مفید باتیں بھی درج کی گئی ہیں جن کی وجہ سے شیطان کے حربوں سے بچنے کی راہ آسان ہو جائے۔ اگر اس تحریر کا بغور مطالعہ کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ شیطانی حملوں سے محفوظ نہ رہا جا سکے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيق۔

قرآن میں قصہ آدم کا ذکر

قرآن کی یہ خوبی ہے کہ جو چیز زیادہ اہم ہو اُس کو بار بار بیان کیا جاتا ہے۔ قرآن میں اس قصۂ آدم کا تفصیلی ذکر پانچ بار آیا ہے چونکہ یہ تفصیل کافی طویل ہے اس لئے ہر بیان کے خصوصی نکات ہی بیان کئے جائیں گے

(۱) پہلی بار سورہ بقرہ میں آیت ۳۰ سے لیکر ۳۹ تک تخلیقِ آدم کی تفصیل کم و بیش وہی ہے جو "قصۂ آدم کا خلاصہ" کے عنوان سے بیان کی جا چکی ہے۔

(۲) دوسری بار یہ قصہ سورہ الاعراف میں آیت ۱۱ سے لے کر ۲۷ تک بیان ہوا ہے۔ اس میں ابلیس کا قول ہے "اے خدا یا تو نے مجھے اپنی رحمت سے مایوس کر دیا ہے تو اب میں ضرور انسانوں کو گمراہ کرنے کے لئے اُن کی تاک میں بیٹھوں گا اور پھر میں ضرور آؤں گا ان کے پاس (بہکانے کے لئے) اُن کے آگے سے اُن کے پیچھے سے اور اُن کے دائیں اور بائیں طرف سے اور تو اُن میں سے اکثر لوگوں کو شکر گزار نہ پائے گا" چنانچہ اس کو جنت سے ذلیل کر کے نکال دیا گیا اور آدمؑ اور ان کی زوجہ کو جنت میں رہنے کیلئے حکم دیا گیا اور ایک خاص درخت کے پاس جانے سے روک دیا اس کے بعد پورا قصہ ذکر کیا گیا اور آخر میں اولادِ آدم کو شیطان سے خبردار رہنے کیلئے کہا گیا ہے۔

(۳) تیسری بار ۔ سورہ الحجر میں آیت ۲۶ سے لے کر آیت ۴۴ تک قصہ آدم کا ذکر ہوا ہے۔ ان آیات میں ابلیس کا یہ قول موجود ہے کہ اس نے رب تعالیٰ سے یہ کہا کہ چونکہ تو نے مجھے بہکا دیا لہٰذا میں بُرے کاموں کو زمین والوں کے لئے ضرور خوشنما بنا دوں گا اور ضرور گمراہ کروں گا۔ ان سب کو، ان بندوں کے سوا جنہیں اُن میں سے چن لیا گیا ہے (قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ مخلص لوگوں کا راستہ ہی میری طرف آنے کا سیدھا راستہ ہے اور میرے ایسے بندوں پر تیرا کوئی بس نہیں چلتا۔

(۴) چوتھی بار: سورہ بنی اسرائیل آیت ۶۱ سے لے کر آیت ۶۵ تک آدم کے قصہ کو بیان کیا گیا ہے۔ آیت ۶۲ میں ہے کہ ابلیس نے کہا "اے اللہ تعالیٰ مجھے بتا کر آدم کو کیوں تونے فضیلت دی ہے۔ اگر تو مجھے مہلت دے قیامت تک "تو جڑ سے اکھاڑ پھینکوں گا اس کی اولاد کو چند افراد کے سوا" (لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا) اُس کی اس بات پر فرمایا۔

قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۝ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ اِنَّ عِبَادِیْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۭ

(بنی اسرائیل: ۶۳، ۶۴، ۶۵)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جا چلا جا، (جو مرضی ہو کر، سو جو ان میں سے تیری پیروی کرے گا تو بیشک تم سب کی پوری پوری سزا جہنم ہے اور گمراہ کرنے کی کوشش کر جن کو تو گمراہ کر سکتا ہے ان لوگوں میں سے اپنی آواز (کی فسوں کاری) سے اور اُن پر حملہ کر اپنے گھوڑ سواروں اور پیادہ دستوں کے ساتھ اور شریک ہو جا ان کے مالوں میں اور اولاد میں اور ان سے (جھوٹے) وعدے کرتا رہ اور وعدہ نہیں کرتا ان سے شیطان مگر مکر و فریب کا (یاد رکھ) جو میرے بندے ہیں اُن پر تیرا غلبہ نہیں ہو سکتا (ذرا برابر بھی)۔

(۵) پانچویں بار قصہ آدم کو سورہ طٰہٰ کی آیات ۱۱۵ تا ۱۲۴ میں بھی بیان کیا گیا۔ ان آیات کی ابتداء میں اس بات کو واضح کر دیا کہ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝ (آیت ۱۱۵) [اور ہم نے حکم دیا تھا آدم کو اس سے پہلے (کہ وہ اس درخت کے قریب نہ جائیں) سو وہ بھول گیا اور نہ پایا ہم نے (اس لغزش میں) اس کا کوئی قصد] اس کے بعد اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو ابلیس کی دشمنی سے خبردار کر دیا تھا کہ کہیں وہ اُن کو جنت سے نکال کر مصیبت میں نہ ڈال دے۔ اور بتایا کہ جنت میں تو نہ بھوک اور نہ ننگ ہے اور نہ پیاس ہے اور دنیا میں سراسر مشقت ہے ابلیس نے وسوسے ڈال کر وہ شجر خلد کھلوا دیا اور جنت سے نکلوا دیا۔ آیت ۱۲۴ میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ جس نے میری یاد (نماز روزہ وغیرہ) سے منہ پھیرا تو اس کیلئے زندگی کا جامہ تنگ کر دیا جائیگا اور قیامت میں اندھا اٹھائیں گے (وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً

ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى (طٰه ۱۲۴) اور ایسا شخص کہے گا کہ الٰہی مجھے اندھا کیوں اٹھایا ہے جبکہ میں دنیا میں بینا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ دنیا میں تمہارے پاس ہماری نشانیاں آئی تھیں سو تو نے ان کو بھلا دیا اور آج اسی طرح تجھے فراموش کر دیا جائے گا۔

ان آخری آیات میں صاف صاف بیان کر دیا گیا ہے کہ جو لوگ میری یاد سے غافل رہیں گے تو ان کو طرح طرح کے عذاب اور مصائب پہنچتے رہیں گے۔ کبھی مال و دولت ہی عذاب بن جاتا ہے اور کبھی غربت کسی کی ذلت کا باعث ہوتی ہے۔ بیماریاں، مقدمہ بازی، آفات نقصانات، بے چینیاں عموماً ان لوگوں کو پہنچتی ہیں جو خدا کی بغاوت پر آمادہ رہتے ہیں۔

پیدائش آدم ترمذی اور ابوداؤد میں مذکور ہے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق کے لئے مختلف قسم کی مٹی (سیاہ، سرخ، سفید، نرم، سخت، کھاری، عمدہ، خراب) کو جمع کیا اور اس کو پانی سے گوندھ کر خمیر تیار کیا۔ سورہ الحجر میں ہے کہ انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے بنایا جو کہ اصل میں بدبودار گارا تھا۔

فرشتوں نے اور سب سے زیادہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے، اس کام میں حصہ لیا کیونکہ ان کو بتایا گیا تھا کہ انسان سے فرشتوں کو فیوض حاصل ہوں گے۔ حضرت عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ نے تبریز میں لکھا ہے فرشتوں اور جنوں نے دس دن میں مٹی کو جمع کیا، بیس دن کے لئے اس کو پانی میں چھوڑے رکھا حتیٰ کہ وہ مٹی سے منتقل ہو کر جمیعت کی طرف آگئے۔ یہ تمام کام تین ماہ رجب، شعبان اور رمضان میں مکمل ہوا۔ پھر اسے جنت کی طرف لایا گیا اور جنت میں ہی اُن میں روح پھونکی گئی۔ جس مٹی سے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا، اس کے قریب کی مٹی سے حیوانات و نباتات وغیرہ بھی پیدا کئے گئے۔ آدم علیہ السلام کی قریب کی مٹی سے انگور، زیتون، کھجور اور انجیر بھی پیدا کئے۔ (کھجور کو اسی لئے آدم کی پھوپھی بھی کہا جاتا ہے)۔

تفسیر عزیزی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تیار کردہ مٹی کو وہاں پر رکھوایا۔ جہاں آج کل خانہ کعبہ ہے۔ اس پر چالیس دن بارش ہوئی۔ انتالیس دن غم و رنج کا پانی برسا اور ایک دن خوشی کا پانی برسا۔ جب یہ مٹی خشک ہوئی تو کھنکھنانے لگی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس مٹی کو مکہ اور طائف کے درمیان وادی نعمان میں عرفات کے پہاڑ کے قریب رکھا گیا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے خاص اپنے دست قدرت سے آدم علیہ السلام کا قالب بنایا اور اس کو وہ صورت عطا کی جو

فرشتوں نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ فرشتے تعجب سے آدم کے آس پاس پھرتے تھے اور اس کی خوبصورتی سے حیران تھے اور کیوں نہ ہوتے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر ہی بنایا تھا۔ علامہ اقبال" فرماتے ہیں کہ ہم اگر کوئی چیز بنائیں تو اس میں ہماری شخصیت نظر آتی ہے۔

تراشیدم صنم برصورتم خویش بشکل خود خدا را نقش بستم

(میں بتوں کو اپنی صورت پر تراشتا ہوں - اور خدا کا نقش باندھتا ہوں تو اپنی صورت پر)

ابلیس کو جس کا نام عزازیل تھا، حضرت آدم کی پیدائش اور خلافت کا علم ہو چکا تھا۔ وہ بھی حضرت آدم کے قالب کو دیکھنے آیا اور فرشتوں سے کہا کہ تم اس پر تعجب کرتے ہو یہ تو اندر سے ایک خالی جسم ہے جس میں جگہ جگہ سوراخ ہیں۔ اس کی کمزوری کا یہ حال ہے کہ اگر بھوکا ہو تو گر پڑے اگر خوب سیر ہو تو چل پھر نہ سکے اس خالی قالب سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ پھر بولا کہ ہاں اس کے سینہ میں بائیں طرف ایک بند کوٹھڑی (دل) ہے۔ ہمیں خبر نہیں کہ اس میں کیا راز ہے، شاید یہی لطیفہ ربانی کی جگہ ہو جس کی وجہ سے یہ خلافت کا حقدار ہوا۔

روایات میں ہے کہ انسان کی روح کو جب داخل ہونے کو کہا گیا تو وہ ڈرنے لگی اور اس تاریک مقام میں گھستے سے گھبرانے لگی۔ اس پر نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو آدم علیہ السلام کے اندر داخل کیا گیا تو روح بلا جھجک داخل ہو گئی۔ روایات میں ہے کہ جب مٹی کو حضرت آدم کی تخلیق کے لئے جمع کیا گیا۔ تو زمین نے مٹی دینے کے لئے فرشتوں کو انکار کر دیا۔ کہ وہ انسان کا جسم بننے کے لئے تیار نہیں۔ زمین کی اس منت سماجت کو سن کر فرشتے واپس آتے رہے۔ آخر کار عزرائیل علیہ السلام کو بھیجا گیا تو انہوں نے زمین کی ایک نہ سنی اور زبردستی مٹی اٹھا کر لے آئے (کہا جاتا ہے کہ عزرائیل علیہ السلام کو بندوں کی روحیں قبض کرنے پر اسی لئے متعین کیا گیا ہے کہ وہ کسی کے رونے دھونے کی پروا نہیں کرتے اور جان قبض کر کے لے جاتے ہیں)۔

حضرت آدم علیہ السلام میں جب روح ڈالی گئی تو اسماء کا مشاہدہ اس وقت ہوا جب آپ نے اپنا ایک پاؤں زمین پر رکھا اور دوسرے پاؤں کا گھٹنا زمین پر ٹیکے ہوئے تھے۔ آپ اس قدر کمزور تھے کہ آپ کا اٹھنا مشکل محسوس ہو رہا تھا۔ جب روح کمر تک پہنچی تو آپ نے اٹھنا چاہا لیکن گر پڑے کیونکہ ٹانگوں تک ابھی روح داخل نہیں ہوئی تھی۔ اس

لئے کہا خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ (انسان کو جلد باز پیدا کیا گیا ہے) جب آپ کو اسماء کا مشاہدہ حاصل ہوا تو آپ کی زبان سے اللہ ۔ اللہ ۔ اللہ ۔ لا الٰہ الا اللہ نکلا۔ اس پہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے قوت عطا فرمائی جس سے آپ سیدھے کھڑے ہو گئے اور جنت میں چلے گئے جہاں چاہتے جاتے۔ جنت میں چلنے پھرنے لگے تو حکم ہوا کہ فرشتوں کے پاس جا کر اُن کو سلام کہو اور سنو کہ وہ تمہیں کیا جواب دیتے ہیں۔ تب آدم علیہ السلام نے وہاں جا کر السلام علیکم کہا۔ فرشتوں نے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ سے جواب دیا۔ ارشاد ہوا کہ یہی الفاظ تمہاری اولاد کے لئے مقرر کئے گئے۔ آدم علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے مولا میری اولاد کون؟ تب ان کی پشت پر دست قدرت پھیر کر ساری انسانی روحیں نکالیں اور آدم علیہ السلام کو دکھائی گئیں اور اُن میں سے کافر مومن منافق۔ قطب۔ اولیاء اور انبیاء دکھائے گئے (احادیث)

روحوں کا وعدۂ الست وعدۂ الست سے پہلے روحیں اپنے مقامات میں تھیں اس وقت تک انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ ان کے متعلق اللہ کا کیا ارادہ ہے جب اللہ تعالیٰ نے اپنی قیاسئے ازلی کو ظاہر کرنا چاہا تو اسرافیل کو صور پھونکنے کا حکم دیا اور تمام روحیں جمع ہو گئیں۔ ان میں وہ کیفیت پیدا ہو گئی جو قیامت کے دن مردوں کو زندہ کرنے سے پیدا ہو گی۔ روحوں کے جمع ہونے پر اللہ نے اپنا بلا کیف خطاب فرمایا اور کہا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) اہل سعادت نے خوشی خوشی اپنے رب کے حکم کا جواب دیا اور بلیٰ کہا جس طریقے سے انہوں نے جواب دیا اُن کی کیفیت اُسی کے مطابق ہو گئی۔ نیک اور بد میں امتیاز ہو گیا۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ فلاں کا تعلق فلاں سے ہو گا۔ اور فلاں سے کٹ جائے گا۔ بدبخت روحوں نے جب اللہ کا خطاب سُنا تو وہ کبیدہ خاطر ہو گئیں اور با دلِ ناخواستہ جواب دیا۔ وہ اس طرح بھاگیں جس طرح شہد کی مکھیوں کو دھونی دی جائے تو وہ ڈرتی ہیں۔ اس لئے انہیں ذلت اور خواری حاصل ہوئی۔ اُن کے نور تاریک ہو گئے۔ اُس وقت سے مومن میں اور کافر میں امتیاز ہو گیا۔ اور برزخ میں روحوں کے مقام کا تعین کر دیا گیا۔ اس سے پہلے روحیں جہاں چاہتیں تھیں قیام کر لیتی تھیں۔ اہل مشاہدہ ان روحوں کو اب بھی الگ الگ دیکھ سکتے ہیں۔ جن روحوں نے خطابِ الٰہی کا جواب نہ دیا اُن کو محروم کر دیا گیا۔ یہ شہادت اِس لئے طلب کی گئی کہ کل قیامت کے روز کافروں کی رو میں

یہ نہ کہیں کہ ہم نے اپنے والدین کی پیروی کی وجہ سے شرک کیا اور یہ نہ کہیں اللہ تعالیٰ نے ہم کو ان باطل پرستوں کے سبب ہلاک کیا ہے (العزیز)

حضرت حواؑ کی پیدائش | آدم علیہ السلام جنت میں تنہا رہتے اور تمنا کرتے کہ میرا کوئی ہم جنس ہو۔ دوسرے جمعہ کے دن جب آپ سو رہے تھے تو فرشتوں نے حضرت کی دائیں پسلی چاک کی جس سے آپ کو تکلیف نہ ہوئی اور اس سے آناً فاناً ایک نہایت خوبصورت عورت نکلی۔ تفسیر عزیزی میں کافی طویل گفتگو نقل کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتوں کی گواہی پر ان کا نکاح ہوا اور حق مہر میں دس بار درود شریف پڑھا گیا۔ کچھ روایات میں ہے کہ آپ کی پسلی میں درد ہوا اور آدمی کے سر جتنا ایک پھوڑا بن گیا اور یہ پھٹ کر ایک چھوٹا سا ڈھانچہ زمین پر گر گیا جس کی نشوونما ہوتی رہی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ ڈھانچہ بہت جلد بڑا ہو گیا اور اس نے حضرت آدم علیہ السلام سے کلام کرنا شروع کر دیا۔

حوّا کا لفظ حیّ سے بنا جس کے معنی زندہ کے ہیں۔ چونکہ یہ زندہ انسان سے پیدا ہوئیں اور ہر زندہ انسان کی والدہ ہیں اس لئے حوّا کہلائیں۔ حوّا کا لفظ حوط سے بھی کہا جاتا ہے۔ حوط کے معنی سرخی مائل سیاہی ہے اور حوّا کے ہونٹوں کا رنگ بھی ایسا ہی تھا یا ان کا قد ۶۰ ہاتھ تھا۔ ان کی عمر ۹۰۹ سال تھی۔ آدم علیہ السلام کے بعد ساڑھے سات سال زندہ رہیں (روح البیان)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت یہ ہے کہ حضرت حوّا کو زیورات سے آراستہ کیا اور دونوں کو جنت میں پہنچایا گیا تاکہ وہاں کے انوار سے سیراب کیا جائے۔ یہاں عام میوہ جات کے کھانے کی اجازت تھی مگر صرف ایک درخت سے منع کیا گیا تھا۔

فرشتے | ملك کا مادہ الك ہے۔ جس کے معنی ارسال کرنا ہے اور ملوکہ کا معنی پیغام بھیجنا ہے اور ملئکہ کے معنی قاصد ہیں۔ بعض کم فہم لوگوں نے فرشتوں کا انکار کیا اور کہتے ہیں فرشتوں سے مراد نیک آدمی، قوائے عالم یا ملکۂ نبوت ہے۔ فرشتے انسانوں اور جنوں سے الگ ایک مستقل مخلوق ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بڑے امور اور احکام قدرت کی تدبیر اور تنفیذ کے لئے مقرر فرمایا ہے یہ معصوم ہیں اور گناہوں سے پاک ہیں کیونکہ ان کو نفسانی خواہشات کا مادہ نہیں دیا گیا۔ چونکہ خواہشات کی مخالفت کی وجہ سے درجات بڑھتے ہیں اسلئے جو فرشتہ جس درجے پر بھی فائز

کیا گیا ہے قیامت تک اسی درجے پر رہے گا۔ ان کا وجود سراسر نور ہے۔ اس لئے ظلم فساد اور فتنہ ریزی پر ان کو ملکہ نہیں۔ یہ اللہ کی عبادت کرتے رہتے ہیں اور اس سے بالکل تھکتے نہیں بیضاوی میں ہے کہ یہ اپنی لطافت کی وجہ سے اپنی شکلیں بدلنے کی قدرت رکھتے ہیں (نعیمی)

تفسیر روح البیان میں ہے کہ انسان جنوں کا ۱/۱۰ حصہ ہیں اور وہ خشکی کے جانوروں کا ۱/۱۰ حصہ اور وہ دریائی جانوروں کا اور وہ زمین کے فرشتوں کا اور وہ علی الترتیب پہلے آسمان کے فرشتوں سے لے کر ساتویں آسمان کے فرشتوں اور وہ کرسی کے فرشتوں اور وہ عرش اعظم کے چھ لاکھ پردوں میں سے ہر پردے کے فرشتوں کا دسواں حصہ ہیں اور یہ سب عرش اعظم کے فرشتوں کے آگے ایسے ہیں جیسے دریا کے مقابلے میں قطرہ۔ اُن کی تعداد اللہ ہی جانتا ہے۔

فرشتوں کی اقسام ان کی اقسام بہت ہیں مثلاً عرش کو اٹھانے والے، اس کے گرد گھومنے والے، جلیل القدر فرشتے (جبرائیل وغیرہ) مقرب فرشتے، جہنم و جنت کے فرشتے، انسانوں کی حفاظت کرنے والے، اعمالنامہ لکھنے والے، امور دنیا کے فرشتے، (بارش) پانی برسانے والے، بچہ بنانے والے، انسانوں کی مدد کرنیوالے فرشتے وغیرہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اگر کوئی جنگل میں پھنس جائے تو آواز دے۔ اَعِیْنُوْنِیْ عِبَادَ اللّٰہِ یَرْحَمُکُمُ اللّٰہ (اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو اللہ تم پر رحم کرے۔)

حضرت آدم علیہ السلام کے جسد مبارک میں روح پھونکنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے گفتگو کی کہ میں دنیا میں ایک خلیفہ (نائب) مقرر کرنا چاہتا ہوں اور جب میں ایسا کروں تو تم اسے سجدہ کر دینا۔

سجدۂ آدم کی غرض کیا تھی ابن عباسؓ کی روایات میں ہے کہ یہ سجدہ نہ تھا بلکہ صرف جھکنے کا اظہار تھا۔ امام آلوسیؒ نے بھی یہی لکھا ہے۔ بعض مفسرین کا خیال تھا کہ یہ سجدہ توجہ تھا اور زمین پر سر رکھ دینا تھا اور آدم علیہ السلام مسجود الیہ تھے چنانچہ قرطبی نے لکھا کہ اللہ کا فرمان تھا اُسْجُدُوْا اِلٰی مُسْتَقْبِلِیْنَ اِلٰی وَجْہِ اٰدَمَ یعنی اے فرشتو! آدم کی طرف چہرہ کر کے مجھے سجدہ کرو۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ بیشک آدم تمام فرشتوں سے علم کی وجہ سے افضل تھے کیونکہ جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر نہیں ہو سکتے۔ فرماتے ہیں کہ یہ سجدہ فضیلت آدمؑ کے

اعتراف کے طور پر تھا اور جو انہوں نے آدمؑ کے متعلق خیال آرائیاں کیں تھیں اس کی معذرت کے طور پر سجدہ کرنے کا حکم تھا۔ لیکن اگر سجدہ توجہ خیال کیا جائے جس کا مطلب یہ ہوا کہ سجدہ اللہ تعالےٰ کو تھا اور آدم قبلہ بنائے گئے تھے تو یہ دلیل ضعیف ہے کیونکہ اس میں آدم علیہ السلام کی فضیلت واضح نہیں ہوتی۔ جب کسی کو مسجود الیہ مان لیا جائے تو مسجود الیہ کا ساجد سے افضل ہونا ضروری نہیں جیسے کعبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ تھا مگر آپ درجے میں کعبے سے افضل تھے۔ (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے وہ ذرات جو آپ کے جسم کے ساتھ مس ہیں ہر چیز سے افضل ہیں حتیٰ کہ عرش سے بھی افضل ہیں۔ (مدارج النبوت) ایک مسلمان کا تو بھی ایک حدیث کے مطابق کعبہ سے افضل ہے۔

قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ یہ سجدہ آدمؑ کی تعظیم و تکریم اور اظہار فضیلت کے لئے تھا۔ ابن جریر اور صاحب معالم التنزیل نے بھی یہی لکھا ہے۔ بہرکیف یہ سجدہ عبادت کا نہ تھا کیونکہ اگر یہ سجدہ خدا کو ہوتا اور آدم محض قبلہ ہوتے تو شیطان اس سے انکار نہ کرتا۔ اس کے بعد سجدہ نہ کرنے کی وجہ یہی تھی کہ اس نے خود کو آدم سے بہتر سمجھا (اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ) ایک اور جگہ بھی اس کا ذکر ہے کہ اس نے کہا ھٰذَا الَّذِیْ کَرَّمْتَ عَلَیَّ کہ یہ انسان ہے جس کو تو نے مجھ پر کرامت اور فضیلت دی (یہ آیت بھی ایسی فضیلت کو وجہ سجدہ ثابت کرتی ہے)

علم الاشیاء سے مراد آدم علیہ السلام کے لئے عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کا لفظ آیا ہے یعنی ان کو تو مکمل علم دیا گیا لیکن فرشتوں سے کہا کہ چلو تم ان چیزوں کی خبر ہی دیدو یہاں اَنْۢبِـُٔوْنِیْ کا لفظ آیا ہے جو عَلَّمَ سے ادنیٰ ہے۔ آدم کے لئے اَسْمَآءَ کُلَّهَا تھا (یعنی تمام چیزوں کے نام اور یہاں بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ کہا گیا یعنی جو چیزیں سامنے ہیں انکے نام ہی بتادو۔ اَسْمَآء اسم کی جمع ہے جس کے معنی وہ لفظ یا علامت ہے جس سے کوئی چیز پہچانی جائے۔ علماء نے اس سے مراد ملائیک کے نام یا نسل آدم کے نام یا لغات کا علم یا اسمائے الٰہی کا علم لیا ہے۔ بعض مفسرین نے اس سے علم مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ یعنی اُن تمام اشیاء کا علم جو اس وقت کائنات میں تھیں اور قیامت تک آنیوالی تھیں، مراد لیا ہے۔

قرطبی نے ہر چھوٹی بڑی چیز کا علم لکھا ہے احادیث میں اس سے مُراد ہر شے کا علم لیا گیا ہے۔

عَلَّمَ کا معنی آہستہ آہستہ علم دینا ہے۔ آدم کو ایمانیات کا علم ان کی پیدائش سے پہلے ہی دیا ہوا تھا۔ جیسے کہ مُرغی کا بچہ انڈے سے باہر نکلتے ہی ٹھونگیں مارنا شروع کر دیتا ہے یا انسان کا بچہ دودھ پینا شروع کر دیتا ہے۔ چنانچہ آدم علیہ السلام کو پیدا ہوتے ہی جب چھینک آئی تو آپ نے الحمد للہ کہا جس میں خدا کی ذات اور صفات کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ ساق عرش پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ، لکھا ہوا حضرت آدمؑ نے پڑھ لیا اور اس کا مطلب بھی سمجھ لیا۔

امام راغب اصفہانیؒ نے لکھا ہے کہ اشیاء کا صرف نام بتانا ہی کوئی کمال نہیں بلکہ آدمؑ کو ان کے صفات وخواص وافعال کی معرفت بھی عطا کی گئی تھی۔ کیونکہ دنیا میں آکر انہوں نے خلیفہ کے فرائض انجام دینا تھے اور محض ناموں کا جاننا کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ تفسیر البیضاوی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی مختلف اجزاء اور متفرق قویٰ سے پیدا کیا۔ اس میں یہ صلاحیت اور استعداد رکھی گئی کہ وہ طرح طرح کے مدرکات کو خواہ وہ عقل سے جانے جاسکتے ہوں یا حواس سے یا تخیل یا قوت واہمہ سے، اپنے علم میں لاسکے۔ سائنسدانوں کا خیال ہے کہ انسان کے علم میں یہ ملکہ تھا کہ جس سے وہ طرح طرح کی چیزیں تیار کر سکے جیسے ریڈیو، ٹی وی جہاز، راکٹ وغیرہ۔

علماء نے عَلَّمَ پر بہت طویل گفتگو کی ہے اور لکھا ہے کہ آدم کے علم کی حد مقرر نہیں کی جاسکتی اور اس میں بے بہا علوم شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ انسانوں کیلئے چھوڑ دیا کہ اس پر غور کریں۔ تفسیر روح البیان میں ہے کہ آدمؑ کو سات لاکھ زبانوں کا علم تھا۔ اور ایک ہزار پیشوں میں خوب ماہر تھے۔ شہروں، گاؤں، جانور، پرند، چرند وغیرہ کا علم بھی شامل ہے مگر یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم ما کان وما یکون کے مقابلہ میں ایک قطرہ بھی نہ تھا۔

فساد کیساتھ علم وآگہی حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ خیر وکمال کے ساتھ نقص بھی چاہیئے۔ حسن وجمال کے لئے نقص کا آئینہ درکار ہے اور آئینہ شے کے مقابل ہوتا ہے لہٰذا خیر کے لئے شر اور کمال کے لئے نقص کا آئینہ ضروری ہے۔ ہر وہ شے جس میں نقص اور شرارت زیادہ ہو گی وہ خیر اور کمال کی نمائندگی بھی زیادہ کرے گی۔ اس طرح

ذم نے مدح کے معنے پیدا کر دیئے اور یہ شر، خیر و کمال کا محل بن گیا۔ اسی لئے مقامِ عبدیت تمام مقامات سے بلند ہے کیونکہ یہ معنی عبدیت میں اتم اور اکمل ہیں۔ یہ مقام محبوبوں کے لئے خاص ہے۔

اگر انسان کو فساد اور خونریزی کے ساتھ علم اور آگہی نہ دی جاتی تو وہ فساد اور ظلم کا منبع قرار دیا جاتا لیکن منشائے الٰہی تھا کہ یہ جنگ و جدال کے باوجود شر کی طاقتوں کے خلاف تیر د آسما ہوگا اور ظلم و استیصال کے خاتمہ کے لئے انقلابی جدوجہد کرے گا اور اعلائے کلمۂ حق کی خاطر جان کی بازی بھی لگا دے گا۔ جو کفر میں تیز ہوتا ہے وہی اسلام میں بھی تیز ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نازیبا حرکت کرنیوالوں کے لئے تلوار سونت لیتے تھے غازی علم دین شہید نے ایک لحظہ میں راج پال کی گردن آزادی پاکستان کی تعبیر میں اُن غنڈوں اور فتنہ و فساد کرنے والوں نے اپنے علاقوں سے ہندوؤں کو نکال باہر کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر خونریزی اور جنگ و جدال کسی قوم میں موجود نہ ہو تو اُن کی شخصیت دائمی طور پر ناقص رہ جاتی ہے اور پسماندہ قوموں میں اُن کا شمار ہوتا ہے۔ اسی لئے جہاد کو اسلام میں ایک ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عرب کی جاہل قوم پر جب خیر و شر میں تمیز کا فرق ظاہر کیا تو وہ دنیا میں سب سے بہترین قوم بن گئی۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر یہ ظاہر فرمایا کہ اے فرشتو تم کامل عابد ہو اور انسان کامل عالم ہے۔ عابد کے لئے محراب ہے اور عالم کے لئے خلافت کا تخت و تاج ہے۔ تمہارا تعلق عالم ارواح سے ہے اور آدم کا تعلق عالمِ اجسام اور ارواح سے ہے۔ تمہاری عبادت جبری ہے مگر آدم کی عبادت اختیاری ہے۔ اور تمہاری خوراک ہی عبادت ہے اور تمہاری عبادت میں کوئی چیز حائل نہیں مگر ان کی عبادت میں ہزاروں مشاکل، مراحل اور مشاغل حائل ہوں گے اور یہ لوگ ان سب پر لات مار کر میری اطاعت کی طرف آئیں گے اس لئے ان کا ایک سجدہ تمہارے ہزاروں سجدوں سے افضل ہوگا۔ تم میں کوئی گنہگار نہ ہوگا چنانچہ ان کے لئے میری شان ستاری اور غفاری ظاہر ہوگی ان میں بیشک شہوت اور غصہ ہوگا مگر جب یہ میرے لئے ہوگا تو بڑے بڑے نتیجے اخذ ہوں گے۔ ان کے دل میں میرا عشق ہوگا اور ابراہیمؑ جیسے عاشق، ایوبؑ جیسے صابر اور معروف کرخی، بایزید بسطامی، جنید بغدادی، ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہم

اجمعین جیسے عاشق ہوں گے۔ یہ وہ عبادات کریں گے جو تم نہیں کر سکو گے۔ یہ بھوکے رہ کے روزہ رکھیں گے، مسافر بن کر حج کریں گے، غازی اور شہید بنیں گے، میرے قرآن کے مطابق فیصلے کریں گے، آنکے ایک ایک سانس میں میرا ذکر ہوگا، میرے حبیب کے صحابی بن کر اس کے جان نثار بنیں گے، ان کے طفیل تمہیں ہزار عبادتیں نصیب ہوں گی تم میں سے کوئی وحی لے کر جائے گا اور کوئی جہاد میں شریک ہوگا اور کوئی اعمالنامے لکھے گا اور کوئی ان کی حفاظت کرے گا اور کوئی حج میں ان کے ساتھ شریک ہوگا۔

آدم علیہ السلام کا علم دیکھ کر فرشتوں کی کیفیتِ وجد

ابتدا میں عالم اجسام، عالم ارواح سے الگ تھا۔ عالمِ امر اور خلق میں رابطہ بھی نہ تھا فرشتے اور جن ان عوالم سے بے نیاز تھے۔ حق تعالیٰ کی بہت سی صفات ابھی ظاہر نہ ہو سکی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ منشا تھا کہ ایسا خلیفہ بنایا جائے جو ملک کو ملکوت سے، خلق کو امر سے، ظلمت کو نور سے، غم کو سرور سے، پست کو بالا سے، رحمتِ بالا کو سکان زمین سے، ظاہر کو باطن سے ملا دے۔ اس میں ارض و ارضیات، دین و دنیا، جمادات و نباتات اور حیوانات، ملکوت اور ملکوتیات سب جمع ہوں۔ یہ خلیفہ ایسا ہو کہ اپنے وجود سے رب کے وجود، اپنی وحدانیت سے رب کی وحدانیت، اپنی زندگی سے خدا کا اثبات، قدرت اور اس کا ارادہ سمع، بصر، کلام اور علم کو ظاہر کرے۔ فرشتوں کو کیا علم تھا کہ اس مٹی کے چراغ میں اللہ تعالیٰ کی نورانیت کا روغن ہوگا۔ وہ چراغ قلب کے فانوس میں ہوگا اور وہ فانوس اس کے جسم کے طاق میں ہوگا جس میں اسرارِ الٰہی کی بتی روشن ہوگی۔ اس کو عقل کا نور دیکر نورٌ علیٰ نور کر دیا جائے گا جس سے اللہ تعالیٰ کے تمام صفاتِ عدل، احسان محبت، عزت، رحمت، غلبہ، غضب اور انتقام وغیرہ ظاہر ہوں گے علامہ فرماتے ہیں کہ ؎

مصرع ؏ تو نے یہ کیا غضب کیا مجھ کو بھی فاش کر دیا — میں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں

فرشتوں نے جب دریافت کیا کہ الٰہی آدم میں وہ کیا ہوگا جو ہم میں نہیں۔ اس وقت انہیں یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ (میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے) پھر خلیفہ میں روح ڈال کر اپنی تجلی ذاتی ڈالی اور تین قسم کے علوم دیئے۔

(ا) روحانیت اور ملکوتیات (جس کی کسی قدر فرشتوں کو بھی خبر تھی)۔

(ii) جسمانیات (جس سے فرشتے ناواقف تھے) تاکہ خلیفہ دنیا میں ہونے کے ساتھ ساتھ قدرت والا بھی ہو اور عالم اس کے سامنے جھک جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا اظہار طاقتیں دے کر اور اس کو مسجودِ ملائک بنایا۔

(iii) الٰہیات (جو فرشتوں کے وہم سے بھی بالا تھا) کا علم بھی عطا کیا۔ جب فرشتوں نے آدم کے علم کی ایک جھلک دیکھی تو ان پر حالت وجد طاری ہو گئی علامہ اقبالؒ نے اپنے کلام میں خاکی اور نوری مخلوق میں جو فرق بیان کیا ہے وہ ایسے ہی معنوں کا اظہار کرتا ہے۔ ہماری تصنیف "اسلام اور روحانیت" میں "مقامِ آدمؑ" کے نام سے دلچسپ اشعار کا مجموعہ پیش کیا گیا ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

ہمارے اعمال میں ارادہ الٰہی کا دخل

قوت القلوب حصہ اول (صـ۸۲) میں ابوطالب مکیؒ لکھتے ہیں کہ ایک عالم سے کسی نے پوچھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو سجدے کا حکم دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سجدے کے ادا ہونے کا ارادہ بھی کیا یا نہیں؟ فرمایا "ابلیس پر سجدہ مشروع اور واجب کرنے کا ارادہ کیا مگر اس سے سجدہ واقع ہو جانے کا ارادہ نہیں کیا۔ یہ اس لئے کہ ہوتا وہی ہے جو اللہ ارادہ کرے جیسا کہ فرمانِ باری ہے۔

اِنَّمَا اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْــٴًـا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ○ (یٰسٓ : ۸۲)	اس کا حکم یہی ہے، جب چاہے کسی چیز کو کہے اس کو "ہو" تو وہ ہو جاتی ہے۔

اب جب سجدہ نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ نہیں فرمایا تھا کہ وہ سجدہ کرے۔ حضرت آدمؑ کے پھل کے کھانے کی بھی یہی توضیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ نہیں کیا کہ آدمؑ پھل نہ کھائیں (یعنی کھانے کا ارادہ کیا) کیونکہ پھل کھانے کا کام واقع ہو چکا ہے جیسا کہ فرمایا ہے۔

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَاۤ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ○ (النحل : ۴۰)	ہمارا کہنا کسی چیز کو، جب ہم نے اس کو چاہا یہی ہے کہ کہیں اس کو "ہو" تو وہ ہو جاتی ہے۔

حضرت حسن بصریؒ کی صحبت میں ایک معتزلہ کا امام عمرو بن عبید کچھ مدت تک چراغ ہو گیا۔ کیونکہ وہ کہتا تھا کہ اللہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں کرتا (یعنی بندے کی نافرمانی کا تو فیصلہ

کرتا ہے) اور پھر اُس پر عذاب نازل کرتا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے جواب دیا تیرا ناس ہو اللہ تعالیٰ اپنے حکم جاری ہونے پر عذاب نہیں دیتا بلکہ اپنے حکم کی مخالفت پر عذاب دیتا ہے۔

کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جس کام میں اللہ کا امر یا نہی نہ ہو اُس پر عذاب نہیں دیتا لیکن جس کام میں بندے نے شہوت اور قصد کو دخل دیا اُس پر عذاب دیگا۔ جیسا کہ فرمایا۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝ (طٰہٰ : ۱۱۵)

اور ہم نے اس سے پہلے حکم دیا تھا آدم کو (پھل نہ کھانے کا) سو وہ بھول گئے اور نہ پایا ہم نے (اس لغزش میں) ان کا کوئی قصد (ارادہ)

اس سورہ میں فرعون کی سرکشی، تکبر، عناد، بدکاری، فخر اور جان بوجھ کر نافرمانی کا ذکر کرنے کے بعد آدمؑ کا ذکر کیا گیا ہے کہ اگر بھول چوک سے کوئی خطا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ عفو و درگزر سے کام لیتا ہے اور ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ کا تاج بھی سر پر رکھ دیتا ہے۔ نسیان کا معنی یہ ہے کہ جو چیز انسان کو ودیعت کی گئی ہو اُس کو محفوظ نہ رکھنا اور اس کی وجہ کبھی دل کی کمزوری یا غفلت ہوتی ہے لیکن اللہ کے حکم کو قصداً غفلت یا التوا میں ڈالنا نسیان میں شامل نہیں۔ آدمؑ نے یہ خیال کیا کہ اِس درخت کو کھانے کی ممانعت حرام یا مکروہ تحریمی نہیں بلکہ معمولی مناہی ہے۔ چنانچہ پھل کا کھانا خطائے اجتہادی تھی نہ کہ عمدی۔

ایک حدیث شریف میں ہے "اللہ کے بچائے بغیر نافرمانی سے بچاؤ (یعنی بچنا) ممکن نہیں اور اللہ کی اطاعت پر اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہی توفیق ملتی ہے۔" اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِیِّ الْكَبِیْرِ (المومن : ۱۲) چنانچہ اللہ بزرگ و برتر کیلئے ہی حکم ہے۔

اللہ تعالیٰ جیسے چاہتا ہے جو چاہتا ہے اپنے بندوں پر جاری کر دیتا ہے اُسی کی حجّت بالغہ ہے (یعنی قبول حق کے لئے مجبور نہیں کرتا بلکہ دلیل اور حجّت سے دعوت دیتا ہے اور اختیار دیتا ہے کہ چاہو تو حق قبول کرو چاہے باطل قبول کرو)

فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِیْنَ (انعام : ۱۴۹) اور وہ چاہے تو راہ دے تم سب کو۔ (ہدایت)

<u>خلاصہ</u> ہدایت اللہ تعالیٰ کی منشا اور ارادے سے ہی ملتی ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو

ہی ہدایت دیدیتا تو پھر اس دنیا میں اُس کے بندوں میں سے نیک اور بد کی تمیز نہیں ہو سکتی تھی اور یہی انسان کی تخلیق کا مقصد بھی تھا کہ نیک و بد میں تمیز ہو سکے۔ چنانچہ جو لوگ نیت کو درست رکھتے ہیں، دل کو اللہ کی طرف لگائے رکھتے ہیں، اُس کی اطاعت کا جذبہ دل میں لگائے رکھتے ہیں وہ عملی طور پر اس کی طرف قدم اٹھاتے ہیں۔ تو پھر وہ ان کو ہدایت کی توفیق دے دیتا ہے۔ اگر بھولے سے کوئی خطا ہو جائے تو وہ اس پر سزا نہیں دیتا۔ کیونکہ سزا صرف عمداً نافرمانی، سرکشی، تکبر اور نفس پروری وغیرہ کے کاموں میں ملتی ہے۔

انسان کن باتوں پر قادر ہے | قدر اور جبر کا مسئلہ بہت مدت سے پیچیدہ چلا آرہا ہے اور ہر دور میں اس پر طویل گفتگو ہوتی رہی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے بندوں کو متشابہات کا علم عطا فرمایا وہاں جبر و قدر اور دیگر علوم کے متعلق بھی وافر راہنمائی فرمائی ہے۔

حضرت علیؓ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے سوال کیا کہ حضرت ہمیں بتلائیں کہ قدر اور جبر کیا ہے یعنی ہم کس چیز پر قدرت رکھتے ہیں اور کن باتوں پہ مجبور ہوتے ہوئے قدرت نہیں رکھتے؟ آپ نے فرمایا "اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ" وہ شخص کھڑا ہو گیا۔ پھر آپ نے فرمایا "ایک ٹانگ اٹھاؤ"! اُس نے ایک ٹانگ اُٹھالی، آپ نے پھر فرمایا "دوسری ٹانگ بھی اُٹھاؤ" اس نے عرض کیا کہ دوسری ٹانگ نہیں اُٹھائی جا سکتی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ (ٹانگ اٹھانا) قدر ہے اور دوسری کا نہ اٹھا سکنا جبر ہے یعنی تم ایک ٹانگ اٹھانے کی قدرت رکھتے ہو تو بس اللہ تعالیٰ تم سے اسی ایک ٹانگ کے اٹھانے کا تقاضا کرتا ہے اور دوسری ٹانگ کے اُٹھانے کی توقع نہیں رکھتا۔

حضرت علیؓ کی اس مثال نے تقدیر کے ہر مسئلے کو واضح کر دیا ہے۔ راقم الحروف کو اللہ تعالیٰ نے جو تفہیم عطا فرمائی وہ یہ ہے کہ ہر کام کے لئے سعی کرنے کا اختیار تو اللہ تعالیٰ نے سب کو عطا فرمایا ہے اور اختیار کا سب سے کمتر درجہ یہ ہے کہ انسان کسی کام کی خواہش، لگن یا تڑپ تو دل میں پیدا کر سکتا ہے مثلاً کوئی اگر نماز ادا نہیں کرتا تو دل میں خواہش تو پیدا کرے اور اللہ سے اس کی توفیق ہر روز اور بار بار طلب تو کرے۔ یہ بات یقینی ہے کہ جو کسی چیز کو بار بار اللہ سے طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیتے ہیں اور جو شخص نماز کی خواہش نہیں رکھتا تو گویا وہ ایک ٹانگ جو وہ اُٹھانے کی قدرت رکھتا ہے نہیں اُٹھاتا تو پھر اس کو

خدا سے نماز کی توفیق کیسے حاصل ہو۔ جو طلب کی ایک ٹانگ نہ اٹھائے اسے جبر کا شکوہ نہیں کرنا چاہیئے۔

احادیث اس بات پر شاہد ہیں کہ جو ایک قدم اللہ کی طرف آتا ہے تو خدا دس قدم اس کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جو اس کی طرف چل کر آتا ہے تو وہ اس کی طرف دوڑ کر آتا ہے (الخ) مولانا رومؒ نے فرمایا کہ اگر تم کسی کا دروازہ کھٹکھٹاتے رہوگے تو بالآخر اس دروازے سے کوئی سر باہر نکلے گا۔

گفت پیغمبر کہ چوں کوبی درے　　عاقبت بینی ازاں در ہم سرے

(پیغمبرؐ نے فرمایا کہ اگر دروازہ کھٹکھٹاتے رہوگے تو اسمیں سے کسی دن ضرور کسی کا سر نمودار ہوگا)

حاصل آنکہ ہر کہ او طالب بود　　جانِ مطلوبش بروراغب بود

(خلاصہ یہ کہ جو بھی طالب ہوتا ہے۔ تو مطلوب کی جان بھی اس پر رغبت کرنے لگتی ہے)

تشنگاں گر آب جویند در جہاں　　۔　آب ہم جوید بعالم تشنگاں

(دنیا میں جب کوئی پیاسا پانی طلب کرتا ہے تو پانی بھی دنیا میں پیاسوں کو طلب کرتا ہے)

اے کہ تو طالب نۂ تو ہم بیا　　۔　تاطلب یابی ازیں یارِ وفا

(اے شخص تو طالب نہیں ہے تو تو بھی آ۔ اس وفادار یار سے تو بھی طلب حاصل کرے گا)

عربی میں مثل مشہور ہے "مَنْ طَلَبَ وَجَدَ" (یعنی جس نے طلب کیا پایا) انسانی عقل اس بات پر حیران ہے کہ اللہ تعالیٰ کن لوگوں کو ایمان کی دولت سے نوازتا ہے اور کن کو کفر کی تاریکیوں میں ڈال دیتا ہے۔ درج بالا اصول سے یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ اہل کفر میں سے بھی جو لوگ اس کھوج میں لگے رہتے ہیں کہ صحیح مذہب کون سا ہے اور اپنی اس طلب میں کوشاں رہتے ہیں تو ذاتِ باری تعالیٰ ضرور اُن کی راہنمائی کرتا ہے اور اسلام کیلئے اُن کا سینہ کھول دیتی ہے اور جو شخص اس تگ و دو میں نہیں پڑتا تو وہ اپنی تمام عمر کفر کی تاریکیوں میں ضائع کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ایسے شخص کی بھی چنداں پروا نہیں رہتی۔ اسی طرح جو شخص یہ جاننا چاہتا ہے کہ اسلامی فرقوں میں سے کون سا فرقہ درست ہے اور اس تلاش میں وہ تعصب سے کام نہیں لیتا تو ذاتِ باری تعالیٰ ضرور اُس کی راہنمائی کرتی ہے اور اُس پر صحیح راستہ واضح کر دیتی ہے۔ یہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ متعدد بار تجربے سے ثابت کرنے کے بعد لکھا گیا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جو شخص ایمان حاصل کرنے، صحیح فرقے کو تلاش کرنے، نماز کی پابندی کرنے یا اولیاء کرام کی دستگیری حاصل کرنے کی خواہش ہی دل میں پیدا نہیں کرتا تو خدا کو بھی اس بات کی پرواہ نہیں کہ وہ کس حالت میں مرتا ہے گویا جو شخص ایک ٹانگ اُٹھانے کی بھی کوشش نہ کرے تو اُس کو اپنے سوا کسی اور کو کوسنا نہیں چاہیئے۔ ایک ٹانگ اٹھانا تو کوئی مشکل بات نہیں۔

روح کیا ہے ایک لطیفہ ہے۔ بدن کا رب، حیاتِ حسی کا مصدر اور قوائے نفسانی پر فیضان کا منبع ہے روح جسم میں آنے سے جسم زندہ ہو جاتا ہے اور نکل جانے سے جسم کو موت آجاتی ہے۔ انسانی جسم میں حرکت کا یہی سبب ہے۔ ہر چیز میں روح ہوتی ہے۔ نباتات سے حیوانات کی روح ارفع ہے اور انسانی روح کو قائم رکھنے والی روح اس سے بھی افضل ہے۔

بعض صوفیاء نے کہا کہ روح ایک سوار ہے اور بدن اِس کی سواری ہے یا روح ایک مستقل جسم ہے جس کا ظاہری مظہر بدن ہے۔ روح عالم برزخ میں سیر کرتی اور دنیا کے احوال کا مشاہدہ کرتی ہے، ملائکہ کے احوال کی نگران ہے روح اُن تمام باتوں کو سنتی ہے جو ملائکہ آسمانوں میں انسانوں کے بارے میں کرتے ہیں۔ کچھ روحیں پرواز بہشت کی طرف مصروف ہیں۔ اور عروج میں جہاں تک پہنچ گئیں وہی اُن کا مقام بن جاتا ہے۔ مرنے کے بعد جب روحیں پہلوں کے پاس پہنچتی ہیں تو اُن سے زندہ لوگوں کے متعلق سوال کرتی ہیں اور وہ جواب دیتی ہیں۔ زندہ لوگوں کے اعمال انتقال شدہ روحوں پر پیش کئے جاتے ہیں اور وہ اچھے اعمال سے خوش اور بُرے اعمال سے افسردہ ہوتی ہیں۔ جو روح عالم ارواح میں سب سے زیادہ اللہ کے قرب میں رہتی وہ سب سے زیادہ عظیم ہے۔

سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ عرش کے سوا اللہ تعالیٰ نے روح سے برتر کوئی مخلوق پیدا نہیں کی وہ اتنی عظیم ہے کہ اگر چاہے تو ساتوں زمینوں اور آسمانوں کو ایک لقمہ میں نگل جائے۔ اس کو ملائکہ کی صورت میں پیدا کیا اور اس کا چہرہ آدمیوں کے چہرے کی طرح ہے عوارف المعارف میں ہے کہ قیامت کے دن روحیں اور فرشتے ایک صف میں عرش کے دائیں جانب کھڑے ہوں گے (یوم یقوم الروح والملٰئکۃ صفًا) روح ایک لطیفۂ غیبی ہے۔ جو عالم بالا کے مشہور مقامات کی سیر کرتی ہے (روح سیرانی) اور پھر واپس آجاتی ہے۔ اِس کے

ذریعے غیب کی چیزیں نظر آتی ہیں اور ارباب حقائق کو کشف اسی کے ذریعے ہوتا ہے انسان پر اللہ کی قیومیت روح کی قیومیت کے ذریعے ہے۔ اور روح حیوانی، انسانی اور روح قدس سے مرکب ہے۔

انسانی روح اگر چاہے تو (ہر چیز سامنے آجاتی ہے)

عالم ارواح سے مراد عالم ملکوت ہوتی ہے اور عالم ملکوت کی فرع (شاخ) عالم محسوس ہے۔ جو عالم میں ہے وہ ملکوت میں بھی ہے۔ چنانچہ جو چیز ملکوت میں ہوگی وہ محسوس بھی ہوگی۔ (وقت و ترتیب و حال کی مناسبت سے) عالم ارواح میں معانی محسوس صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اس عالم ناسوت (دنیا) میں کسی کو بلانا ہو تو آواز دیتے ہیں لیکن عالم ارواح یعنی ملکوت میں کسی چیز کو اپنی جانب متوجہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کا تصور کرتے ہیں اور اس کی جانب متوجہ ہو جاتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ روح بھی متوجہ ہو جاتی ہے اور ارواح کی عادت ہے کہ جس چیز کی جانب متوجہ ہوتی ہیں اس میں حلول کرتی ہیں۔ لیکن اپنے مرکز اصلی سے جدا نہیں ہوتیں۔
روزنامہ جنگ میں ایک بار روح کے عنوان سے ایک مضمون میں انسانی ذہن کے متعلق یہ بات لکھی گئی تھی کہ جب بحیثیت مجموعی کسی ایک تقاضے پر انسان کا ذہن مرکوز ہو جائے (مراقبہ) تو روح حرکت میں آجاتی ہے اور جب روح حرکت میں آجائے تو وجود کا مظہر بننا لازمی ہو جاتا ہے (وجود سامنے آجاتا ہے) جب آپ آیۂ قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (آپ فرما دیجئے کہ روح میرے رب کے امر میں سے ہے) کا مطالعہ کریں تو یہ معلوم ہوگا کہ روح رب کے امر سے ہے۔ سورہ یٰسین میں ہے کہ اللہ کا امر یہ ہے کہ وہ کسی چیز کا ارادہ کرے تو اسے کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔ آدم کی اصل بھی روح ہے اور روح امر رب بھی ہے لیکن امر رب اللہ کا ارادہ بھی ہے۔ لہٰذا اللہ کا ارادہ جب حرکت کرے تو تخلیق بن جاتا ہے۔ چنانچہ جب انسان کی روح حرکت کرے تو وجود لازم ہوتا ہے گویا وہ چیز یا روح سامنے آجاتی ہے۔ ایسے ہی معنوں میں کسی شاعر نے کہا ہے ؎

ع اے جذبۂ دل گر میں چاہوں ہر چیز مقابل آجائے۔ منزل کی طرف دو گام چلوں تو سامنے منزل آجائے

نفس اور شیطان | ابوطالب مکی لکھتے ہیں کہ جب روح بھلائی کے لئے حرکت کرتی ہے

تو ایک نور دل میں ظہور کرتا ہے اور انسان کو فرشتہ خیر عمل کے لئے کہتا ہے جب نفس شر کے لئے حرکت کرتا ہے تو دل میں ظلمت پھیل جاتی ہے۔ پھر شیطان اس ظلمت کو دیکھ کر گناہ کیلئے کہتا ہے اور کوشش کرتا ہے۔ صوفیہ فرماتے ہیں کہ جس کے دل پر ظلمت کے بادل چھائے رہتے ہوں۔ وہاں شیطان کی بادشاہی ہوتی ہے۔ چنانچہ اس ظلمت سے نکلنا ہو تو نیک صحبت میں آئے نفس شیطان کے ذریعے احکام چلاتا ہے۔

سر دلبران میں ہے کہ گناہ کے کام کروانے کے لئے ابلیس گناہ پر مصر نہیں ہوتا اور اس کی مسلسل کوشش نہیں کرتا۔ ایک گناہ میں پھانسنے کی کوشش میں اسے ناکامی ہوتی ہے تو دوسرے اور پھر تیسرے یا چوتھے میں پھانسنے کی کوشش کرتا ہے اور تا زیست اسی قسم کی کوششوں میں لگا رہتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان گمراہ ہو خواہ کسی صورت سے ہو اور معصیت میں مبتلا ہو۔ اگر کوئی فاحشات میں نہ الجھے تو قرآن، حدیث، توحید و رسالت کی غلط تاویلوں سے گمراہ کرتا ہے اور اچھے خاصے نیک اور دینداروں کو گمراہ کر کے قوم و ملت کے افراد کو آپس میں لڑا دیتا ہے۔ اور ان کی جڑوں کو کمزور کر دیتا ہے حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے امداد السلوک میں لکھا ہے کہ خواہ انسان کتنا ہی نیک ہو، شیطان اس کو کسی نہ کسی وقت گمراہ کرنے کی کوشش میں رہتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر ایسا عابد کسی بزرگ کا مرید نہ ہو تو اس کا شیخ شیطان ہی ہوتا ہے جو اسے کسی مرحلے پر بھی پچھاڑ سکتا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ ایک دن زنا اور فاحشات سے بچنے رہنے کی دعا کر رہے تھے تو پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص نے حضرت سے کہا کہ آپ بوڑھے ہو گئے ہیں کیا آپ کو اب بھی زنا کا خطرہ لاحق ہے؟ فرمانے لگے کہ میں تو بوڑھا ہو گیا ہوں مگر شیطان تو بوڑھا نہیں ہو گیا۔ اس کے برعکس نفس نہایت ضدی اور ہٹ دھرم ہے جس لذت کی چاٹ اسے پڑ جاتی ہے اور جو خواہش اس میں پیدا ہو جاتی ہے وہ اس پر اڑ جاتا ہے اور ہر طرف سے گھیر گھار کے انسان کو اسی طرف لانے کی کوشش کرتا ہے لیکن چونکہ اس کی فطرت میں اصلاح کا مادہ رکھا گیا ہے۔ وہ ذرا سی اصلاح کی تحریک سے اپنی اصلاح کر لیتا ہے۔ یہ وہ بات ہے جو ابلیس کو نصیب نہیں۔

نفس کا بیان بہت طویل ہے۔ ہماری تصنیف "تہذیب نفس" میں نفس کے متعلق مفصل

بیان آرائی کر دی گئی ہے۔ یہاں صرف اتنا معلوم کر لینا چاہیئے کہ نفس کو روحِ سفلی بھی کہتے ہیں یہ عناصر اربعہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس میں علوی روح ظاہر ہوتی ہے۔ اس لئے علوی روح کا آئینہ ہے۔ علوی روح میں تجلیاتِ الٰہیہ کو قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ انسان میں یہ نفس لطائف ستہ (نفس، قلب، روح، سر، خفی، اخفیٰ) میں سے ایک لطیفہ ہے اور صوفیائے کرام کے نزدیک اس کا مقام جسمِ انسانی میں ناف سے ذرا نیچے ہے۔ نفس ربوبیت کی ایک شعاع ہے جو تقیدِ انسانی میں آکر ایک تقیدِ اعتباری میں مقید ہو جاتی ہے۔ اور اس تقید سے آزادی اور مبداء اصلی (اللہ) کی جانب مراجعت کی تلاش موجب سعادت ہے اور اس کے برعکس اس کے تقیدِ مذکور سے اُنس اور اللہ تعالیٰ کی جانب جانے کی کوشش سے برگشتگی موجب شقاوت ہے۔ اس لطیفہ کی وجہ سے آدمؑ نے شجر ممنوعہ کو کھایا کیونکہ نفس ذاتِ ربوبیت سے پیدا ہوا تھا اور ربوبیت کی شان یہ ہے کہ کسی کے منع کرنے سے باز نہ رہے لیکن یہاں نفس نے اپنے اوپر بھروسہ کیا، حالانکہ اس کا فرض تھا کہ اختیارِ الٰہی پر بھروسہ کرتا اس نے یہ نہ جانا کہ اقتضائے طبیعت کے مطابق عمل کرنے سے روح میں تاریکی پیدا ہو جاتی ہے۔

حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ " وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰهَا " (قسم ہے نفس کی اور جس نے اس کا تسویہ کیا یعنی برابر کیا) سے مراد یہ ہے کہ جب روحِ حیوانی کا تسویہ روحِ علوی یعنی روحِ انسانی سے ہوا تو نفس پیدا ہوا۔ ان دونوں روحوں کا تعلق عشق کی وجہ سے اس قدر بڑھ گیا جس طرح آدمؑ اور حوّا کے درمیان بڑھ گیا تھا۔ دونوں کی جدائی اس طرح ناگوار ہے جیسے موت۔ اُن کی جدائی موت ہے۔ روحِ انسانی سے روحِ حیوانی کو تسکین حاصل ہوئی اور یہ دونوں ایک دوسرے سے مانوس ہو کر نفس بن گئے۔ اور اس پیار کے نتیجہ سے قلب پیدا ہوا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات میں لکھا ہے کہ نفس کی اصل خباثت پر ہے اور یہ اللہ کی نافرمانی پر کمر بستہ ہے۔ اس کی عین کو بدلنا ممکن نہیں البتہ اس کی عادات کو بدلا جا سکتا ہے نفس کو جتنا بھی رگڑا جائے اندر سے خبیث ہی نکلے گا۔ چنانچہ اتباعِ شریعت کی مشقت سے اس کی تربیت کر کے سدھارا جا سکتا ہے جیسے کہ ایک سرکش گھوڑے کو

مشقت اور ریاضت کے بعد سدھارا جاتا ہے اور اس کے بعد وہ اپنے سوار کے اشاروں پر چلتا ہے۔

"اخلاق اور فلسفۂ اخلاق" میں ہے کہ ابنِ حبیبؒ کا گمان ہے کہ روح کا جوہر تو انسان میں جاری و ساری ہے۔ نفس وہ ہے جس کی وجہ سے ہاتھ پاؤں سے لذت و مسرت اور رنج و غم جیسے امور پیش آتے ہیں۔ نفس نیند میں پکڑ لیا جاتا ہے جسم سے نکل کر یہ سیر کرتا ہے خواب دیکھتا ہے۔ نیند میں نفس کے بغیر جسم روح کی طاقت سے زندہ رہتا ہے۔ جیسا کہ سورہ الزمر آیت ۴۲ میں ہے اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ یعنی اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو موت کے وقت اور جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا (ان کی روحیں) حالت نیند کے وقت (قبض کر لیتا ہے)

قلب:۔ قلب ایک جوہر نورانی ہے اور یہ گوشت کا ٹکڑا نورانی دل کے لئے حجرے کی مانند ہے۔ قلب مادے سے مجرد (تنہا، واحد الگ) اور روح و نفسِ انسانی کے مابین ایک درمیانی چیز ہے۔ انسانیت کا دارومدار اسی قلب پر ہے۔ حکماء اس کو نفس ناطقہ بھی کہتے ہیں (دیکھیے لطائف ستہ) روح اس کا باطن اور نفسِ حیوانی اس کا ظاہر ہے یہ دونوں قلب کے راکب (سوار) ہیں۔ نفسِ انسانی قلب اور بدن کے درمیان ہے۔ سورہ النور کی آیت ۳۵ میں اللہ تعالیٰ نے جسم کو مشکوٰۃ (چراغدان) قلب کو زجاجہ (شیشہ کی قندیل) روح کو مصباح (چراغ) اور نفس کو شجرۃ مبارکہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

بندہ کا قلب اللہ کا عرش ہے اور عرش پر رحمٰن مستوی (سوار) ہے۔

وہ اسرارِ الٰہیہ کا مرکز اور تمام مخلوق کے دوائر کا احاطہ کرنے والا ہے۔ قلب کسی چیز کا خلاصہ ہوا کرتا ہے۔ اور قلب اللہ تعالیٰ کا نور ہے جس کی ایک چمک تمام مخلوق کا خلاصہ ہے۔ یہ ایک نقطہ ہے جس پر تمام اسماء و صفات کا دور گردش کرتا رہتا ہے۔ دل کو قلب اس لئے بھی کہتے ہیں کہ وہ اپنے محل اصلی (آخرت) کی طرف پھرتا ہے۔ اس کو قلب اس لئے بھی کہتے ہیں کہ قلب اپنی اسی فطرت پر جس پر اللہ نے اسے پیدا کیا ہے رہتا ہے۔ اور تمام امور اس کی مرضی کے مطابق منقلب ہو جاتے ہیں۔ اللہ نے اسے اسماء اور صفات کی صفت پر پیدا فرمایا ہے

اور جیسے چاہے تصرّف کرتا ہے۔ قلب کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ وہ جملہ وجود کے حقائق کا آئینہ ہے کیونکہ عالم کے تغیرات قلب میں منعکس اور منطبع (چھپے) ہوتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ قلب اصل ہے اور تمام عالم اس کی فرع (شاخ) ہے اللہ تعالیٰ کا آسمان اور زمین میں سمانا ممکن نہیں کیونکہ زمین و آسمان مکان میں شامل ہیں مگر بندۂ مومن کے دل میں اس کا سمانا ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دل کی وسعت قوتِ خاتیہ الٰہیہ سے مرتب فرمائی ہے۔ اور تین قسم کی وسعتیں اس کو عطا فرمائیں ایک وسعتِ علمی (معرفت) دوسرے وسعتِ مشاہدہ (کشف) اور تیسرے وسعتِ خلافت (نیابت سے اسے سرفراز فرمایا ہے (دیکھئے عوارف المعارف)

دل عرش سے بھی بزرگ تر ہے کیونکہ یہ رحمٰن کا عالمِ شہادت میں مظہر، آفاق میں عرش اور انفس میں قلب ہے اور ظہوراتِ رحمانی بہ نسبت عرش کے دل میں زیادہ ہوتے ہیں کیونکہ دل غیب اور شہادت کے درمیان برزخ ہے۔ اور دل میں غیب اور شہادت کے احکام جاری ہیں۔ جبکہ عرش پر صرف احکام شہادت جاری ہیں۔ قلب کو عرش سے وہ نسبت ہے جو مرکز (دائرے کے مرکز) کو محیط (دائرے) سے ہوتی ہے حرکتِ عرش محیط (دائرے) پر ہوتی ہے اور حرکتِ قلب مرکز پر۔ عرش رات دن صاحبِ دل کا طواف کرتا ہے۔ یہ شان ان لوگوں کی ہے جو اہل دل ہیں۔ اس سے انسان کے درجات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مگر افسوس ہے ان لوگوں پر جو دل کی اصلاح اور روح کی پرورش کی طرف قطعاً توجہ نہیں دیتے حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ چونکہ دل کی اصل نورانی ہے مگر انسان کے بُرے خیالات اور اعمالِ غیر صالحہ سیاہی کے دھبوں کی طرح دل کو داغدار کر دیتے ہیں اور جب انسان گناہ کرتا چلا جاتا ہے تو یہ قلب زنگ اور سیاہ دھبوں سے بالکل ڈھک چھپ جاتا ہے لیکن جونہی اتباعِ شریعت اور ذکرِ الٰہی کی گرمی اس کو پہنچتی ہے تو اس کا زنگ اور سیاہی جل جاتی ہے اور قلب دوبارہ اپنی اصلی نورانی حالت میں آ جاتا ہے۔ اور پھر منجلّٰی (چمکدار) متزکّی اور مصفّا ہو جاتا ہے۔

خلیفہ کسے کہتے ہیں اَلْخَلَافَۃُ کے معنی دوسرے کا نائب بننے کے ہیں۔ خواہ یہ نیابت اُن کی غیر حاضری، موت یا عجز کے سبب ہو یا محض نائب

کو شرف بخشنے کی وجہ سے ہو۔ اور یہی معنی " خَلِیْفَۃُ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ کے ہیں تاکہ وہ اُس کے حکم کے مطابق عمل کر لے۔ انسان کو خلیفہ چنا گیا کیونکہ انسان کے علاوہ باقی مخلوق میں استعداد علم محدود ہے۔ قیامت کے دن چونکہ اللہ تعالیٰ خود ظاہر ہوگا اور تمام انتظامات اپنے ہاتھ لے لے گا اس لئے اُس دن کوئی خلیفہ نہ ہوگا۔ انسان اگرچہ ضعیف اور جہول ہے لیکن اس کو عقل و فہم کی وہ قوتیں ودیعت کر دی گئی ہیں کہ اُس کے تصرفات کی حد نہیں۔ تفسیر حقّی میں ہے کہ انسان مختصر عناصر سے مرکب ہے۔ اُس کی حرکت کا تعلق عالم محسوس سے ہے اُس کی روح کا تعلق عالم ملکوت سے ہے۔ اُس کو ایک پوشیدہ قوت دی گئی ہے کہ وہ انوارِ ربّانی کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور تربیت کے بعد وہ عالم محسوسات سے عالم ملکوت تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ اطاعت اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے روح کے لئے عالم جبروت و لاھوت کی راہیں کھلتی ہیں۔ اس سے وہ جلال و جمال اور انوار و تجلیات کا مشاہدہ کرتا ہے یہ وہ ذرّہ ہے جس کے سامنے آسمان کی وسعتیں سرنگوں ہیں۔ یہ وہ قطرہ ہے جس میں سمندروں کی گہرائیاں ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک ہر زمانے کا قطب خلیفۃ اللہ رہا ہے۔ یہ لوگ زمین اور عرشی چیزوں کے مجموعہ تھے ان کا جسم فرشی، روح عرشی اور وہ حق تعالیٰ کی صفات کے مظہر تھے اور ان کو رب تعالیٰ نے اپنا علم اور اپنا کلام دیا تاکہ وہ مخلوق تک پہنچائیں اور اُن کو وہ قدرت عطا فرمائی جو رب کی قدرت کا نمونہ ہے اگرچہ بظاہر فرشتے بہت قوی ہیں مگر انبیاء کی قوت اِن سے کہیں بڑھ کر ہے۔ خلیفۃ اللہ کی حکومت دریاؤں سے ہے کہ اُس کو سلطان کا سا علم اور سلطان کی سی قدرت عطا ہو۔ خلیفۃ اللہ جسمانیت کے علاوہ روحانیت میں بھی پورے عالم سے برتر ہوتا ہے۔ علامہ اقبال نے خلافت آدم کی بزرگی کو کلیات اقبال فارسی (صفحہ ۴۵۰) پر بیان کیا ہے۔ اُس کا مطالعہ دلچسپی کا باعث ہوگا۔

سراسر عبادت مقصود خلافت نہیں

تفسیر عزیزی میں ہے کہ فرشتے یہ سمجھتے تھے کہ ہم کامل عابد ہیں جیسا کہ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ اللہ تعالیٰ کے لفظ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ سے مراد یہ تھی کہ جو عابد ہونے کے ساتھ ساتھ

حق تعالیٰ کے نام اور صفات سے واقف ہو ویسا اپنے دعوے میں سچا ہے کیونکہ شکر وہی بجا لا سکتا ہے جو ان نعمتوں سے واقف بھی ہو۔ اس بات پر ان کی غلط فہمی دور ہو گئی۔

فرشتے ہمہ وقت عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور نور ہونے کی وجہ سے شر کے ارتکاب پر قدرت نہیں رکھتے۔ چونکہ اخلاق کمال تو خیر و شر کے تصادم سے ہوتا ہے اس لئے وہ اخلاق کمال کے حامل ہو ہی نہیں سکتے تھے۔ جو شخص بدی پر اختیار رکھتا ہو اور بدی سے اجتناب کرے تو وہ اس شخص سے ہزار درجہ بہتر ہے جو بدی پر قدرت ہی نہ رکھتا ہو۔ اس لئے انسان کے اندر بدی کا مادہ پایا جانا اس کی خلافت کا استحقاق بن گیا صرف انسان میں ہی وہ دس لطائف موجود ہیں جو پوری کائنات کی اشیاء سے اسکو باخبر کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کے علاوہ کوئی خلیفہ بننے کا حقدار نہ تھا۔ انسان کی برتری کی وجہ یہی تھی کہ وہ اپنی نفسانی خواہشات کے ہوتے ہوئے برائی سے بچے۔ جو شخص رشوت، زنا، چوری، قتل و غارت گری پر قادر ہوتے ہوئے ان فواحش سے بچے تو متقی وہی ہے نہ کہ جو ان فواحش پر دسترس ہی نہیں رکھتا ہو۔

جبریلؑ آدمؑ پر رشک کرتے ہیں

جبریل امین اللہ تعالیٰ سے انسانوں کے درد و سوز، آرزو، غم پنہاں اور لذت آہ و فغاں دیکھ کر انسان کا سا نیاز اور گداز حاصل کرنا چاہتے ہیں اس سلسلے میں تمہید گلشن راز جدید صفحہ ۵۴۸ پر کلیات اقبال فارسی کا ملاحظہ فرمائیں۔

بنالد از مقام و منزل خویش — بہ یزداں گو بیاں حال دل خویش

(جبرئیل اپنے مقام و منزل پر روتے ہیں — اور اپنے دل کا حال اللہ تعالیٰ سے کہتے ہیں)

تجلی را چناں عریاں نہ خواہم — نخواہم جز غم پنہاں نخواہم

(الٰہی میں تجلیات کو اسطرح عریاں دیکھنا نہیں چاہتا۔ میں تو غم پنہاں کے سوا اور کچھ نہیں چاہتا)

گذشتم از وصال جاودانے — کہ بینم لذت آہ و فغانے

(میں دائمی وصال سے بھی گذر گیا ہوں — کیونکہ میں انسان کے آہ و فغاں کی لذت کو دیکھتا ہوں)

مرا از ذوق نیاز آدمے دہ — بجان من گداز آدمے دہ!

(مجھے آدم کا سا راز و نیاز عطا کر — میری روح کو آدم کا سا گداز عطا فرما)

درون سینۂ آدم چہ نور است
چہ نور است این کہ غیبِ اُو حضور است

(انسان کے سینے میں یہ کیا نور ہے - یہ نور کیسا ہے کہ اُن کے غیبات بھی حضور کی طرح ہیں)

گہے نارش ز برہان و دلیل است - گہے نورش ز جانِ جبریل است

(کبھی اُسکے دل میں برہان و دلیل کی آگ ہوتی ہے - کبھی اس کے نور میں جبریلؑ کی روح ہوتی ہے)

چہ نورے جاں فروزے سینہ تابے - نیرزد با شعاعش آفتابے

(یہ نور کیا ہے جو روح افزا اور سینہ گرما دیتا ہے - اس کی ایک شعاع کے سامنے سورج ہیچ ہے)

ما ہنوز اندر غلامِ کائنات
او شریکِ اہتمامِ کائنات

ہم تو ابھی کائنات کے اندھیروں میں ہیں
لیکن بندہ مومن کائنات کا اہتمام کرتا ہے

اُو کلیمؑ و اُو مسیحؑ و اُو خلیلؑ
اُو محمدؐ، اُو کتاب، اُو جبرئیلؑ

انسان کلیمؑ، مسیحؑ اور خلیلؑ بھی بنتا ہے
وہ محمدؐ، وہ قرآن اور وہ جبرئیلؑ بھی بنتا ہے

آفتابِ کائنات اہلِ دل
از شعاعِ اُو حیاتِ اہلِ دل

وہ اہل دل کی کائنات کے آفتاب ہیں
کی شعاع سے اہل دل کی زندگی وابستہ ہے

مسجودِ ملائک آج رسوا کیوں ہے!

اللہ تعالیٰ نے انسان کو وَ لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ (اللہ ہم نے بنی آدم کی عزت افزائی کی اور اکرام سے نوازا) بنی آدم سے خطاب کیا اور اسے کہا (بقول علامہ اقبالؒ)

ع تراجوہر ہے نوری پاک ہے تو - فروغِ دیدۂ افلاک ہے تو
ترے صیدِ زبوں افرشتہ و حور - کہ شاہینِ شہِ لولاک ہے تو

مگر آج ہم دیکھتے ہیں کہ وہ عزت افزائیاں جو انسان کو دی گئی تھیں ان سے اُسے محروم کر دیا گیا ہے اور غالب کہتے ہیں کہ

ع ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند - گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں

ان سوالوں کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے قوانین اٹل ہیں اس لئے اُس کی سنت میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ ابلیس نے اپنی سرکشی کی وجہ سے آدمؑ کو سجدہ نہ کیا تو وہ راندۂ درگاہ ہوا۔ آج اگر انسان ابلیس کی دکھائی ہوئی راہوں پر چلنے لگا اور احکامِ خداوندی سے اعراض کرنے لگا تو اس کے سر سے سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ کا تاج چھین لیا گیا علامہ نے فرمایا۔

آتی ہے دمِ صبح صدا عرشِ بریں سے - کھو یا گیا کس طرح ترا جوہرِ ادراک
کس طرح ہوا کُند ترا نشترِ تحقیق؟ - ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جگر چاک

مہر و مہ و انجم نہیں محکوم ترے کیوں ۔ کیوں تری نگاہوں سے لرزتے نہیں افلاک

روشن تو وہ ہوتی ہے جہاں بیں نہیں ہوتی ۔ جس آنکھ کے پردوں میں نہیں ہے نگہ پاک

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری ۔ اے کشتۂ سلطانی و مُلائی و پیری

جب مسلمان نے اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن چھوڑ دیا اور اُس کی یاد سے غافل ہو گیا تو اس نے وہ حاصل کردہ مقام کھو دیا جس کا بیان گذشتہ مضمون میں ہوا ہے۔

ابلیس (قصۂ آدم کو رنگین کر گیا کس کا لہو؟)

لغت میں ابلیس بلس سے بنا ہے جس کے معنی نا امید یا مکار کے ہیں چونکہ یہ رحمتِ الٰہی سے نا اُمید ہو گیا تھا اس لئے اُس نے مکر و فریب کو اپنا پیشہ اپنایا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ شیطان شَطَنَ سے بنا ہے جس کے معنی دُور ہو جانے کے ہیں چونکہ یہ اللہ کی رحمت سے دُور ہوا اسلئے شیطان کہلایا۔ شیطؔ کے معنی باطل یا جھوٹا ہونے کے بھی ہیں۔

قرآن میں شیطان کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ یہ جنّوں میں سے تھا اور نیز فرشتوں اور انسانوں میں سے چھپا ہوا تھا اس لئے بھی جِنّ کہلایا۔ یہ آگ سے پیدا کیا گیا (وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (سورۃ الحجر ع ۲۷) (یعنی جنّوں کو ہم نے ان (انسانوں) سے پہلے ایسی آگ سے پیدا فرمایا جس میں دھواں نہیں تھا) فرشتے نور سے پیدا کئے گئے اور ان کی اولاد نہیں البتہ شیطان کی اولاد ہے۔

زمین پر عزازیل کا کارنامہ

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو جنّت میں اور جنّوں اور شیاطین کو زمین پر سات ہزار سال تک آباد رکھا پھر شیاطین اور جنّات نے زمین پر فساد کھڑا کیا تو اللہ تعالیٰ نے عزازیل کو فرشتوں کی جماعت کے ساتھ روانہ کیا اور اس نے جنات کو زمین سے مار مار کر پہاڑوں اور جزیروں میں نکال باہر کیا۔ اس کام کے صلے میں عزازیل کو زمین اور پہلے آسمان کی حکومت عطا کر دی اور جنّت میں فرشتوں کا معلم بنا دیا۔ اتنے اعزاز حاصل کرنے کے بعد اس میں فخر پیدا ہوا اور خود کو فرشتوں سے افضل سمجھنے لگا حالانکہ ایسا نہ تھا۔ چنانچہ جب انسان کو خلیفہ بنانے کا اعلان کیا گیا تو اس سے مراد یہ تھی کہ سب کو اپنے مقام کا علم ہو جائے اور فرشتوں کے ردِّ عمل کی وضاحت ہو جائے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے عزازیل کافر قرار دیا گیا۔ اس نے زمین اور جنت میں سخت عبادات میں وقت گذارا لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں اسکی عبادت قبول نہ تھی۔

فرشتوں کی عبادت کا ان کو کوئی صلہ ملتا ہے نہ ہی انکے درجات بلند ہوتے ہیں لیکن ایک سجدہ جو آدم علیہ السلام کو کیا گیا وہ لاکھوں سجدوں کا خلاصہ تھا کیونکہ اس نے حق اور باطل کو الگ کر دیا۔ شیطان نے اپنی شان کو بلند کرنا چاہا اور ایک سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے نیچے گرا دیا گیا اور اسکے لاکھوں سجدے مردود کر دیئے گئے۔ (نعیمی)

علتِ ابلیس اَنَا خیرٌ بداست　　　　ایں مرض در نفسِ ہر مخلوق ہست

(ابلیس کا یہ مرض کہ میں سب سے بہتر ہوں بُرا ہے، لیکن یہ مرض ہر مخلوق کے دل میں موجود ہے)

شیطان کی بحث

سورہ اعراف آیت ۱۶ میں قَالَ فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ میں قَالَ کے چار معنی کئے جاتے ہیں فرمانا، عرض کرنا، کہنا، بکواس کرنا اس آیت میں قال کے یہی آخری معنی لئے جاتے ہیں۔ اس نے یہ بکواس کی کہ الٰہی تو نے مجھے کس وجہ سے گمراہ کر دیا میں نے تو کوئی گمراہی کی بات نہیں کی۔ اور میں تیرا عبادت گزار رہا ہوں۔ اسکا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مجھے تیرے گمراہ کرنے کی قسم ہے میں اولاد آدم کو بہکاؤں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسکے معنی یہ ہیں کہ تو نے مجھ سے گمراہی پیدا فرما دی۔ اس کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ تو نے مجھے نقصان میں ڈال دیا اور ایک سجدہ نہ کرنے سے میرے سارے سجدے برباد کر دیئے۔ (روح المعانی) اور آیہ کریمہ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ کے معنی ہیں کہ میں انکی تاک میں چوروں ڈاکوؤں کی طرح تیرے سیدھے راستہ پر آنیوالوں کی راہ میں بیٹھوں گا جب میرے داؤ میں آئیں گے تو ان پر حملہ کر دوں گا۔ اس نے مخلص بندوں کے سوا کسی کو معاف نہیں کیا۔ نبی ہو یا ولی، اور مخلص بندے وہ ہیں جو اللہ کے حکم کو ادا کرنے میں اپنی جان پر بھی کھیل جاتے ہیں۔

اس نے یہ بھی کہا کہ میں بندوں پر آگے پیچھے دائیں بائیں یعنی چاروں طرف سے ان پر حملہ کر دونگا۔ کیونکہ ان چاروں طرف سے دوست آتے ہیں اس لئے دوستوں کے راستے سے آؤں گا، اوپر اور نیچے کا نام نہیں لیا۔ کیونکہ اوپر سے رحمت اور نیچے سے عاجزی آتی ہے (تفسیر کبیر)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ آگے کا مطلب کہ آخرت سے غافل کرتا ہے پیچھے سے مراد دنیا ہے جس میں الجھا دیتا ہے۔ دائیں طرف سے مراد ایمان اور عبادت جناچہ اس سے ہٹاتا ہے بائیں سے مراد گناہ میں پھنساتا ہے۔ حضرت شفیق فرماتے ہیں کہ آگے کا مطلب یہ ہے کہ شیطان یہ کہتا ہے کہ اللہ سے نہ ڈر اللہ غفور الرحیم ہے حالانکہ وہ غفار ان کیلئے ہے جو توبہ کرے ایمان لائے اور عمل صالح کرے اِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا پیچھے سے یہ کہہ کر

ڈرانا ہے کہ اگر صدقہ خیرات کردیا تو بچے بھوکے مر جائیں گے مگر قرآن کہتا ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا دائیں طرف سے مراد یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ تو بڑا صوفی اور عاقل ہے لیکن قرآن کہتا ہے کہ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ یعنی اگر تو متقی نہیں تو کچھ بھی نہیں اور بائیں طرف سے شہوت میں پھنساتا ہے اور قرآن کہتا ہے وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ یعنی رکاوٹ کھڑی کردی جائے گی ان کے درمیان اور جس کی وہ خواہش کرتے رہے (سورہ سبا آیت ۵۴)

ابلیس کے اختیارات

ابلیس نے بندوں کو گمراہ کرنے کے لئے جو اختیارات حاصل کئے ہیں اس کا ذکر علامہ اقبالؒ نے ابلیس کی مجلس شوریٰ بعنوان ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام اور دیگر نظموں میں کیا ہے۔ قرآن حدیث اور مستند روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس حسب ذیل ہتھیاروں سے انسانوں پر حملہ کرتا ہے ۔

۱۔ تکبر کی وجہ سے وہ حق کو ناپسند کرتا ہے اور دوسروں کو حقیر جانتا ہے۔ تکبر، بدخلقی کا دوسرا نام ہے۔ وہ بندوں میں تکبر پیدا کرتا ہے اور ایک دوسرے سے لڑا دیتا ہے۔

۲۔ اس کی عمر نفخہ اول تک طویل ہے۔ (جب صور پھونکا جائے گا)

۳۔ یہ دائیں بائیں آگے پیچھے سے حملہ کرتا ہے۔

۴۔ آواز، گانا، گالی گلوچ، لغویات، مال و دولت اور اولاد کے ذریعے اپنے لشکر سے حملہ کرواتا ہے۔

۵۔ اکیلا سب کے پاس پہنچتا ہے اور بہ یک وقت کروڑوں جگہوں پر بہکا سکتا ہے۔

۶۔ ابلیس اور اس کی اولاد ہم سب کو دیکھتی ہے جبکہ ہم انہیں نہیں دیکھتے۔ کسی پر تصرف کرنے کے لئے تین باتیں ضروری ہیں (i) جس پر تصرف کرے وہ سامنے ہو (ii) اس کے پاس آسکے اور (iii) اس میں تصرف کرسکے۔ شیطان کو یہ تینوں حاصل ہیں مگر انبیاء اور اصفیائے کرام کو اپنی طاقت سے متاثر نہیں کرسکتا۔

۷۔ یہ جہاں کہیں بھی ہو (زمین پر ہو تو آسمانوں میں اور آسمانوں سے زمین پر) وسوسے ڈال سکتا ہے اور ہر شخص کے سینے میں بلکہ ایک ایک رگ میں گھوم سکتا ہے۔

روایات میں ہے کہ شیطان نے ایک بار حضرت موسیٰ سے عرض کی کہ آپ مقبول بارگاہِ الٰہی ہیں آپ اللہ تعالیٰ سے مجھے معافی دلوا دیں اللہ تعالیٰ نے اس کی درخواست کو قبول کیا لیکن

اس شرط پر کہ وہ آدم علیہ السلام کی قبر کو سجدہ کردے ابلیس بات کو سن کر اس نے کہا کہ جب آدم زندہ تھے اُس وقت میں نے سجدہ نہیں کیا تو اب مردہ حالت میں اُن کو کیا سجدہ کروں۔ اس ہمدردی اور احسان کے بدلے میں اس نے موسیٰؑ کو بتایا کہ میں تین وقتوں پر آدم کو بہت خراب کرتا ہوں ایک غصہ کی حالت میں جو چاہوں انسان سے کروا لیتا ہوں دوسرے جہاد میں کہ میں غازی کو گھر بار یاد دلاتا ہوں اور جہاد سے روکتا ہوں اور تیسرے یہ کہ غیر عورت کے ساتھ خلوت کے موقع پر اس سے زنا کروا لیتا ہوں۔ روایات میں ہے کہ ایک لاکھ سال جہنم میں رہنے کے بعد ابلیس کو کہا جائے گا کہ اب بھی توبہ کر لے اور آدم کو سجدہ کرے لیکن وہ پھر نہ مانے گا چنانچہ دوبارہ جہنم میں جھونک دیا جائے گا اس کا یہ انکار اس لئے ہے کہ اس کی فطرت میں اَبٰی وَاسۡتَکۡبَرَ ہے۔ اِبٰی ا بٰیؔ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں دانستہ طور پر بلا وجہ انکار کردینا۔ علامہ اقبالؒ نے ابلیس کے حربوں کے متعلق بہت سی نظمیں تحریر کی ہیں چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ابلیس جبرئیلؑ کو مخاطب کرکے کہتا ہے۔ ؏

؏ ہے مری جرأت سے مشتِ خاک میں ذوقِ نمو — میرے فتنے جامۂ عقل و خرد کا تار و پُو

دیکھتا ہے تو فقط ساحل سے رزمِ خیر و شر — کون طوفاں کے طمانچے کھا رہا ہے؟ میں کہ تُو؟

خضر بھی بے دست و پا الیاس بھی بے دست و پا — میرے طوفاں یم بہ یم، دریا بہ دریا، جُو بہ جُو

گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھ اللہ سے — قصۂ آدم کو رنگیں کر گیا کس کا لہو؟

میں کھٹکتا ہوں دلِ یزداں میں کانٹے کی طرح — تو فقط اللہ ھو، اللہ ھو، اللہ ھو

ابلیس اپنی مجلسِ شوریٰ میں اپنے مشیروں سے کہتا ہے۔ ؎

ہے مرے دستِ تصرف میں جہانِ رنگ و بو — کیا زمیں، کیا مہر و مہ، کیا آسمانِ تُو بہ تُو

دیکھ لیں گے اپنی آنکھوں سے تماشا غرب و شرق — میں نے جب گرما دیا اقوامِ یورپ کا لہو

کیا امامانِ سیاست، کیا کلیسا کے شیوخ — سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک ہُو

کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد — یہ پریشاں روزگار، آشفتہ مغز، آشفتہ مُو

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اُس اُمت سے ہے — جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو

خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ — کرتے ہیں اشکِ سحرگاہی سے جو ظالم وضو

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا — رُوحِ محمدؐ اُس کے بدن سے نکال دو

اہل ذوق حضرات کلیاتِ اقبال (فارسی اور اردو میں) اشاریہ کی مدد سے ابلیس پر لکھے گئے تمام اشعار کا مطالعہ کر سکتے ہیں یہاں زیادہ اشعار کا نقل کرنا تنگیٔ قرطاس کا سبب بنے گا۔

علامہ اقبال جاوید نامہ میں شاہ ہمدان سے پوچھتے ہیں کہ شیطان کو کیوں انسان پر مسلط کیا گیا۔

از تو خواہم سِرِّ یزداں را کلید طاعت از ما خواست و شیطاں آفرید

(ہم آپ سے خدا کے اس بھید کی کلید چاہتے ہیں کہ، خدا ہم سے تو اطاعت چاہتا ہے اور ساتھ ہی شیطان کو پیدا کر دیا ہے)

شاہِ ہمدان نے بتایا کہ خدا ضرر (نقصان) سے نفع پیدا کرتا ہے اور شر سے خیر کو نکالتا ہے اگر انسان اپنی خودی کو قائم رکھے تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔

بندۂ کز خویشتن دارد خبر آفریند منفعت را از ضرر

(وہ بندہ جو اپنی خودی سے آگاہ ہے، شر آمیز چیزوں سے منفعت حاصل کر سکتا ہے)

بزم با دیو است آدم را زوال رزم با دیو است آدم را جمال

(شیطان سے دوستی میں انسان کا زوال ہے، اور اس سے جنگ کرنے میں اسے جمال حاصل ہوتا ہے)

شیطان کس پر حملہ کرتا ہے

شیطان کا قابو ان لوگوں پر ہے جو ایمان کی چاشنی سے خالی ہوں۔ ایمان اس سے بچنے کا قلعہ ہے، تقویٰ اس کے خلاف ہتھیار ہے۔ مومن، متقی، مومن فاسق، کافر بدکار اور کافر نیک کا شیطان سخت دشمن ہے۔ ان سے ڈرتا ہے اور جلتا بھنتا بھی ہے۔ مجاہدؒ نے لکھا ہے کہ شیطان کہتا ہے کہ ہم سب کو دیکھتے ہیں ہم کو کوئی نہیں دیکھتا ہم کسی کے قابو نہیں آتے چپکے سے نکل جاتے ہیں۔ ہم بوڑھے ہو کر پھر جوان ہو جاتے ہیں (کبیر، صاوی، خازن)

شیطان بدکاروں (کفار، ظالم حاکم، غنی متکبر، سود خور تاجر اور خائن وغیرہ) کا دوست ہے اور نیکوں (عادل حاکم، سچے تاجر، نیک عالم، توبہ کرنیوالوں، اچھے اخلاق والوں، عامل قرآن اور تہجد گزاروں وغیرہ) سے ڈرتا ہے شیطان کہتا ہے کہ استغفار کرنے والے تو میری کمر توڑ دیتے ہیں یعنی جب وہ ان کو گمراہ کرتا ہے اور وہ استغفار کرتے ہیں تو شیطان کے چنگل سے نکل جاتے اور بار بار استغفار سے اس کی کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ صوفیائے کرام کا قول ہے کہ جس

عالم کا کوئی بے دین دشمن نہیں ہوتا وہ خود بے دین ہوتا ہے۔ بُری نظر، حرام کلام، حرام طعام اور لوگوں کے ساتھ زیادہ اختلاط سے شیطان انسان پر غلبہ پالیتا ہے۔ عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم، گریہ و زاری اور محبتِ خدا سے ابلیس شکست کھا جاتا ہے جب محبت دل (کے ایک سیاہ دانہ جیسے حصے سو داء کہتے ہیں) میں آجائے اور اس کے اندرونی حصے فواد میں قرار پا جائے تو کسی بات سے نہیں نکلتی۔ اس سے باہر اگرچہ دنیا کی محبت ہو سکتی ہے مگر فواد میں نہیں جا سکتی۔ کفار کے فواد میں شیاطین بستے ہیں اس لئے لامکانی وسعت کھو بیٹھے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ کوئی بسم اللہ پڑھ کر بیت الخلاء میں جائے تو شیطان اس کا ستر نہیں دیکھتا۔ جس عضو پر تجلی ایمان کم ہو وہیں سے حملہ کرتا ہے اور انسان کے خون کے ساتھ گردش کرتا ہے قصدِ اولاد کے لئے مباشرت سے پہلے دعا پڑھی جائے تو اولاد نیک ہوتی ہے۔

بندوں کی شیاطین پر گرفت

ابلیس سب شیاطین کا سردار ہے اور قرین وہ شیطان ہے جو ہر بندے کے ساتھ ہر وقت رہتا ہے شیاطین نظر نہیں آتے مگر اللہ کے خاص بندے ان کو دیکھ لیتے ہیں اور جب انسانی شکل میں ہوں تو نظر آ جاتے ہیں۔ تفسیر صاوی میں ہے کہ فرشتے اور جنات دونوں مختلف شکلیں اختیار کر سکتے ہیں فرشتے اچھی شکل اختیار کرتے ہیں اگر جنات اور شیاطین کتے، بلے سانپ وغیرہ کی شکل میں بھی آ سکتے ہیں۔

احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان پیدا کیا جاتا ہے حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی ایک شیطان تھا مگر وہ آپ کا تابعدار ہو گیا تھا۔ اعتدال سے زیادہ یا حرام اشیاء کے کھانے پینے کی چیزوں کے ساتھ شیطان جسم کی رگ رگ میں داخل ہو جاتا ہے اور غافل لوگوں کے دلوں پر اپنی چونچ رکھ کر مسلط ہو جاتا ہے اور طرح طرح کے وسوسے پیدا کرتا ہے۔ شیطان کا کام ہے کہ وہ اچھی باتوں کو بھلا دیتا ہے، بندوں کو اُکساتا ہے اور جب کوئی کسی کو نیکی کی طرف تلقین کرے تو اپنے سر پر خاک ڈالتا ہے۔ اسی لئے ایک فقیہہ (مبلغ) سو عابدوں پر بھاری ہوتا ہے (مبلغین کا ابلیس سخت دشمن ہے) کوئی عورت بازار سے گزر جائے تو لوگوں کو اس کی طرف فتنہ بن کر مائل کرتا ہے۔ نماز پڑھنے والوں کے دلوں میں سُستی اور غفلت پیدا کرتا ہے۔ بعض اوقات تو دین کے مسئلوں سے گمراہ کر دیتا ہے کسی کو کہتا ہے کہ تو تو دکھاوے کی نماز پڑھتا ہے، ایسی نماز سے کیا فائدہ؟ کسی کو کہے گا کہ جب دل میں وسوسے آتے ہوں تو نماز نہ پڑھنا بہتر ہے۔ کسی پر غلط قسم کی توحید پیش کر

کے گمراہ کردیتا ہے کبھی قرآن کی تفسیر میں غلط تاویل پیش کرتا ہے مگر راسخ العقیدہ صالح بندے اور اولیائے کرام سے دُور بھاگتا ہے۔

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ہم نے شیطان کو پکڑ لیا تھا اگر اُسے باندھ دیتے تو مدینے کے بچے اُس سے کھیلتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایکبار اس کو ستون سے باندھ دیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو تاکہ یہ اپنا کام کرے اور ہم اپنا کام کریں، حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس جن کام کرتے تھے کیونکہ آپ کی حکومت جنوں پر بھی تھی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی شیطان کو پکڑ لیا تھا اور خوشامد کرکے چھوٹا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَفِرُّ مِنْ ظِلِّ عُمَرَ (رضی اللہ عنہ) شیطان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سائے سے ڈرتا ہے گویا جہاں اُنہیں آتا ہُوا دیکھتا تو راستہ چھوڑ جاتا تھا)۔

جنات کے لئے جنت نہیں کچھ جنات جہنم میں جائیں گے باقی ختم ہو جائیں گے۔ فرشتے اور نیک جن جنت میں نہیں جائیں گے مگر فرشتوں کو صرف خدمت کے لئے جنت میں رکھا جائے گا۔

ابلیس کے ہتھکنڈے

ابلیس نے انسان کو ہتھیانے کے لئے عجیب عجیب ہتھکنڈوں کا استعمال رائج کیا ہے۔ اگر ان ہتھکنڈوں کی پوری تفصیل بیان کی جائے تو یہ ایک طویل داستان پر مشتمل ہو گی چنانچہ چند ایسے طریقے بیان کئے جائیں گے جن سے شیطان بندوں پر قابو پاتا ہے۔ اختصار کے پیش نظر ایسے واقعات کا صرف خلاصہ ہی بیان کیا جائے گا تاکہ مقصد بھی پورا ہو جائے اور لوگوں کو اس سے بچنے کا طریقہ بھی معلوم ہو سکے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے شیطان کا بنیادی کام ہی دھوکہ دینا ہے چنانچہ اس کے سب ہتھکنڈے محض دھوکہ دہی پر استوار ہوتے ہیں۔ چند نمونے ملاحظہ کریں:۔

۱۔ ابلیس نے بڑے بڑے علماء اور دینداروں کو عورتوں کے چکر میں گرفتار کیا جن میں سے برصیصا کا واقعہ مشہور ہے بلعم بعور کو موسیٰ علیہ السلام کے خلاف اُکسایا اپنی طرف سے جھوٹی وحی نازل کرکے بہت سے لوگوں کے ہاتھوں نبوت کے دعوے کروائے حتی کہ کچھ لوگوں نے خدائی کے دعوے بھی کئے کسی نے مسیح موعود کا دعویٰ کیا، کسی کے لئے نماز، روزے کی عبادت معاف کروا دی اور یوں کہا کرتا ہے کہ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ عابد سے عبادت اُٹھ جاتی ہے کسی کو یہ دھوکا دیا کہ احادیث غلط ہیں ان کو نہ مانو، کسی کے لئے جہاد معاف کر دیا گیا، کسی کو

یہ کہا نماز تو دل سے ادا ہوتی ہے اعضاء سے نہیں چنانچہ جس کا دل نماز میں رہے اس کے لئے کسی نماز کی ضرورت نہیں اور کسی کو اولیائے کرام اور تصوف کے خلاف اکسا دیا تاکہ دین اسلام کی یہ ترو تازہ شاخ کٹ کر رہ جائے غرضیکہ اس شیطان کا جال اس قدر وسیع ہے کہ اس کا احاطۂ بیان میں آنا مشکل ہے۔

۲۔ یہ قصہ تو بہت مشہور ہے کہ کسی بزرگ نے ابلیس سے پوچھا کہ تم لوگوں کو کس طرح آپس میں لڑا دیتے ہو تو اُس نے کہا کہ ذرا ٹھہر و اور ایک کا خود ہی مشاہدہ کر لو۔ اُس نے حلوائی کی دکان سے شیرے میں اُنگلی ڈبوئی اور دیوار پر شیرہ چپکا دیا۔ اس پر مکھیاں آئیں مکھیوں پر چھپکلی لپکی اور چھپکلی پر ایک بلی آئی اور اس بلی پر راہ گیر کا کتا لپکا۔ اس کشمکش میں کچھ سامان خراب ہو گیا نتیجۃً کتے کے مالک اور حلوائی میں لڑائی ہو گئی جو بعد میں خاندانی جنگ کی صورت اختیار کر گئی۔ ابلیس کا کام صرف برائی کا ابتداء کرنا ہے جس کی وجہ سے نوبت بڑی برائیوں تک پہنچ جاتی ہے۔

۳۔ کہتے ہیں کہ عرب میں جہالت کے زمانے میں ایک میلے کے موقعے پر کسی قبیلے کے ایک آدمی نے چلتے راستے پر اپنی ٹانگ دراز کر دی اور کہنے لگا کہ اگر کسی کی طاقت ہے تو اس ٹانگ کو راستے سے ہٹا دے۔ ایک اور سر پھرا آیا اس نے تلوار نکال کر اس کی ٹانگ الگ کر دی اور گزر گیا۔ اس کی وجہ سے دونوں قبیلوں میں جنگ ہوئی اور سینکڑوں آدمی مارے گئے یہ سب شیطان کے پھیلائے ہوئے ڈھونگ ہیں اور وہ لوگوں میں اس طرح برائی کو عام کرتا ہے۔

۴۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی ابتدائی ریاضتوں کا قصہ بہت مشہور ہے کہ جب ایک دن جنگل میں وہ ٹھنڈے پانی کی طلب دل میں محسوس کر رہے تھے کہ اتنے میں ابلیس نے فوراً ایک کوزہ پانی کا سامنے لا کر رکھ دیا اور ساتھ ہی بادل بھی نمودار ہو گئے۔ ان بادلوں میں آپ نے ایک نورانی چہرہ دیکھا جو کہہ رہا تھا اے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ہم تمہاری عبادت سے بہت خوش ہیں اور آج کے دن کے بعد ہم نے اپنی تمام عبادات کا بار تم سے اُٹھا دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے فوراً یہ سمجھ لیا کہ جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عبادت معاف نہ ہوئی تو یہ آواز سوائے شیطان کے اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ جب آپ نے لاحول پڑھا تو یہ بادل، ٹھنڈی ہوا اور پانی کا کوزہ سب کچھ غائب ہو گئے۔ ابلیس نے پھر آواز دی اے شیخ میں نے اس مقام پر بہت سے

اولیائے کرام کو گمراہ کیا ہے مگر تم اپنے علم کی وجہ سے بچ گئے ہو"۔ آپ نے فرمایا" مجھے تو علم کا فریب دینا چاہتا ہے اے لعنتی دُور ہو جا! مجھے میرے علم نے نہیں بلکہ محض میرے خدا کے فضل نے ہی بچایا ہے" (علم کا گھمنڈ دے کر ابلیس تکبر پیدا کرنا چاہتا تھا مگر آپ بچ گئے)

۵۔ کہتے ہیں کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے ابلیس پر ایوب علیہ السلام کی تعریف بیان کی تو اُس نے کہا کہ اے الٰہی! ایوب علیہ السلام اس لئے شکر گزار ہیں کہ اُن کو تُو نے مال و دولت اور اولاد سے نوازا ہے چنانچہ ایک ایسا طوفان آیا کہ ایوب علیہ السلام کا سب کچھ تباہ ہو گیا اور اولاد بھی نہ رہی۔ ابلیس نے کہا کہ الٰہی سب کچھ چھین لینے پر بھی یہ شکر اس لئے کر رہے ہیں کہ ان کو تندرستی تو میسّر ہے اور یہ تندرستی ہزار نعمت کے برابر ہوتی ہے چنانچہ آپ سے صحت بھی چھین لی گئی اور آپ پھر بھی عبادت گزاری اور شکر گزاری پر قائم رہے۔ کچھ لوگ مال و دولت کے چھن جانے پر ناشکری کا اظہار کرنے لگتے ہیں اور جب کوئی نعمت چھن جائے تو ابلیس ایسے لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کر دیتا ہے سوائے اللہ کے خاص بندوں کے۔ اس کے علاوہ ابلیس کی یہ عادت ہے کہ بدفعلی کرنیوالوں کی مدد کرتا ہے نیکی کرنے والوں کی راہ پر بیٹھ جاتا ہے اور مبلغوں کی زندگی دوبھر کر دیتا ہے تاکہ لوگوں کی اصلاح نہ کریں اور لوگوں کو اُن کی مخالفت پر قائم کر دیتا ہے۔

۶۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑھتی ہوئی اشاعتِ اسلام کو روکنے کے لئے ابلیس نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور شیخ نجدی کی شکل میں آکر لوگوں کو اسلام کی اشاعت میں رکاوٹ اور تدارک کے طریقے بتایا کرتا تھا عرب کے بارہ قبیلوں کے ۲۴ افراد کے ہاتھوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کی تدبیر بھی اسی لعین نے پیش کی تھی جو کامیاب نہ ہو سکی گویا انسانی شکل میں آکر یہ کافروں منافقوں، فاسقوں کی برائی کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

۷۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب خانہ کعبہ کے بتوں کو توڑ دیا تو ابلیس نے ہی آپ کو آگ میں ڈالنے کی تدبیر پیش کی تھی تاکہ آئندہ کوئی شخص بتوں کی بے حرمتی نہ کر سکے۔ جب آگ جلائی گئی تو اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈالنا ایک مشکل امر تھا کیونکہ آگ کی لکڑیوں کی بلندی انسانی پہنچ سے باہر تھی، چنانچہ ابلیس نے انسانوں کو منجنیق کا پہلی بار تخیل دیا اور کہا کہ ان کو منجنیق میں ڈال کر آگ میں پھینکا جائے۔ مگر جب منجنیق کی رسیوں کو ہلانا انسانی طاقت سے باہر ہو گیا

تو ابلیس کو پھر بلایا گیا اُس نے کہا کہ ان رسیوں کو فرشتوں نے پکڑ رکھا ہے اور اگر تم یہاں کوئی بے غرتی کا عمل کرو گے تو فرشتے بھاگ جائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ رسیاں ہلنے لگیں اتنے میں جبریل علیہ السلام اپنی مدد کی پیشکش لے کر آئے اور کہا اگر کوئی حکم ہو تو بتلائیں ابراہیم علیہ السلام نے آپ کو جواب دیا وَ اَمَّا لَكَ فَلَا یعنی اے جبریل مجھے تیری اعانت کی ضرورت نہیں۔ اس پر جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ اے خلیل اللہ اپنے رب سے اپنے بچاؤ کی دعا تو مانگیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا حسبی من سوالی علمہٗ بحالی (یعنی جب وہ میرے حال کو جانتا ہے تو مجھے عرض کرنے کی کیا ضرورت ہے) جب منجنیق سے ابراہیم علیہ السلام کو پھینک دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا کہ آپ کے لئے سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو جائے۔ جبریل علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب مجھے یہ حکم ملا کہ ابراہیم علیہ السلام کو بچاؤ تو میں نے جنت سے ایک صندل کی چوکی لا کر اس میں ابراہیم علیہ السلام کو بٹھا دیا اور چونکہ جنت پر آگ حرام ہے اس لئے آگ آپ کے لئے سرد ہو گئی۔ شیطان ہمیشہ اپنی فریب کاری کا بندوبست مکمل کرتا ہے لیکن بندوں کا حال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح ہو تو اس کا داؤ نہیں چلتا۔

۸۔ اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کا واقعہ مشہور ہے وہ کس طرح اسمٰعیل علیہ السلام اور اُن کی والدہ کو بہکاتا رہا اور آج بھی حج کے ایام میں شیطان کو کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ اس قصے کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

۹۔ ــــــ جب طوفانِ نوح آیا تو ابلیس گدھے کی شکل میں آکر حضرت نوح علیہ السلام سے اجازت طلب کرنے کے بعد کشتی میں آیا اور عرض کرنے لگا کہ حضرت آپ نے یہ بددعا کیوں مانگی جس کی وجہ سے طوفان رونما ہوا اور سب لوگ ہلاک ہو گئے۔ اس تباہی کے باعث آپ کا تبلیغی کام بھی بند ہو گیا اور میرا شیطانی کام بھی چوپٹ ہو گیا؟ روایت میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو ابلیس کی اس بات پر بہت افسوس ہوا اور اپنی بددعا پر پشیمان ہو کر بہت روئے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ابلیس کو توبہ کی پیشکش کی تو ابلیس توبہ پر آمادہ ہو گیا۔ اس پر حضرت نوحؑ نے فرمایا کہ تم آدم علیہ السلام کی قبر پر جا کر سجدہ کر دو تو یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرما دیں گے لیکن وہ اس شرط پر رضامند نہ ہوا اور کہنے لگا کہ جب آدم علیہ السلام زندہ تھے تو میں نے سجدہ

نہیں کیا! اب اُن کے مُردہ جسم کو کس طرح سجدہ کر سکتا ہوں؟

۱۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ نے ابلیس کو دیکھا کہ موٹی موٹی رسیاں بنا رہا ہے پوچھا کہ یہ کس لئے بنا رہے ہو تو جواب دیا کہ یہ اولیائے کرام کے لئے پھندے تیار کر رہا ہوں حضرت بایزیدؒ بہت حیران ہوئے اور پوچھا کہ میرے لئے کون سی رسّی تیار کی ہے؟ اس نے بہت زور سے قہقہہ لگایا اور کہا کہ تم بھی اپنے آپ کو بہت بڑے ولی سمجھتے ہو؟ تم تو ہمارے کسی شمار میں نہیں ہو یہ تو بہت اعلیٰ پایہ ولیوں کو پھانسنے کیلئے پھندے تیار کر رہا ہوں۔ (چھوٹے موٹے بندے اس کی نگاہ میں نہیں ہوتے) آپ نے پوچھا تو پھر یہی بتا دو کہ یہ رسّی کون سے ولی کے لئے تیار ہو رہی ہے کہنے لگا کہ فلاں ملک میں فلاں پہاڑ پر فلاں نامی بزرگ کے لئے یہ پھندہ تیار ہو رہا ہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ تلاش کے بعد جب میں اس جگہ پہنچا تو پہاڑ کی چوٹی پر وہ بزرگ نمودار ہوئے اور دور سے میرا نام پکار کر کہنے لگے "اے بایزیدؒ واپس چلے جاؤ تمہیں ہم سے قطعاً کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا کیونکہ ہم تو خود چور کی نظر میں ہیں اور جو چور کی نظر میں ہو اس کی صحبت محفوظ نہیں ہوتی۔ حضرت بایزید بسطامیؒ یہ گفتگو سن کر ایک بہت بڑا سبق لے کر واپس آئے۔

۲۔ خواجہ عبدالحکیم انصاری نے بنّوں میں راقم الحروف سے یہ واقعہ بیان کیا کہ انہوں نے بنّوں میں ایک ایم اے پاس عورت (غالباً اس کا نام عطیہ بیان کیا) کو بیعت کیا اور جب وہ مجاہدات میں مصروف ہوئی تو چند روز میں ہی اس عورت کو ایک روشنی نظر آنے لگی جو آخر کار اس سے ہمکلام ہوئی اور ہر روز کچھ نصیحت آمیز کلمات اس کو تحریر کرواتی رہی (مثلاً جھوٹ نہ بولو کسی کا دل نہ دکھاؤ وغیرہ) جب یہ وحی ایک رجسٹر کی شکل اختیار کر گئی تو انصاری صاحب کو وہ رجسٹر دکھایا گیا چنانچہ آپ نے فرمایا کہ آج شام کو جب وحی کا سلسلہ شروع ہو تو مجھے بھی ساتھ لے لینا تاکہ میں اس سے بات کر سکوں۔ چنانچہ انصاری صاحب نے وحی کرنیوالے سے پوچھا کہ تم کون ہو اور یہ کیا لکھوا رہے ہو؟ تو اس روشنی نے جواب دیا کہ ہم اس لڑکی کے رب ہیں اور یہ اس کی ہدایت کے لئے لکھوا رہے ہیں۔ انصاری صاحب نے کہا کیا ہدایت کے لئے قرآن کافی نہیں "آواز آئی کہ قرآن اور بات ہے مگر یہ تو خاص اس عورت کی نصیحت کے لئے ہے" اس پر انصاری نے اسے بُرا بھلا کہا اور کہا کہ دفع ہو جا اور آئندہ کبھی اس عورت کی طرف رُخ نہ کرنا کہتے ہیں کہ اس کے بعد

وہ وحی کا نزول بند ہو گیا اور عورت جھوٹی نبی بنتے بنتے رہ گئی فرماتے ہیں اسی طرح ابلیس نے کئی لوگوں سے نبوت کے دعوے کروائے۔ کاش ایسے جھوٹے نبیوں کا کوئی پیر ہوتا تو وہ نہ بہکتے

۱۲۔ اولیائے کرام کہتے ہیں کہ ابلیس کو اتنی طاقت نہیں کہ وہ کسی کو بدی پر مجبور کرے وہ تو فقط پھسلاتا ہے اور اپنا کام قدم بہ قدم کرتا ہے پہلے مرد و عورت کو ایک دوسرے کو دیکھنے کی خواہش پیدا کرتا ہے، پھر بات کرنے اور پھر پاس جانے پر اکساتا ہے اور بالآخر دونوں کو رسوا کر دیتا ہے ہر خواہش پر کہتا ہے کہ اس میں کیا حرج ہے یہ بات کوئی خاص گناہ تو نہیں اور پھر ایسی حالت میں لا پھینکتا ہے کہ خواہ مخواہ گناہ ہو جائے۔ قیامت کے دن بھی یہی کہے گا کہ میں نے تمہیں مجبور تو نہیں کیا تھا میں نے تو تمہیں بدی کی دعوت دی تھی۔

۱۳۔ امام غزالیؒ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک عابد کو جب یہ معلوم ہوا کہ ایک مقام پر لوگوں نے ایک درخت کی پوجا شروع کر دی ہے تو وہ کلہاڑی لے کر روانہ ہوا تاکہ وہ اس درخت کو کاٹ ڈالے اور پوجا کا یہ سلسلہ ختم ہو۔ راستے میں اس کو انسان کی شکل میں شیطان ملا اور اسے منع کیا کہ درخت نہ کاٹے۔ ان دونوں میں جھگڑا ہوا اور دونوں گتھم گتھا ہو گئے اس شخص نے شیطان کو تین بار چت کر دیا۔ شیطان نے اس عابد کو سمجھایا کہ تم کو درخت میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے اگر روزانہ تکیہ کے نیچے تمہیں تین دینار مل جایا کریں تو تم اس میں سے ایک دینار اپنے لئے ایک دینار فقراء کے لئے اور ایک دینار کسی نیک کام میں صرف کر دیا کرو اور خود رات دن عبادت میں صرف کرو۔ کیا یہ تمہارے حق میں بہتر نہیں، جاؤ اور اپنے لئے نیکی کا سامان اکٹھا کرو۔ وہ عابد مان گیا اور واپس چلا گیا۔ تین چار روز تک وہ دینار تکیے کے نیچے سے نکلتے رہے اور پھر اچانک بند ہو گئے۔ اس عابد کو غصہ آیا اور پھر کلہاڑی لے کر درخت کو کاٹنے کے لئے نکلا مگر راستے میں شیطان سے جب مڈھ بھیڑ ہوئی تو شیطان نے تینوں بار عابد کو چت کر دیا۔ جب اس عابد نے شیطان سے اپنے ہارنے کی وجہ دریافت کی تو شیطان نے کہا کہ پہلی بار جب تم آئے اور لڑے تو یہ لڑائی اللہ کیلئے تھی اس لئے تم غالب رہے مگر دوسری بار تم اللہ کے لئے نہیں بلکہ تین دیناروں کی خاطر مجھ سے الجھ رہے تھے اس لئے کامیاب نہ ہو سکے (شیطان بندوں کو اس طرح فریب دیکر قابو کرتا ہے)۔

۱۴۔ احادیث میں ہے کہ جب کوئی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو شیطان وسوسے پیدا کرتا ہے

اور اُس کی سب سے زیادہ زوردار بات یہ ہوتی ہے کہ وہ نمازی کو کہتا ہے جلدی کر، جلدی کر، تیرا فلاں کام ادھورا ہے، فلاں کام ابھی کرنا ہے اِس جلدی میں وہ نمازی کی نماز میں خشوع خضوع کو ختم کر دیتا ہے۔

۱۵۔ جب کوئی شخص کسی کو وعظ و نصیحت کرتا ہے اور اگر کسی پر اُس وعظ کا اثر ہو جائے تو شیطان اسے کہتا ہے کہ ہاں یہ وعظ والی باتیں تو درست ہیں لیکن تمہارا فلاں کام ٹھیک ہو جائے تو پھر نماز شروع کرنا اور کبھی کہتا ہے کہ کل سے شروع کرنا کیونکہ جوں جوں وقت گزرتا جائے گا اس وعظ کا اثر بھی ختم ہوتا جائے گا اور پھر نماز پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۱۶۔ رشوت خوروں، چوروں اور کالا دھن کمانے والوں کو شیطان کہتا ہے کہ اگر یہ کام نہ کرو گے تو بچوں کا پیٹ کیسے پالو گے اور ان کیلئے اعلیٰ تربیت اور اعلیٰ مکان کیسے حاصل کر سکو گے اپنا پیٹ بھی تو بھرنا ہے اور پھر امیروں کا استحصال کرنا اور اُن کا مال کھانا تو کوئی جرم نہیں، یہ ایسے خیالات ہیں کہ جس سے وہ لوگوں کو بُرائی پر اُکساتا ہے آجکل مہنگائی کی وجہ سے یہ رشوت کو جائز سمجھتا ہے

ابلیس کے گمراہ کن ہتھیاروں کی فہرست بہت طویل ہے طوالت کے خوف سے اسی پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

جنت سے نکلوانے کا واقعہ شیطان کو جب جنت سے نکالا گیا تو اس کے دل میں آدم کی طرف سے سخت حسد پیدا ہو گیا تھا روایات میں ہے کہ جنت سے نکالے جانے کے باوجود اس کا آنا جانا بند نہیں ہوا تھا اور کبھی وہ جنت سے باہر کھڑا ہو کر خبریں لاتا اور کاہنوں کو بتاتا۔ اس کا یہ جانا آنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام میں بند کر دیا گیا منقول ہے کہ اس نے جنت کے دروازے پر مور کو کہا کہ آدم علیہ السلام کو دروازے پر لے آؤ اور سانپ کو کہا کہ مجھے اُٹھا کر دیوار تک پہنچا دو تفسیر عزیزی میں ہے کہ جب آمنا سامنا ہوا تو ابلیس نے آدم سے کہا کہ مجھ سے آپ کی بڑی بے ادبی ہوئی کہ میں نے آپ کو سجدہ نہیں کیا جس کے سبب سے یہ ناچیز ملعون ہو گیا اب میں چاہتا ہوں کہ اس کا کفارہ ادا کر دوں اور آپ کو ایسے مقام پر پہنچا دوں کہ آپ کا غصہ مجھ پر جاتا رہے۔

دورانِ گفتگو ابلیس نے کہا کہ آپ کو جو موجودہ عزت ملی ہے اِس پر

فریفتہ نہ ہو جائیں کیونکہ آخر کار آپ کو موت آنے والی ہے جس سے تمام عیش و آرام ختم ہو جائیں گے۔ آپ نے پوچھا موت کس طرح آئے گی تو ابلیس مردہ جانوروں کی طرح زمین پر گر گیا اور ہاتھ پاؤں مارنے لگا یہ دیکھ کر وہ ڈر گئے اور پوچھنے لگے کہ کیا اس سے بچنے کی کوئی تدبیر ہے تو آدم علیہ السلام کو علم تو تھا مگر اس وقت بھول گئے جیسے فرمایا وَ عَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ یعنی آدمؑ اپنے رب کے حکم میں لغزش ہوئی گویا علم تھا حضور نہ تھا آپ کو علم تھا اور یہ بھی علم تھا کہ ایسا ہونا ہے جیسے حضرت امام حسینؓ کو علم تھا اور فرماتے تھے کہ کوفے جا نہیں رہا بلکہ بھیجا جا رہا ہوں۔ اس کے بعد ابلیس نے کہا کہ شجر خلد کھا لو جس سے ہمیشہ جنت میں رہو گے۔ آپ نے فرمایا یہ تو سلطنت جانے کا شجر ہے اس سے منع فرمایا گیا ہے۔ اس نے کہا کہ اس درخت سے اس لئے منع نہیں فرمایا کہ تمہیں اس سے کوئی نقصان ہو بلکہ اس لئے منع فرمایا کہ کہیں آپ فرشتے نہ بن جائیں اور ہمیشہ جنت میں نہ رہنے لگیں۔ اس نے کہا کہ اللہ نے آپ کو کھانے سے منع نہیں کیا بلکہ قریب جانے سے منع کیا اور کہا کہ لاَ تَقْرَبَ سے مراد ہے کہ آپ قریب نہ جائیں میں آپ کو لا دیتا ہوں اور قسمیں کھائیں کہ میں آپ کی خیر خواہی کر رہا ہوں۔

حضرت آدم علیہ السلام نے سوچا کہ خدا کی جھوٹی قسمیں کون کھا سکتا ہے ان کو یہ خیال نہ رہا کہ اللہ سے پوچھ لیں اور یہی بھول ہو گئی۔ ایسی بھول کبھی طاری ہو جاتی ہے۔ جیسے یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام کو بھیجنے کے وقت اللہ کے سپرد کرنا بھول گئے تھے تو ہجر جدا سہے لیکن ان بزرگوں کی بھول میں بھی رحمت ہوتی ہے جیسے ان کو مصر کی سلطنت ملی۔ اسی طرح گو حضرت آدمؑ جنت سے باہر بھیجے گئے مگر آپ کے درجات بلند کئے گئے اور آپ کو خلعت عطا ہوئی۔ تفسیر عزیزی میں ہے کہ ابلیس نے بی بی حوا کو رضامند کیا اور انہوں نے وہ دانہ کھا لیا۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت آدمؑ کو بھی رضامند کر لیا اور دانہ کھلایا۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام سانپ اور مور کو بھی جنت سے نکال دیا گیا اور کہا کہ ایک خاص مدت تک تمہیں دنیا میں رہنا ہو گا جہاں ایک دوسرے کے ساتھ دشمنی ہو گی۔ اور پھر جنت میں بلایا جائے گا۔

دانہ کھانا خطا اجتہادی تھی

مفسرین کا قول ہے کہ دانہ کھانا گناہ نہ تھا بلکہ یہ خطائے اجتہادی تھی۔ آپ نے سوچا یہ معمولی سی مناہی ہے۔ حسنات الابرار

سیئات المقربون ۔ یعنی ابرار کی نیکیاں مقربین کے گناہوں کے برابر ہوتی ہیں) لیکن ایسی خطا بھی پیغمبروں کی شان کے شایاں نہیں ہوتی۔

اولاد آدم کو نصیحت سورہ اعراف آیت ۱۱تا ۲۷ تک یہ قصہ بنی نوع انسان کو سنایا جا رہا ہے کہ ہم نے آدم کو رشک مہر و ماہ بنایا اور اس میں اپنی روح پھونکی۔ نوری مخلوق کو ان کی تعظیم کے لئے سربسجود کرایا ابلیس نے سجدہ نہ کیا اور اس کی وجہ بھی بیان فرمائی۔ شیطان کے ساتھ مکمل گفتگو کا خلاصہ بھی بیان فرمایا۔ شیطان پر اپنے عتاب کا ذکر کیا۔ اس کے بعد ابلیس نے مہلت مانگی اور اسے مہلت بھی دیدی گئی اور گمراہ کرنے کی طاقت بھی دے دی گئی۔ آدم کے حسد نے اس کو اتنا تو اس باختہ کر دیا کہ وہ اپنے خالق سے ایسی گفتگو کرنے لگا جو ایک معمولی شخص سے بھی روا نہیں اور کہا کہ سجدہ نہ کرنے کے جرم میں تو نے مجھے دھتکارا ہے لہٰذا انسانوں کو میں اپنے مکر و فریب کے شکنجے میں یوں کسوں گا کہ وہ تیرے نافرمان اور میرے فرماں بردار بن جائیں گے۔ وہ اس بات پر سیخ پا ہو رہا تھا کہ اس کو ایسا حکم ہی کیوں دیا جس کی تعمیل نہ ہونے کی وجہ سے وہ گمراہ قرار دیا گیا۔

آدم علیہ السلام کی معافی سورہ بقرہ آیت نمبر ۳۷ میں ارشاد ہے۔

فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ — پس سیکھ لئے اللہ تعالیٰ سے آدم علیہ السلام نے

فَتَابَ عَلَيْهِ ۔ (البقرہ ۳۷) — کچھ کلمات تو اُن کی توبہ کو اللہ نے قبول کیا۔

دانہ کھانے کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے اُن کو کچھ کلمات سکھائے تاکہ وہ مغفرت طلب کریں آپ زمین پر آکر استغفار پڑھتے رہے اور کثرت سے آہ و زاری کرتے رہے اگرچہ حضرت داؤد علیہ السلام کثیر البکاء تھے اور آپ کے آنسو تمام روئے زمین والوں کے آنسوؤں سے زیادہ ہیں۔ مگر حضرت آدم علیہ السلام اس قدر روئے کہ آپ کے آنسو حضرت داؤد علیہ السلام اور تمام اہل زمین کے آنسوؤں سے بڑھ گئے (خازن) آپ نے زمین پر آنے کے بعد تین سو سال تک شرم سے آسمان کی طرف منہ نہ اُٹھایا۔ یہ گریہ و زاری، توبہ، ندامت اور اللہ سے محبت کی وجہ سے تھی۔ مثنوی مولانا رومؒ میں روایت ہے کہ مجنوں نے ایک بار اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ الٰہی مجھے عشق لیلیٰ دے کر اس مصیبت میں کیوں ڈالدیا کہ تمام دنیا میں رسوا ہو گیا ہوں یہاں کی لذتیں سب بھول گیا ہوں۔ جواب ملا۔ عمر

ع عشقِ لیلیٰ نیست ایں کارِ من است ، حسنِ لیلیٰ عکسِ رخسارِ من است

(یہ لیلیٰ کا عشق نہیں بلکہ یہ تو میرا کام ہے ، لیلیٰ کا حسن میرے چہرے کا عکس ہے)

خوش بہ آید نالۂ شب ہائے تو ذوق ہا دارم بہ یارب ہائے تو

(تیری راتوں کی آہ وزاری مجھے بہت پسند ہے ، اور مجھے تیرے یارب کے الفاظ بہت پیارے لگتے ہیں)

یعنی لیلیٰ کا رخسار آئینۂ جمالِ یار ہے۔ روح البیان میں ہے کہ بظاہر حضرت یعقوب علیہ السلام یوسف کی محبت میں رو رہے تھے مگر دراصل انہیں خالقِ یوسف کی محبت رُلا رہی تھی۔ وہ کنعان میں یوسف علیہ السلام کے ہر حال کو دیکھ رہے تھے۔

حاکم، طبرانی، ابو نعیم، بیہقی میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کی گئی ہے کہ جب آدم علیہ السلام پر عتاب ہوا تو آپ فکر توبہ میں حیران تھے۔ اس پریشانی کے عالم میں یاد آیا کہ وقتِ پیدائش میں نے سر اٹھا کر دیکھا تھا کہ عرش پہ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا میں سمجھتا تھا کہ بارگاہِ الٰہی میں یہ رتبہ کسی کو میسر نہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ ان کا نام اپنے نام اقدس کے ساتھ عرش پر مکتوب فرمایا۔ لہٰذا انہوں نے اپنی دعا میں رَبَّنَا ظَلَمْنَا کے ساتھ یہ عرض کیا۔

اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اَنْ تَغْفِرَ لِيْ — میں سوال کرتا ہوں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے کہ مجھے معافی عطا فرما۔

ابنِ منذر کی روایت میں ہے کہ آپ نے یہ دعا فرمائی تو فوراً توبہ قبول ہو گئی۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِجَاهِ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَكَرَامَتِهٖ عَلَيْكَ وَاَنْ تَغْفِرَ لِيْ خَطِيْئَتِيْ۔

یارب میں تجھ سے تیرے خاص بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جاہ و مرتبت کے طفیل اور اس کرامت کے صدقے میں جو انہیں تیرے دربار میں حاصل ہے مغفرت چاہتا ہوں۔

اعترافِ آدم علیہ السلام اور ابلیس کی سرکشی

خلافتِ آدم کے لئے فرشتوں نے پہلے تو یہ ظاہر کیا کہ وہ آدم علیہ السلام سے بہتر ہیں لیکن جب ان پر آدم علیہ السلام کی فضیلت ظاہر ہو گئی تو وہ سجدے کے لئے رضامند

ہو گئے اور یہ نہیں کہا کہ اے اللہ جب تو نے ہمیں اسماء کا علم ہی نہیں دیا تو ہمارا اس میں کیا قصور ہے چنانچہ انہوں نے آدم علیہ السلام کے خلاف بات کر کے پھر رجوع کر لیا اور یہی اصل توبہ ہے۔

دوسری نوبت ابلیس کے ساتھ پیش آئی کہ وہ اس بات پر اڑ گیا کہ وہ آدم سے افضل تھا اس لئے سجدہ نہیں کرے گا چنانچہ اس نے کھلم کھلا انکار کر دیا اور اس انکار کا الزام بھی اللہ پر رکھا اور کہا کہ الٰہی تو یہ نہیں چاہتا تھا کہ میں سجدہ کروں یعنی اس کی گمراہی نعوذ باللہ خدا کی وجہ سے تھی۔ اس انکار، تکبر اور ضد کی وجہ سے وہ مردود قرار دیا گیا۔

تیسری نوبت آدم علیہ السلام کے ساتھ پیش آئی کہ ان کو اس درخت کے قریب جانے سے منع فرمایا گیا مگر ابلیس نے چالبازی کے ساتھ اس درخت کا دانہ کھانے پر راضی کر لیا۔ جب آدم علیہ السلام سے دانہ کھانے کے بعد جنت کا لباس اتر گیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں پکارا۔ اس وقت ان کی آنکھیں شرم سے جھک گئیں اور لغزش کا اعتراف کر لیا۔ آپ کے اس اعتراف پر اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کیا اور دنیا میں عمر گزارنے کے بعد دوبارہ جنت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر نیت درست ہو تو ہر کوئی اللہ تعالیٰ کو غفور رحیم پاتا ہے۔

آدم کا نزولِ دنیا فرشتوں کو حکم ہوا کہ ان سب کو جنت سے زمین پر اتارو چنانچہ آدم علیہ السلام کو ہندوستان میں سراندیپ کے اس پہاڑ پر اتارا گیا جس کو کوہِ نور کہتے ہیں اور حضرت حوا کو ساحلِ عرب میں جدہ کے مقام پر، مور کو مرج الہند میں اور شیطان کو غیسان کے جنگل میں اتارا گیا جو کہ بصرے سے کچھ فاصلے پر ہے جہاں یاجوج ماجوج کی دیوار پائی جاتی ہے، سانپ کو بجستان یا اصفہان میں اتارا، وہاں ابھی تک سانپ زیادہ ہوتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو کھیتی باڑی کی مشقت ملی۔ حضرت حوا کو حیض و حمل اور کمی عقل میراث میں ملی۔ سانپ کے پاؤں غائب کر دیئے گئے، مور کے پاؤں بدشکل ہو گئے۔ ابلیس کی شکل مسخ کر دی گئی ہندوستان کی زمین اس لئے ہری بھری ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے جسم کے ساتھ جنت کے کچھ پتے آ گئے تھے اور یہ پتے جس درخت پر پہنچے وہ ہمیشہ کیلئے خوشبودار بن جاتا آدم علیہ السلام مختلف قسم کے بیج، تین قسم کے پھل اور حجر اسود

اور وہ عصا جس کی لمبائی دس گز تھی جو بعد میں موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں آیا آپ ساتھ لائے تھے۔ کچھ سونا چاندی اور کھیتی باڑی کے اوزار بھی ساتھ لائے تین قسم کے پھلوں میں سے ایک وہ تھا جو پورے کھائے جاتے ہیں۔ دوسرے جن کا اوپر کا حصہ کھایا جاتا ہے اور گٹھلی پھینک دی جاتی ہے تیسرا جن کا چھلکا پھینک دیا جاتا ہے اور اندرونی حصہ کھایا جاتا ہے۔

جب آپ زمین پر آئے تو سخت گھبرا گئے۔ جبرئیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے بلند آواز سے آذان کہی جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی سنا تو طبیعت سنبھل گئی اور وحشت دور ہوئی ان تمام واقعات کو شاہ عبدالعزیزؒ نے بہت تفصیل کے ساتھ جمع فرمایا ہے جن کو مکمل طور پر بیان کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔

آدمؑ اور ابلیس کی اللہ تعالیٰ سے گفتگو

حضرت جبید بن عمیرؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ ابلیس لعین نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ الٰہی تو نے مجھے آدم کی وجہ سے جنت سے نکالا اور میں اسکا کچھ نہیں بگاڑ سکوں گا مگر تیری طاقت کیساتھ حق تعالیٰ نے فرمایا تجھے ہماری طرف سے طاقت دی گئی۔ اس نے پھر کہا "الٰہی اور طاقت دے" فرمایا جسقدر آدم کے بچے پیدا ہوں گے تیرے بھی اتنے ہی بچے پیدا ہوں گے" اس نے کہا۔ الٰہی اور طاقت دے فرمایا "میں ان کے سینوں کو تیرا گھر بنادونگا۔ اور تمہیں اتنی طاقت دیجاتی ہے کہ ان کی رگ رگ میں گھوم سکو گے کہنے لگا اور طاقت دیجئے۔ فرمایا ان پر حملہ کر اپنے سواروں اور پیادوں کیساتھ اور ان کے کاموں میں شرکت کر اور جیسے چاہے ان سے وعدے کر اور شیطان کا ہر وعدہ دھوکے کے سوا کچھ نہیں"۔

پھر آدم علیہ السلام نے عرض کیا الٰہی تو نے شیطان کو مجھ پر مسلط کر دیا ہے اور میں تیری امداد کے بغیر اس سے نہ بچ سکوں گا حق تعالیٰ نے فرمایا تیرے ہاں جو بھی بچہ پیدا ہوگا اس کی حفاظت کیلئے میں اپنے محافظ (فرشتے) مقرر کر دوں گا۔ آدمؑ نے عرض کیا الٰہی اور قوت عطا فرما۔ فرمایا ایک نیکی دس نیکی کے برابر ہوگی، بلکہ اس سے بھی زیادہ اور بدی صرف ایک لکھی جائے گی یا اس کو بھی مٹا ڈالوں گا۔ عرض کیا الٰہی اور زیادہ قوت دے۔ فرمایا جب تک جسم میں جان رہے گی، توبہ کا دروازہ کھلا رہے گا۔ پھر عرض کیا الٰہی اور زیادہ قوت دے۔ فرمایا اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا بے شک اللہ تعالیٰ سب کے سب گناہ معاف کر دیگا بے شک وہ سب گناہوں کو معاف کرنے والا اور سب سے زیادہ مہربان ہے۔

اسلام

لغت — اسلام کا مادۂ اشتقاق سَلَمَ ہے جس کے معنی محفوظ رہنے کے ہیں امام راغب اَلسَّلْمُ وَالسَّلَامَۃُ کے معنی ظاہری اور باطنی آفات سے پاک اور محفوظ رہنا لکھتے ہیں قرآن میں بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ (الشعراء ۸۹) یعنی پاک دل کا ذکر آیا ہے یعنی جو پاک دل لے کر آیا وہ بچ جائے گا۔ مراد یہ کہ جو دل دغا اور کھوٹ سے پاک ہو وہ سلامتی باطن کو ظاہر کرتا ہے اور ظاہری عیوب کی سلامتی کے لئے فرمایا مُسَلَّمَۃٌ لَّا شِیَۃَ فِیْهَا (البقرہ: ۷۱) یعنی اس میں کسی طرح کا داغ نہ ہو۔ سلامتی کے چار مفہوم ہیں (۱) خود امن اور سکون پانا (۲) ماننا یا تسلیم کرنا (۳) صلح اور آشتی کا پایا جانا اور (۴) سَلَمَ کا مفہوم عظمت بھی ہے جو اسلام کے علاوہ کسی مذہب میں نہیں کیونکہ سَلَام اونچے درخت کو بھی کہتے ہیں۔ اور سُلَّمٌ سیڑھی کو بھی کہا جاتا ہے ان تمام بلند چیزوں کی طرح اسلام بھی ہر ایک بدخواہ کی دسترس سے باہر ہے۔

اسلام کے لازمی معنی امن و عافیت کو پالینے اور ہر قسم کے خوف و خطرے سے محفوظ ہو جانے کے ہیں چنانچہ مسلمان لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ کی مصداق بن جاتا ہے حدیث شریف میں ہے المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ یعنی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ ہوں (بخاری)

قرآن میں اسلام کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ان تمام آیات کا یہاں بیان کرنا ممکن نہیں مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ تمام معنی اپنے اللہ تعالیٰ کے وصفِ اسلام کے ساتھ موصوف ہونے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت اور سلامتی کے ہونے، جنت عطا کرنے، اچھی بات کہنے، مروجہ دعاء سلام کہنے، شر سے سلامتی ہونے، صلح و آشتی پر مائل ہونے، صحیح سالم ہونے، کسی کا غلام ہونے اونچے درخت یا سیڑھی کا ہونے، قضاء و قدرِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے، رضاء الٰہی کے تابع ہونے، فرماں بردار رہنے وغیرہ کے لئے استعمال ہوا ہے۔

اصطلاحی تعریف — اصطلاح میں اسلام اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت، اقامتِ صلوٰۃ، ادائے زکوٰۃ (بہ شرطِ نصاب)، صومِ رمضان کا رکھنا اور بشرطِ استطاعت

حج کرنے کا نام ہے یہ پانچ اسلام کے ارکان کہلاتے ہیں اور ارکانِ اسلام کی عملی تصدیق کرنا اسلام کہلاتا ہے حدیث جبریل علیہ السلام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اسلام یہ ہے کہ تو اس امر کا اعتراف کرے اور شہادت دے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں اور (پھر) تو نماز کو ادا کرے، زکوٰۃ دے، رمضان کے روزے رکھے، اور اگر تجھے زادِ راہ میسر ہو (تو) خانہ کعبہ کا حج کرے۔

اسلامی نظریات

نظریہ ایک عظیم قوت ہے۔ جس قوم یا مذہب کا کوئی نظریہ نہیں اس کی کوئی قوت نہیں۔ مسلمانوں کا نظریۂ ایمان ہی ان کی سب سے بڑی قوت ہے۔

اسلام کا نظریۂ حیات اور نظریۂ آخرت اس کے ماننے والوں کو نیک مقاصد کی رہنمائی کرتا ہے۔ اور تمام بدکاریوں سے دور رکھتا ہے۔ اسلام کے مقاصد جاذبِ نظر اور زندہ جاوید ہیں اس کے مقاصد کی طرف آنے سے حیاتِ جاوداں عطا ہوتی ہے۔ اسلامی نظریات مسلمان کو شرافت، رفعت، توازن اور حقیقی عظمت عطا کرتا ہے اور اسلامی نظریات مسلمانوں کے لئے نظام قانون، تعلیم، سیاست، معاشیات اور انسانیت وغیرہ کی بنیادوں کو استوار کرتے ہیں۔

اسلام مسلمان کو سادہ زندگی کی تلقین، لایعنی عقائد سے دوری، امنِ عالم کی کفالت، عظمتِ انسانیت کا درس، موت کی دسترس سے بے خوفی، حسن وصداقت کی حمایت، حقوق کی نگہداشت، دنیا اور دین کی پیوستگی، فرد و ملت میں ربط، روحانی قدروں کی بیداری، تفکر و تفعف فی الکائنات، علوم و فنون کی خدمت، ایمان کے ساتھ استدلال کی مناسبت، اچھوں اور بروں میں تمیز کی راہیں روشن کرتا اور سبق دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے نظریات کے خلاف آج تک کسی ذی عقل انسان نے قلم نہیں اٹھایا، بلکہ ہزاروں مفکروں اور اہلِ قلم نے اس کی مدح سرائی کی ہے۔

قرآن نے ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔ قرآن کو الفرقان اسی لئے کہا جاتا ہے کہ یہ جائز ناجائز، حلال حرام، علوم کی اچھائی برائی، حق و باطل میں فرق بیان کرتا ہے یہ ہمیں دفاع کی قوت اور کمزوری، امن اور فساد میں فرق، جرائم فسق و فواحش کے مقابلہ میں اخلاقِ کریمہ، افلاس کی جگہ خوشحالی، امراض کے بدلے میں صحت، انتشار کے بجائے ربطِ ملت کے فرق کو واضح طور پر بیان کرتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی حکمت اور علم کی خبر دی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر میرے اونٹ کی رسی بھی گم ہو جائے تو میں قرآن سے اس کا پتہ لگا لیتا ہوں۔ ایک عالم اور حکیم کا کہنا ہے کہ دنیا کا کوئی مرض ایسا نہیں جس کا علاج قرآن میں موجود نہ ہو۔ مسلمانوں کے لئے یہ شکر کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے دین کی دولت سے نوازا ہے جس کی مثال کہیں نظر نہیں آتی۔ اے کاش مسلمان دین کو چھوڑ کر بے دینی کی زندگی نہ بسر کریں تاکہ وہ اس دنیا میں اپنا مقام حاصل کر سکیں۔ ایک فرد بھی اگر بے دینی کی زندگی بسر کرتا ہے تو شاید وہ یہ نہیں جانتا کہ وہ اسلام کے چہرے پر ایک بدنما داغ بن کر اسلام کی بدنامی کا سبب بن رہا ہے۔ ایسا شخص روزِ قیامت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا منہ کس طرح دکھائے گا۔

خلاصۂ کلام اسلام مسلمان سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ پورا پورا اسلام میں داخل ہو جائے اور صرف نام کا مسلمان نہ کہلائے۔ یہ بات صرف اسی طرح ممکن ہو سکتی ہے کہ وہ اپنا وقت لغویات میں ضائع نہ کرے بلکہ اسلام کے مخفی خزائن، جو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے نکات کی شکل میں ظاہر کئے ہیں، کو معلوم کرے۔ اُن پر غور و فکر کرے اور اپنی تحقیق کے ذریعے اُن میں سے جو حقائق وہ دریافت کر سکتا ہے آشکار کرے۔

یاد رہے کہ، قومی اصلاح کا راز صرف ایک بات میں مضمر ہے اور وہ یہ کہ قوم کے افراد نماز روزہ کی عبادت پر پابندی حاصل کریں۔ راقم الحروف کا اس بات پر یقین ہے کہ اگر کسی مردِ صالح کی صحبت اختیار کی جائے تو ہر مسلمان نماز کی سیڑھی سے اسلام کے دیگر ارکان اور بلند مقامات تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ اس میں علم، عمل، اور عشق خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی چاشنی پیدا ہو سکتی ہے۔ ایسے اشخاص جلدی اپنے اندر دینی اور دنیاوی انقلاب پیدا کر سکتے ہیں اور معیشت، تحقیق اور تخلیق کے اعتبار سے رفتہ رفتہ پوری دنیا کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے سب سے پہلے جوانوں کی خودی کو بیدار کرنے پر بہت زور دیا ہے۔ جن کا مختصر بیان "ملتِ اسلامیہ کے چراغ" کے عنوان سے ہماری تصنیف "رہنمائے ملت" میں شامل کر دیا گیا ہے۔

اسلام جہاد زندگی ہے دوسری جنگِ عظیم کے اختتام پر لندن کے اخبار ٹیلیگراف نے ایک مضمون لکھا تھا کہ گزشتہ ۲۰ برسوں میں ہم نے اپنے جوانوں کو ٹینس اور گولف سکھایا اور انہیں جہاد

زندگی کے لئے تیار نہیں کیا جس کی سزا ہمیں آج بھگتنی پڑی۔ فرانس کے صدر پتیان نے ۲۲ جون ۱۹۴۰ء والی اپنی ریڈیو کی تقریر میں شکست کی وجہ سامان و سامان کی کمی کو قرار نہیں دیا اور نہایت واضح الفاظ میں کہا کہ یہ شکست ہمیں ہٹلر نے نہیں دی بلکہ ہمارے نوجوانوں نے دی جن کا کام کھانا پینا اور عیش کرنا تھا۔ چنانچہ نوجوان طبقہ کسی قوم کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے اگر ان میں صرف نماز ہی کا شوق پیدا کر دیا جائے تو جلد ہی بلندیوں کی طرف پرواز کر سکتے ہیں۔ نماز ہی دین کا ستون ہے اور یہی جہاد زندگی سکھاتی ہے۔

مذہب سے دُوری

دشمنانِ اسلام کا منصبِ اوّلین مسلمانوں کو اسلام سے دُور رکھنا دشمنانِ اسلام کا دیرینہ منصب ہے۔ غلط لٹریچر بیہودہ لباس، بے گانہ مذہب خیالات، بے دینی کی اساس پر مبنی تعلیم، گستاخ خیالات، کلام اور اظہارِ خیال کی آزادی مذہب کے لوگوں کو تقسیم کر کے ان میں پھوٹ ڈالنا، فرقہ بندی کو ہوا دینا، مختلف قوتوں کا طرف لوگوں کا دھیان منتشر کرنا، روزی کے مسائل پیدا کرنا اور پھر اپنے حامی خیالات والوں کی امداد کرنا، خفیہ سوسائٹیوں کے ذریعہ مسلمانوں میں انتشار پھیلانا، نئے فیشنوں سے عوام کو عریانی اور کھلی مجلس کے دلدادہ بنانا، شراب، سینماؤں اور غلط فلموں سے اخلاق سوز کرنا، ملاؤں، عاملوں، پیروں اور خلافتِ اسلامیہ کے خلاف مہم چلا کر انہیں رسوا کرنا وغیرہ ہم کئی ایسے ہتھیار ہیں جو مسلمان کو مذہب سے دُور لیجانے کی کڑیاں ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر مسلمان بیدار ہو گیا تو دُنیا کے نقشہ سے ان کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ ان دشمنانِ اسلام کی پوری طاقت اِس کام میں مشغول ہے اور بے پناہ دولت مسلمانوں کی گمراہی کی طرف خرچ کی جا رہی ہے۔ تو دہمارے لوگوں کو خرید کر اُن سے ایسے کام کروائے جا رہے ہیں کہ جن سے ملتِ اسلامیہ کو ضعف پہنچے۔ اِس کام کی ابتداء منافقین مکہ اور عبداللہ بن ابی سے ہوئی اور آخر میں مشرق وسطیٰ اور مغربی ممالک نے اس کا بیڑا اُٹھایا۔ لارنس آف عربیہ کے میموائرز دیکھئے کہ اُس نے سلطنت عثمانیہ اور عربوں میں کس طرح پھوٹ ڈالی اور مسلمانوں کے مذہب میں کتنے اختلافات پیدا کر دیئے۔ علامہ

نے ابلیس کی مجلسِ شوریٰ کی عکاسی یوں کی ہے۔

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس اُمت سے ہے — جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
خال خال اِس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ — کرتے ہیں اشکِ سحر گاہی سے جو ظالم وضو
جانتا ہے جس پہ روشن باطنِ ایام ہے — مزدکیت فتنۂ فردا نہیں، اسلام ہے
عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف — ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں
الحذر آئینِ پیغمبر سے سو بار الحذر — حافظِ ناموسِ زن، مرد آزما، مرد آفریں
چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ عالم تو خوب — یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محروم یقیں
ہے یہی بہتر الٰہیات میں اُلجھا رہے — یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں اُلجھا رہے

غیر اسلامی زندگی کی تباہ کاریاں

فرمانِ باری تعالیٰ ہے کہ تم میری سنت میں تبدیلی ہرگز نہیں پاؤ گے وَ لَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبۡدِيۡلًا۔ (الفتح ۲۳)

منقول ہے کہ ایک بزرگ نے کچھ ایسی دعا مانگی جس کے جواب میں اُسے بذریعہ الہام بتایا گیا کہ ایسا سوال مت کرو جس میں ہماری سنت میں تبدیلی کرنا ضروری ہو اور تمہیں معلوم ہے کہ ہم اپنی سنت کو کبھی نہیں بدلتے (اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ) چنانچہ اگر ایک کافر اللہ کے احکام کی پیروی کرتا ہے تو اس کو خدا کا مقررکردہ اجر ضرور ملے گا اور اگر ایک مسلمان بھی نافرمانی کرے تو وہ بھی اس کی سزا پا کر رہے گا۔ کئی بار ایسا ہوا اور بزرگوں نے اِس بات کی تصدیق کی ہے کہ کسی بُرے کام کی سزا خواہ ۳۰ سال کے بعد ملے مگر ملتی ضرور ہے۔ چنانچہ دینی معاملات میں کسی قسم کی کوتاہی کی سزا، آخرت میں تو درکنار دُنیا میں بھی مل جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعدۂ نصرت سے بے عمل لوگ محروم رہ جاتے ہیں اور باعمل کافر دنیا میں سرفراز کئے جاتے ہیں۔

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ عباداتِ الٰہی میں بے شمار، دُنیاوی، اُخروی فوائد مرتب ہوتے ہیں۔ ہماری تصنیف "رُوحِ نماز" میں نماز کے ذریعے عطا ہونے والی خوبیوں کا بیان ملاحظہ کریں تو محسوس ہو گا کہ وہ شخص اول درجے کا احمق ہے جو (دن بھر کی آدھ گھنٹہ میں ادا ہو جانے والی) پانچ نمازوں کو ترک کرنے پر ایک اجرِ عظیم سے خود کو محروم کر رہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دین و دُنیا کی سرخروئی کو دین کی پیروی کے بدلے عطا کرنے کا وعدہ

کیا ہے۔ قرآن میں ہے کہ انسان تو بھلی چیزوں کی شدت سے محبت رکھتا ہے وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۖ العٰدیات: ۸ اور ابلیس نے اپنی مکاری سے اس (دنیاوی اور اُخروی) خیر کثیر سے لوگوں کو دور کر دیا ہے۔ قرآن کی آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہیں تو وہی حقیقی بادشاہ ہیں لیکن ابلیس لوگوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ حرام ذرائع سے مال جمع کیا جائے اور غلط طریقوں سے عزت حاصل کی جائے۔ شیطان کے دھوکے میں آجانے والے لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ شیطان کا ہر وعدہ دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔

یہ وہ زمانہ ہے کہ جسے بھی دیکھو شیطان کے ان ڈھکوسلوں سے متاثر ہو کر لوٹ کھسوٹ، مار دھاڑ، چوری چکاری، خود غرضی، رشوت ستانی، زناکاری اور جرائم کی چیرہ دستی میں مصروف ہے اور ایسی سیاہ کاریوں کو مال و دولت اور عزت کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ شیطان کے ہتھکنڈوں کے فریب خوردہ، یہ خود غرض، سنگدل، لٹیرے، ملحد، بے سکون اور بے چین، حیا اور عصمت کا جامہ چاک کئے ہوئے لوگ، مادر پدر آزاد، مذہب کی چاشنی سے دور بھاگنے والے لوگ، اپنے اغراض کو حاصل کرنے والے لوگ، مذہب و اخلاق اور تہذیب کی حدود کو توڑ کر دل میں ذرہ برابر بھی ملال محسوس نہیں کرتے۔ یہ لوگ غریبوں، مسکینوں اور حقداروں کی حق تلفی سے اپنے مزارات پر جعلی عزت و ناموس کے بڑے بڑے کتبے نصب کروا لیتے ہیں اور اپنی حرام کمائی سے شراب خانوں، غلط سوسائٹیوں، سینماؤں، اور رقص گاہوں کو آباد کرتے ہیں جن میں برائی کے سوا اور کچھ نہیں۔ ایسے لوگوں پر قہر خداوندی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ وہ روپیہ پیسہ کی فراوانی کے باوجود پریشان حال، آفات میں مبتلا، نئی نئی بیماریوں اور پریشانیوں میں مبتلا رہتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ عزت، اطمینان، سکون اور زندگی کا حقیقی لطف خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ انگریزوں نے ایک مدت دراز سے اپنے مذہب کو خیر باد کہنے کے بعد اب محسوس کیا ہے کہ مذہب سے دوری ان کی تباہی کا باعث بنی ہے اور اب وہ پھر مذہب کی طرف لوٹنا چاہتے ہیں مگر اب دونوں کے درمیان بہت فاصلے حائل ہو چکے ہیں۔

راقم الحروف کے پاس بہت سے ایسے لوگ دعا کے لئے آتے ہیں

جن کو اگر کشتۂ ستمہائے روزگار کہا جائے تو بجا ہوگا مصائب کی بوچھاڑ، بیماریوں کی بھرمار اور پریشانیوں کے طوفانوں کے مارے ہوئے ایسے تمام لوگوں میں ایک ہی بات مشترک نظر آتی ہے کہ یہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے باغی اور اُن کی اتباع سے دُور افتادہ ہیں (یعنی نماز تک نہیں پڑھتے) راقم الحروف جس طرح قرآن پر ایمان رکھتا ہے اسی طرح اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ اگر یہ لوگ خدا کی نافرمانی اور بغاوت کو ترک کر دیں تو وہ اپنی مصائب کا حل از خود حاصل کر لیں گے۔ چنانچہ جب اِس انداز سے اِس کا علاج کیا جاتا ہے اور خدا کے سامنے اُن کی جبینوں کو جھکا دیا جاتا ہے تو ایسے سب لوگوں کے کام درست ہو جاتے ہیں، بیماریاں دُور ہو جاتی ہیں اور پریشانیاں اپنا رُخ بدل لیتی ہیں مشاہدے میں آیا ہے کہ کچھ لوگوں کے کام اِس قدر دشوار ہوتے ہیں کہ انسانی ذہن میں ان کا حل ہونا ممکن نظر نہیں آتا لیکن چونکہ اِس فقیر کے نزدیک یہ بات مسلّم ہے کہ خدا کے لئے کسی کام کا ہو جانا ناممکن نہیں اِس لئے ایسے کاموں کی درستی کا وعدہ بھی کر لیا جاتا ہے اور پھر ایسے کام اللہ کی مدد سے ہو بھی جاتے ہیں۔ علامہ فرماتے ہیں۔

علاج آتشِ رومی کے سوز میں ہے ترا ۔ تری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں

درج بالا مشاہدات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تمام مصائب کا علاج اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور عشق میں ہے۔ اتباع کی ابتداء نماز سے ہوتی ہے اور انتہا عشق پر ہے۔ سورہ رُوم کی آیت ۴۱ میں بھی فرمایا گیا ہے کہ خشکی اور تری میں جو فساد ظاہر ہوتا ہے وہ انسانوں کی کرتوتوں کی وجہ سے ہی رُونما ہوتا ہے (ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ) جو لوگ بے دینی کی روش سے توبہ کر لیتے ہیں تو وہ نہ صرف خود کو ہی مصائب سے محفوظ کر لیتے ہیں بلکہ دوسروں کے مصائب میں بھی اضافے کو روکتے ہیں۔ قانونِ الٰہی ہے کہ جو خود اللہ سے تعلقات کو درست کر لیتا ہے تو تمام کائنات اس کی مطیع اور فرمانبردار بن جاتی ہے چنانچہ اِن تباہ کاریوں سے بچنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ خدا کے آگے سرِ نیاز کو جھکا دو۔ اس سلسلے میں چند صفحات بعد ہی عبادت کرنیوالوں کے لئے اللہ کے خصوصی انعامات کا بیان ملاحظہ فرمائیں تاکہ نمازیوں کے لئے اللہ

تعالیٰ کے موعود انعامات کا علم ہوسکے۔

افسوس ہے کہ ایک عام مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ مسلمان کے گھر پیدا ہونے یا کلمہ توحید کے پڑھ لینے سے ہی انسان مسلمان ہو جاتا ہے اور مسلمان ہونے کے لئے صرف یہی کچھ کافی ہے۔ ایسے لوگ نیکیوں کی طرف اس لئے نہیں آتے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ غفور الرحیم ہے اور اُن کی کوتاہیوں کو معاف کر دے گا۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر گھر کے حالات کٹھن ہوں یا مہنگائی بڑھتی جا رہی ہو تو غلط ذرائع اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے لوگوں کی جان و مال کے ساتھ کھیلنے میں کوئی حرج نہیں۔ الامان!

بے عملی اور اُس کا سدِّباب

۱۔ دُنیا دارالعمل ہے ہر شخص کی قدر و قیمت اُس کے اُن اعمال کے پیشِ نظر تعین کی جاتی ہے جو اُس نے اپنی اِس حیات میں آخروی دنیا کے لئے ذخیرہ کے طور پر ارسال کئے چنانچہ جذبۂ عمل کی اصلاح اور ترغیب کے لئے کچھ نکات پیش کئے جا رہے ہیں۔

۲۔ عمل اور قوتِ عمل عمل ہر اُس فعل کو کہتے ہیں جو کسی جاندار سے ارادۃً صادر ہو یہ فعل سے اخص ہے اور عمل فعل سے نیچے کا مرتبہ ہے فاعل خود مختار ہے مگر عامل خود مختار نہیں جیسے فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ یعنی ہم کرتے ہیں جو چاہیں بلکہ عامل فاعل کا مطیع ہوتا ہے جیسے فرمایا "هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ" (وہ اپنے بندوں پر قہر کرنے والا ہے) اس آیت میں فاعل خدا ہے اور عامل اُس کی عبادت کرنے والے ہیں یعنی بندہ عمل کرنیوالا ہے۔ قاضی حمید الدین ناگوریؒ فرماتے ہیں کہ مراتبِ طریق حسبِ ذیل ہیں :۔

(۱) علم (۲) عمل (۳) نیت (۴) صدق اور (۵) عشق

اگر ہم اور بھی اختصار سے کام لیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ دینِ اسلام دو چیزوں سے مرتب ہوتا ہے ایمان اور عمل، یہ ایک دوسرے کے بغیر بے معنی ہیں۔ ایمان تو عرفانِ خدا کے بعد مکمل ہوتا ہے۔ عارفِ خدا کے اندر ایک ایسی قوت پیدا ہو جاتی ہے جس کے سامنے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ وہ ہے قوتِ عمل۔

۴۔ معرفتِ اعمال | جو شخص محرمات سے بچتے ہوئے فرائض ادا کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ اُسے مقامِ یقین عطا فرماتا ہے اور اس سے وہ علیین تک جا پہنچتا ہے۔

اِن دونوں باتوں کا خیال رکھتے ہوئے اگر وہ اپنے اعمال کی نیت اللہ تعالیٰ کے لئے کرے تو اُسے ابدال کا اجر عطا ہوتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بندہ ایک خلقِ الٰہی کو اپنائے تو اس کی وجہ سے اُسے صدیقین کا مقام عطا کر دیا جاتا ہے اور کبھی ایک بُرے کام یا مباح کے ترک سے شہداء کا درجہ دیدیتے ہیں۔ بندے کے لئے معرفت کی کمی ہی سب سے زیادہ نقصان دہ چیز ہے حضرت رابعہ نے فرمایا کہ بندے کے لئے کمال اس بات میں نہیں کہ وہ اچھے اور بُرے کام میں تمیز کر سکے بلکہ کمال یہ ہے کہ وہ جان سکے کہ زیادہ بہتر اور کم بہتر کام کون سا ہے کیونکہ اچھے بُرے میں تو کتا بھی تمیز کر لیتا ہے جب اُسے کوئی پتھر مارے تو بھونکتا ہے اور جب اُس کی طرف روٹی کا ٹکڑا پھینکا جائے تو خوش ہوتا ہے۔ زیادہ بُرے سے کم بُرے کی شناخت کرنا بھی بہتر نوعیت سے ہے۔

مشائخ کا قول ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بندہ نو بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا تھا اور اُس نے دسویں گناہ کو اللہ کے لئے چھوڑ دیا تو ترکِ گناہ کی یہ ایک خصلت اُس کے لئے نو کے مقابلے میں پہاڑ بن گئی اور اللہ کی نظرِ عفو نے گناہوں کے پہاڑ اُڑا کر نابود کر دیئے۔

بعض اوقات اللہ تعالیٰ بندے کے ایک وصف کو پسند فرماتا ہے تو اس کے باعث اُس کے سو بُرے اوصاف مٹا دیتا ہے سورہ فرقان کی آیت نمبر ۷۰ میں ہے کہ جن لوگوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور عمل صالح کئے تو اُن لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ ایک اللہ کے بندے نے اللہ سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا کہ الٰہی بدیاں نیکیوں میں کس طرح تبدیل ہو سکتی ہیں تو جواب ملا کہ اُسی طرح جس طرح نیکیاں بدیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں (یعنی نیکیاں بدیوں کو کھا جاتی ہیں اور بدیاں نیکیوں کو کھا جاتی ہیں)۔ لہٰذا کسی کو بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ وہ تو بہانے تلاش کرتا ہے اصل بات تو اپنی اصل کی طرف رجوع کرنا ہے ہمیشہ اُس سے اُس کی رحمت کا طلب گار رہے اللہ اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے اور بندوں کو مصائب میں اس لئے مبتلا کرتا ہے کہ شاید وہ جاگ اُٹھیں یہی معرفت ہے اور اگر معرفت اعمال نہ ملی تو کچھ بھی نہ ملا۔ ارشادِ باری ہے کہ :-

وَيَزِيدُ اللّٰهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ۚ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَّرَدًّا (المریم: ۷۶)

اور زیادہ کرتا ہے اللہ ہدایت یافتہ لوگوں کے (نور) ہدایت کو، اور باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے اور ان ہی کا انجام اچھا ہے۔

سورۂ مریم میں گمراہوں کی بدنصیبی کے بعد اللہ تعالیٰ نے سالکانِ راہِ رشد و ہدایت کا ذکر فرمایا ہے کہ جو اخلاص کے ساتھ ہدایت کی راہ پر آئے گا تو ہم اس کے نورِ ہدایت میں اضافہ کرتے چلے جائیں گے اور اس کو وہاں تک پہنچا دیں گے کہ جن مقاماتِ قرب تک پہنچنا اس کی طاقت سے باہر تھا۔ سورہ المعارج میں بھی فرمایا ہے کہ اللہ کی طرف جانے کا راستہ فرشتوں اور روح کے لئے (چند لمحات کا ہے اور انسانی رفتار کے لئے) پچاس ہزار سال کا ہے تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ۝ اگر کوئی شخص صرف ریاضتوں اور عبادتوں سے اس مقامِ قرب تک پہنچنا چاہے تو اس کے لئے پچاس ہزار سال کا عرصہ درکار ہے۔ اتنی تو کسی کی عمر بھی نہیں ہو سکتی۔ مشائخ فرماتے ہیں شیخ کامل کی توجہ کے بغیر اس مقام پر فائز ہونا محال ہے اور یہ مقام صوفی کو صرف اللہ کی طرف کشش اور جذب رکھنے سے بذریعہ مرشد حاصل ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ مَنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا... الخ (یعنی جو شخص ایک بالشت میرے نزدیک ہوتا ہے تو میں ایک گز اس کے قریب ہوتا ہوں، جو ایک گز میرے قریب ہوتا ہے تو میں ایک کرم اس کے قریب ہو جاتا ہوں اور جو چل کر میری طرف آتا ہے تو میں دوڑ کر اس کی طرف آتا ہوں) معلوم ہوا اگر طلب صادق ہو اور عمل جاری رہے تو اللہ تعالیٰ سے دوریاں سمٹتی جاتی ہیں۔ ہمارے خواجہ علاؤ الدین صدیقی مدظلہ العالی فرمایا کرتے ہیں کہ قدم اٹھانا تیرا کام ہے منزل تک پہنچانا اس کا کام ہے قرآن میں لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ وہ لوگ کتنے کم عقل ہیں جو ابلیس کی طرح بہکتے ہیں کہ بدکار کی قسمت میں جب بدی اللہ تعالیٰ لکھ دے تو بندے کے بس میں کیا ہے۔ یہ لوگ اللہ پر کتنا بڑا بہتان رکھتے ہیں۔ انہیں یہ نہیں معلوم کہ خدا تو بخشش اور کرم پہ مائل ہے۔ خدا کے عمل کو برائی کی طرف منسوب کرنا یقیناً کفرِ عظیم ہے۔ وہ تو فرماتا ہے کہ

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۝ (المريم: ۸۵) وہ دن جب ہم اکٹھا کریں گے پرہیزگاروں کو رحمٰن کے حضور (معزز اور مکرم مہمان بنا کر)

وفد جمع ہے وافد کی جیسے "صَحْبٌ" جمع ہے صاحب کی (قرطبی) اس آیت کے معنی یہ کیے جاتے ہیں کہ وفدًا ای رکبانًا علی نجائب طاعتهم یعنی وہ اپنی طاعت کی سواریوں پر سوار ہو کر حاضر ہوں گے۔

۴۔ قیامت کو انسانی اعمال متشکل ہوں گے

احادیث اس بات پر وارد ہیں کہ قیامت کے دن انسانی اعمال انسانی شکلوں میں نمودار ہو کر عمل کرنے والوں کی مدد اور شفاعت کریں گے القرانِ والرمضان یشفعان (قرآن اور رمضان شفاعت کریں گے) اور ان کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نہایت حسین اور جمیل شکل میں مومن (قاری) کی میت کے سر کی طرف آکر کھڑا ہو جاتا ہے اور جب اُسے کفن دیا جائے تو مُردے کے بدن اور کفن کے درمیان آجاتا ہے اور ساتھ ہی قبر میں دفن ہو جاتا ہے۔ جب نکیرین سوالات کرنا چاہتے ہیں تو اُس شخص کو کہتے ہیں کہ تم ذرا باہر چلے جاؤ تاکہ ہم اِس سے سوالات کر سکیں وہ شخص کہے گا تم جو چاہتے ہو سوال کرو، میں اِس کو چھوڑ کر اس وقت تک نہیں جا سکتا جب تک یہ جنت میں داخل نہ ہو جائے۔ مرنے والا اُس سے پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ وہ شخص جواب دے گا کہ میں وہ قرآن ہوں جس کو تو اُٹھتے بیٹھتے اور لیٹے پڑھا کرتا تھا۔

۵۔ عمل ایک سواری ہے

عمرو بن العیصؓ نے روایت کی ہے کہ جب مومن قبر سے اُٹھے گا تو اُس کا عمل ایک خوبرو شکل میں اس کا استقبال کرے گا۔ اُس کا جسم خوشبو سے مہک رہا ہوگا۔ وہ انسان سے پوچھے گا کہ تم نے مجھے پہچانا؟ وہ کہے گا نہیں! مجھے صرف اتنا پتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیری شکل دل آویز بنائی ہے اور تیری مہک عطر بیز ہے وہ کہے گا کہ میں تیرا عمل ہوں دُنیا میں میں تجھ پر سوار رہا اور آج میں تجھے اپنے کندھوں پر اُٹھانے کے لئے آیا ہوں فرمانِ باری ہے کہ :-

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ اور جس نے راہِ خدا میں مال دیا اور ڈرا اس سے)

بِالْحُسْنٰى ۙ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ؕ ڈرتارہا اور جس نے اچھی بات کی تصدیق کی تو ہم
(اَلَّیل : ۷-۵) آسان کر دیں گے اُس کے لئے آسان راہ ۔

جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی تصدیق کرتے ہیں، مال خرچ کرنے اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں اُن کے لئے ہدایت کی راہ ہموار کر دی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے ہم راہ پر چلنے کی لگن دل میں پیدا کر دیتے ہیں۔ اس لگن سے ہر مشکل کام بھی آسان ہو جاتا ہے یَسَّرَ کا معنی سہولت یا آسانی پیدا کرنا ہے عرب کے لوگ جب گھوڑے کو زین ڈال کر تیار کر دیں تو کہتے ہیں "یسر الفرس للرکوب" حدیث شریف میں ہے۔

اِعملو و سددوا و قاربوا نیک عمل کرو، راست روی اختیار کرو میانہ روی
فکل میسرٌ لما خلق لہٗ اختیار کرو ہر شخص جس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے اُس کیلئے اُسکی استعداد اسمیں رکھدی گئی ہے

۱۱۔ توفیق عمل علامہ جوہری نے کہا کہ سورۃ اللیل فَسَنُیَسِّرُہٗ میں وَفَّقَہٗ لَھَا کے معنی یہ ہیں کہ اُس کو اس کی توفیق دیدی جاتی ہے یعنی جو نیک کام کا ابتداء کرے اُسے مزید عمل کی توفیق دی جاتی ہے اور ایسا شوق دیا جاتا ہے کہ جس کی وجہ سے وہ کام آسان ہو جاتا ہے ہر شخص یہ جانتا ہے کہ جب کبھی اُس نے کوئی کام اللہ کی رضا کے لئے کیا ہو تو اُس کام کے کرنے میں اُسے قطعاً تکلیف نہیں ہوتی اور اگر وہی کام اپنی ذات یا غیر اللہ کے لئے کیا ہو تو پہاڑ کی طرح مشکل نظر آتا ہے۔ فاقے سے رہنا مشکل ہے مگر روزہ رکھنا آسان ہے۔

توفیقِ عمل اللہ کی جانب سے ایک عطا ہے اور اللہ تعالیٰ اچھے کام کے لئے تمام اسباب مہیا کر دیتا ہے (جعل الاسباب موافقاً للمطلوب الخیر) چنانچہ توفیق امور خیر میں اللہ تعالیٰ کی مدد کو کہتے ہیں۔ امورِ خیر میں وہ کام شامل ہیں جن کو کتاب و سنت اور اجماع مستحسن خیال کریں۔ مشائخ کہتے ہیں کہ اَلتَّوْفِیْقُ ھُوَ الْقُدْرَۃُ عَلَی الطَّاعَۃِ عِنْدَ الْاِسْتِعْمَال (یعنی توفیق یہ ہے کہ انسان اپنے اندر بہ وقتِ عمل قدرتِ اطاعت پائے) یا یہ کہا جاتا ہے کہ جس سے انسان احکامِ الٰہی کے لئے مطیع اور فرمانبردار ہو جاتے۔

سورۂ زخرف کی آیت ۳۶ میں وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ (جو شخص دانستہ طور پر اللہ کے ذکر سے اندھا بن جائے) تو اس پر ہم ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں جو اس کا ہر وقت کا ساتھی رہتا ہے اس کی تشریح میں حضرت علامہ راغبؒ فرماتے ہیں کہ اَلْوَفْقُ دو چیزوں کے درمیان مطابقت اور ہم آہنگی ہونے کو کہتے ہیں یعنی عمل کی ادائیگی اور اس کے لئے اسباب من جانب اللہ کا پیدا ہونا توفیق کا لفظ شر کیلئے استعمال نہیں ہوتا۔ توفیق کا اللہ کی جانب سے ہونا سورہ ہود کی آیت ۸۸ سے بھی واضح ہوتا ہے (وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ یعنی نہیں میرا راہ پانا مگر اللہ کی امداد سے) سورہ زخرف کی مذکورہ آیت ۳۶ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم ایسے شخص سے الگ ہو جاتے ہیں اور ہماری توفیق اُس کو نظر انداز کر دیتی ہے اور شیطان اُس پر انڈے کے چھلکے کی طرح مستولی ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ کے ذکر سے منہ پھیر کر لغویات میں منسلک ہو جائے تو خدائے ذوالجلال فرماتے ہیں کہ ہم اس کی یہ سزا دیتے ہیں کہ ہماری توفیق اُس سے الگ ہو جاتی۔ اس کے شعور اور تحت الشعور میں عقل اور شعور کے جو دیئے روشن تھے بجھ جاتے ہیں، ایسے لوگوں کو شیطان فسق و فجور کا عادی بنا دیتا ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ نے اس سلسلے میں کافی کلام کیا ہے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باوجود حصول قرب الٰہی اور وصل مطلوب کے اور عاقبت سے بے فکر کئے جانے کے اور آپ کی معصومیت اور پاکدامنی کے ثابت ہونے کے، آپ دن بھر عبادتیں اور راتوں کو اس قدر بیداریاں کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا کہ آپ خود کو اس قدر زیادہ مشقت میں نہ ڈالیں لیکن آپ ہر کام میں خود حصہ لیتے تھے۔ ایک مسجد کی تعمیر کے لئے آپ اینٹیں اٹھا رہے تھے اور آپ کو اس میں تکلیف ہو رہی تھی اور حضرت بلالؓ نے خود کو اس کام کے لئے پیش کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خذ غیرھا فانہ لا عیش الا عیش الآخرۃ یعنی اے بلالؓ تم اور پتھر اٹھاؤ کیونکہ دنیا کا آرام کچھ نہیں۔ آرام تو آخرت کا ہے۔

راقم الحروف کا ایمان ہے کہ ہدایت ایک ایسا عظیم انعام ہے جو صرف صالحین کو ہی ملتا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے کہ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ (اور اسی کو ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔ الرعد: ۲۸) گمراہی بھی ایک سزا ہے جو صرف بدکاروں کو ہی ملتی

ہے۔ جو اللہ کی طرف جانا چاہتا ہے اسی کو ہدایت ملے گی اور فاسق اور فاجر کو نہیں مل سکے گی۔"
جو کہا جاتا ہے کہ اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ہر ایک مسلمان ہو جائے
تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کر سکتا ہے مگر اس نے کفر اور اسلام کا
معاملہ انسانوں کی مرضی پر چھوڑ رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی ایسی خواہش نہیں کرتا جس کی تعبیر جبر سے
کی جا سکے۔ یہ جو کہہ دیا جاتا ہے کہ انسان کے نیک و بد اور امیر و غریب ہونے کا فیصلہ ماں کے
پیٹ میں ہی کر دیا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ ہونے والی باتوں کو جانتا ہے لہٰذا
وہ فرشتوں سے کہہ دیتا ہے کہ فلاں نیک یا بد ہوگا۔ ویسے بھی کافر کا بیٹا عموماً کافر اور سیٹھ کا بیٹا
عموماً سیٹھ ہی ہوتا ہے یہ ایسی بات ہے کہ اسے ہر کوئی جانتا ہے۔

حضرت گنج بخش فرماتے ہیں کہ رسید مد (پہنچا ہوا) آسودہ ہوتا ہے یعنی جو
منزل پر پہنچ گیا بے فکر ہوتا ہے مگر طالب پر آرام اور آسودگی درست نہیں اُس کو مجاہدہ کرتے ہی
رہنا چاہیئے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس کے دو دن ایک جیسے ہوں اُسے فکر کرنا چاہیئے مَنِ اسْتَوٰی
یَوْمَاہُ فَھُوَ مَغْبُوْنٌ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اِسْتَقِیْمُوْ
وَلَنْ تُحْصُوْا (استقامت کرو مگر ایک حالت پر نہ رہو) فرماتے ہیں کہ یہ عام فہم بات
ہے کہ گھوڑے میں پوشیدہ صفتِ اطاعت کو بذریعہ مجاہدہ (یعنی تربیت دے کر) ظاہر کی
جاتی ہے اور اس کا سبب ریاضت ہی ہے۔ لہٰذا یہ بات واضح ہو گئی کہ جو لوگ initiative
(پیش قدمی) دکھلاتے ہیں اور اطاعت کی طرف قدم اٹھاتے ہیں توفیقِ الٰہی انہیں کا مقدر بنتی ہے۔

۷۔ ریاضتِ عمل حضرت جریریؒ کا قول ہے "استمرار اور دوام ایمان، قوام اور قیام دین اور
اصلاحِ جسم تین چیزوں سے وابستہ ہے یعنی کفالت (۱)، تقویٰ (۲) اور احتیاط (۳)، ان
تینوں کا ثمرہ یہ ہے کہ سالک کفایت کرے اور ضرورت سے زیادہ دولت ہو بھی تو خواہش نہ
رکھے، جو شخص اپنے رب کے ساتھ کفایت کرے اُس کے باطن کی اصلاح ہو جائے گی اور اس
کے بدلے میں اُسے صفائے قلب میسر ہو گی۔ دوسرے پرہیزگاری اختیار کرنا ہے اور اس کا
انجام حسنِ خلق ہے۔ تیسرے غذا میں احتیاط کرنا ہے اور جو ایسا کرے اُس کا نفس ریاضت سے
پاک اور درست ہو جائے گا۔ اس احتیاط کا نتیجہ تندرستی اور اعتدالِ طبیعت ہے۔ حضرت انا

گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ جو توکل کرے اُسے یہ تینوں باتیں نصیب ہو جاتی ہیں اور ایسا شخص دُنیا اور آخرت میں عزت پاتا ہے۔

سالک کے لئے ضروری ہے کہ ریاضت کی نوعیت اور مقدار مطلوبہ معیار پر ہو اور مقدار اس قدر ہو کہ اس کا اثر نمودار ہوتا ملاحظہ ہو سکے۔ جب تک نوعیتِ ریاضت اور مقدارِ ریاضت کا امتزاج صحیح نہ ہو مقامات نہیں کھلتے عمل خواہ تھوڑا ہی ہو لیکن با تصوّر اور بامعنی ہو۔ عمل میں عقل کو بھی دخل ہوتا ہے۔ عقل سے کام کیا جائے تو اجر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ عمل کرتے رہنا چاہیئے کیونکہ یہ دُنیا اور آخرت کا توشہ ہے۔ عمل کے بغیر منازل طے نہیں ہوتے۔ اس کائنات کا ذرہ ذرہ سرگرم عمل ہے (تڑپتا ہے ہر ذرہ کائنات) عمل کا دوسرا نام جہاد ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں زاری کرو اور کہو اے الٰہی مجھے اپنی بارگاہ سے نہ ٹھکرا میں تیرا بندہ ہوں اب تیرے سوا میرا کون ہے، میری جانب اپنی نظر کرم فرما۔ ایسی التجاؤں سے اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آجاتی ہے اے خدا ہم سب پر اپنا فضل و کرم فرما۔ آمین

بے عملی میں قوموں کی موت

مسلمانوں کی پوری جماعت (اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہ) بے عملی کا شکار ہے اور یہی بے عملی پورے عالم میں اُس کی رسوائی کا باعث بن چکی ہے بے عملی میں وہ اعمال اور حرکات شامل ہیں جو فرد، قوم اور ملّت کی زندگیوں کو سنوارنے کی کوئی مثبت پہلو نہ رکھتے ہوں۔ تفریحی کاموں میں مناسبت قائم نہ رکھنا بھی تضیعِ اوقات میں شامل ہے۔ اقوامِ مغرب نے مسلمانوں کو اس مفلوج زدہ کیفیت میں دھکیل دیا ہے اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس بے عملی کے گڑھے سے نکلنے کے لئے سوائے مجددِ زمانہ اور کوئی طاقت کارگر ثابت نہیں ہو سکتی۔

مسلمانوں کی ترقی کے لئے یہ وہ اہم پہلو ہے جس کیلئے آج ہر مسلمان پر، بقدرِ ہمت، یہ بات واجب ہو گئی ہے کہ قوم کو اس حالت سے نکالنے کے لئے پیہم کوشش کرے۔ قوم کی کردار سازی پر گفتگو کافی طویل ہے اس لئے ہماری تصنیف "مرأۃ ملّت" میں انشاء اللہ ایک مفصّل تحریر اس موضوع پہ لائی جائے گی۔ چنانچہ اس جگہ نہایت اختصار سے چند مفید نکات بیان کئے جا رہے ہیں۔

اقوامِ عالم کے احوال پر غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ جن قوموں کے افراد عمل سے بیگانہ نہیں وہی قومیں بامِ عروج پر متمکن ہیں اور ان کا کلچر، زبان، حکومت اور کسی حد تک ان کا

مذہب بھی باقی قوموں پر مقبولیت حاصل کر لیتا ہے۔ ایسی قومیں جلد ہی پورے عالم پر چھا جاتی ہیں مسلمان جونہی اپنی حقیقت سے گرا تو اس کا حوصلہ، شجاعت، عزم، استقلال، ثبات، جوش، ولولہ، عالی ظرفی بلند نظری جو اُسے وراثتاً اکابرِ اسلام سے حاصل ہوئی مٹتی جاتی رہیں۔ دنیا کی سب سے اعلیٰ اور ارفع معیار پر چمکنے والی یہ مسلمان قوم ہی تھی جس نے تمام عالم کو انسانی اقدار کا سبق دیا تھا لیکن آج کس مپرسی کی حالت میں سسک رہی ہے۔ یہ قوم جس کے سامنے سمندر ہو یا پہاڑ؟ مصائب ہوں یا راحت مشکل مقامات ہوں یا ہموار راہ، کبھی ان کے سیلِ رواں کے لئے رکاوٹ ثابت نہ ہوتے تھے، آج حالات کے سمندر پر ایک تنکے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ مسلمانوں کی موجودہ حالت کی طرف تنزل کرنے کی بہت سی وجوہ بیان کی جا چکی ہیں مگر بنیادی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اس قوم نے اپنے خدا کو بھلا دیا ہے اور جو قوم خدا اور اس کے قوانین کو نظر انداز کر دے تو خدا بھی ایسی قوم کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ یہ خدائے قدوس کی سنت ہے کہ ایسی قوم کی جگہ دوسری قوموں کو حکومت عطا فرما دی جاتی ہے۔ "قرآن کا قانونِ زوال" (جو سرمایۂ ملت کے اوائل میں شامل کیا گیا ہے) کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کی بستیوں کو کچھ مہلت کے بعد اُکھاڑ پھینکتا ہے اور ان کی تباہی کے لئے فطری حکم بھیج کر ہلاک کر دیتا ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔ ؎

صفِ جنگاہ میں مردانِ خدا کی تکبیر ۔۔۔ جوشِ کردار سے بنتی ہے خدا کی آواز

زندہ فرد از ارتباطِ جان و تن ۔۔۔ زندہ قوم از حفظِ ناموسِ کہن

(فردِ واحد کی زندگی روح اور جسم کے باہم تعلق سے ہوتی ہے۔ کوئی قوم اپنے اسلاف کے ناموس کو زندہ رکھنے سے ہی زندہ ہوتی ہے)

مرگِ فرد از خشکیِ رودِ حیات ۔۔۔ مرگِ قوم از ترکِ مقصودِ حیات

(فردِ واحد کی موت اس کی حیات کی ندی خشک ہونے سے واقع ہوتی ہے اور قوموں کی موت مقصودِ حیات کو ترک کرنے سے ہوتی ہے)

علامہ اقبال صدائے غیب (ارمغانِ حجاز) میں لکھتے ہیں کہ یہ موت فقط سانپ، بچھو اور ہر قسم کے جانوروں کا نصیب نہیں بلکہ ابدی موت تو محکوم قوموں کے لئے ہے کیونکہ جب وہ دوسری قوموں کی محکومی میں آجائیں تو حقیقتاً ان کے ملک، قوم اور تہذیب کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ ایسی قوم کی موت اس قدر سخت ہوتی ہے کہ صورِ اسرافیل یعنی وعظ و

نصیحت اور انقلابی کوشش بھی کارگر ثابت نہیں ہوتی کیونکہ ایسی قوموں کا جسم اپنی زندگی میں بھی روح سے محروم ہوتا ہے ۔

آزاد قوموں کی علامت یہ ہے کہ اگر حالات نے ان کو خستگی پر آمادہ کر دیا تو جلد ہی وہ عروج کی راہوں پر چل نکلتے ہیں ۔ علامہ فرماتے ہیں ۔

نے نصیبِ مار و کژدم، نے نصیبِ دام و دد   ہے فقط محکوم قوموں کیلئے مرگِ ابد (بچھو سانپ اور جانور)

بانگِ اسرافیل اِن کو زندہ کر سکتی نہیں   رُوح سے تھا زندگی میں بھی تہی جن کا جسد

مر کے جی اُٹھنا فقط آزاد مردوں کا ہے کام   گرچہ ہر ذی روح کی منزل ہے آغوشِ لحد

باطنِ ہر شے ز آئینے قوی   تو چرا غافل ازاں سامان روی ،

(ہر چیز کا باطن قانون سے مضبوط ہوتا ہے ۔ تو اس قانونِ قدرت سے غافل کیوں جا رہا ہے)

شکوہ سنج سختیٔ آئین مشو   از حدودِ زندگی بیروں مشو

(قانونِ الٰہی کی سختی کا شکوہ نہ کرو   اور زندگی کی اِن حدود سے باہر نہ جاؤ)

دل ز حتّٰی تُنفِقُوا محکم کند   زر فزاید الفت زر کم کند

(مسلمان اپنے دل کو حتّٰی تنفقوا سے محکم کرتے ہیں   اس سے دولت بڑھتی ہے اور دولت کی محبت کم ہوتی ہے)

ایں ہمہ اسباب استحکامِ تُست   پختۂ محکم اگر اسلامِ تُست

(یہ تمام باتیں تمہارے استحکام کے اسباب ہیں   اگر تمہارا اسلام پختہ ہے تو تم بھی پختہ رہو گے)

روح چوں رفت از صلوٰۃ و از صیام   فرد ناہموار ملت بے نظام

(جب مسلمانوں سے نماز و روزہ کی روح نکل گئی تو افراد غیر متوازن اور ملت بے نظام ہو گئی)

شرف النساء نواب خان بہادر کی بیٹی تھی اور نواب صاحب شاہ عالم بادشاہ کے زمانے میں پنجاب کے گورنر تھے ۔ اس کی بیٹی (شرف النساء) ہمیشہ تلوار اور قرآن پاس رکھتی تھی اس نے مرتے وقت ماں کو نصیحت کی کہ دونوں چیزیں اس کی قبر میں دفن کر دی جائیں ۔ علامہ نے اس سلسلے میں جو اشعار لکھے ہیں وہ پہلے گذر چکے ہیں ۔

مسلمانوں نے محنت اور عمل کو ہاتھوں سے کھو کر اپنے وقار کو کلیۃً ختم کر دیا ہے ۔ اور اگر کچھ عمل یا کوشش کا ثبوت ملتا ہے تو وہ فقط حصولِ تعیش اور سامانِ آرائش کی تحصیل

کے لئے نظر آتا ہے۔ علامہؒ کے درج ذیل اشعار میں پیش کی گئی گراوٹ اور تنزل کا سبب مسلمان کی بے عملی ہے۔

گھر آتی ہے دم صبح صدا عرش بریں سے | کھو یا گیا کس طرح ترا جوہرِ ادراک؟
کس طرح ہوا کند ترا نشترِ تحقیق؟ | ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جگر چاک؟
تو ظاہر و باطن کی خلافت کا سزاوار | کیا شعلہ بھی ہوتا ہے غلام خس و خاشاک؟
مہر و مہ و انجم نہیں محکوم ترے کیوں؟ | کیوں تیری نگاہوں سے لرزتے نہیں افلاک؟

۹۔ جوہرِ عمل | عمل ایک ایسی چیز ہے کہ یہ دُنیا اور آخرت دونوں جگہ کا توشہ ہے عمل کے بغیر کوئی منزل طے نہیں ہوتی۔ ایسی کائنات کہ جس میں ذرہ ذرہ سرگرم عمل ہے اُس میں بندۂ مومن بغیر عمل کے کیسے زندہ رہ سکتا ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

گھ فریب نظر ہے سکون و ثبات | تڑپتا ہے ہر ذرّۂ کائنات
ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود | کہ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود
سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی | فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی

اسلام نے اپنے پیروکاروں کو عمل کا وہ پیغام دیا جس کو تمام دُنیا ہمیشہ کے لئے یاد رکھے گی۔ عمل ہی کا دوسرا نام جہاد ہے جو اُمتِ مسلمہ کی کامیابی کا راز تھا (تلوار کے جہاد کے مقابلہ میں دُنیا کے کاموں کے جہاد کو جہادِ اکبر کہا گیا ہے) اُمتِ مسلمہ نے اس جہادِ عمل اور جہادِ سیف کو ترک کر دیا تو یہی بات اُن کی پستی اور زبوں حالی کی ذمہ دار ٹھہری۔ عمل رازِ حیات اور سرِ کائنات ہے اگر جہادِ عمل نہ ہو تو جہادِ سیف بھی ناممکن ہو جاتا ہے۔

قرآن بذاتِ خود ایک دستور العمل ہے جس میں کامیاب زندگی گزارنے کے طریقے بیان کئے گئے ہیں اور اسلام بھی طریقۂ زندگی (WAY OF LIFE) کا نام ہے سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اُن تمام طریقوں کی وضاحت کرتی ہے جو اسلام نے مسلمان کے لئے پسند فرمائے اور ایمان کے تمام درجے اسی اطاعت رسول کی بنا پر منتج ہوتے ہیں۔ کوئی شخص مومن، ولی ایمان، اخیار، ابدال، قطب، غوث اور عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درجے پر اس وقت تک فائز نہیں ہو سکتا، جب تک اُس کو محبت اور اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فخر حاصل نہ ہو یہاں تک

کرعمل کے اسلوب سے تو پیغمبر بھی مبرا نہیں حالانکہ اُن کے درجات اور اعمال تو اُمتی کے اعمال اور درجات سے بہت بہتر اور زیادہ ہوتے ہیں کسی اُمتی کی نیکیاں اس کے نبی سے زیادہ نہیں ہو سکتیں کیونکہ پیغمبر کو اپنے اعمال کے علاوہ اُمتیوں کے اعمال کا ثواب بھی ملتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لختِ جگر فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرمایا۔

یا فاطمۃ لا تتکلی علی انّک بنت رسول اللہ اعملی اعملی (الحدیث)

اے فاطمہ تم اِس بھروسے پر نہ رہو کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ہو بلکہ عمل کرو اعمل کرو

۱۰۔ **اقبال کا پیغام عمل**: آپ کا کلام پیغامِ عمل جوہرِ عمل اور سراپا عمل کے الفاظ سے گونجتا ہے۔

ع مسلم خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
وہ چمک اُٹھا اُفق، گرم تقاضا تو بھی ہو

تصویرِ درد، شمع و شاعر، خضرِ راہ اور طلوعِ اسلام پیغامِ عمل سے بھری پڑی ہیں اور جوابِ شکوہ میں بھی مسلمانوں کی توجہ عمل اور ہنگامہ آرائی کی طرف لانے کی مسلسل کوشش کی گئی ہے۔

ع قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمد سے اجالا کر دے

اس رہ میں مقام بے محل ہے
پوشیدہ قرار میں اجل ہے

چلنے والے نکل گئے ہیں
جو ٹھہرے ذرا کچل گئے ہیں

نفسِ گرم کی تاثیر ہے اعجازِ حیات
تیرے سینے میں اگر ہے تو مسیحائی کر

آئینِ نو سے ڈرنا طرزِ کہن پہ اَڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

یہ کاروانِ ہستی ہے تیز گام ایسا
قومیں کچل گئی ہیں جس کی رواروی میں

حیاتِ شعلہ مزاج و غیور و شور انگیز
سرشت اس کی ہے مشکل کشی جفا طلبی

سکوتِ شام سے تا نغمۂ سحر گاہی
ہزار مرحلہ ہائے فغانِ نیم شبی

اسی کشاکشِ پیہم سے زندہ ہیں اقوام
یہی ہے رازِ تب و تابِ ملتِ عربی

ایک حدیث میں بدنصیب اور خوش نصیب کی وضاحت یوں کی گئی ہے۔

اَلشَّقِیُّ مَنْ شَقِیَ فِی بَطْنِ اُمِّہٖ وَالسَّعِیْدُ مَنْ وُّعِظَ لِغَیْرِہٖ (مسلم)

بدنصیب وہ جو اپنی ماں کے پیٹ میں بدنصیب ہو اور خوش نصیب ہے وہ جو دوسروں کو دیکھ کر عبرت حاصل کرے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص یقین سے جانتا ہو کہ قیامت کے دن ایک نیکی کے عوض دس گنا معاوضہ پائے گا تو وہ طرح طرح کے صدقات اور خیرات عمل میں لاتا رہے گا مولانا رومؒ کے درج ذیل اشعار کا یہی ترجمہ ہے۔

گفت پیغمبر کہ ہر کس از یقین دانداو پاداش خود در یوم دین (جزا)
کہ یکے را دہ عوض می آیدش ہر زماں جودے دگرگوں نہ آیدش (سخا)

مسلمانوں نے دنیا میں جو مقام حاصل کیا تھا وہ عمل کی بدولت تھا اور آج اس قوم نے کردار کی دولت کو کھو دیا تو رسوائے زمانہ ہو گئی۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ کوشش عمل خواہ بے مصرف ہی کیوں نہ ہو ہر حالت میں تساہل اور تن آسانی سے بہتر ہے۔ کوشش ذہنی اور جسمانی قویٰ کو معطل نہیں ہونے دیتی۔

دوست دارد دوست ایں آشفتگی کوشش بے ہودہ بہ از خفتگی
(محبوب حقیقی اپنے طالبوں کی حیرانگی کو پسند فرماتے ہیں۔ ٹوٹی پھوٹی کوشش سو رہنے سے بہتر ہے)

مولانا فرماتے ہیں کہ بیکار خواہشوں سے کچھ نہیں ملتا کہ بیٹھے بٹھائے خزانہ مل جائے۔ زندگی کا مدار بخت پر نہیں محنت پر ہے اور اگر کچھ اس محنت کے علاوہ بھی مل جائے تو یہ خدا کی عنایت ہے۔ خوش بختی سے خزانہ ملنا تو نادر ہے اور نوادر پر بھی زندگی کی بنیاد نہ رکھو مولانا فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو خزانہ ملے تو اس کے خزانے کو دیکھ کر اپنی دوکان بند نہ کر دو۔

کاں فلانے یافت گنجے ناگہاں من ہم آں خواہم بجز (چرا) جویم دکان (میں دوکان کیوں کروں)
کسب کردن گنج را مانع کے است پا مکش از کار آں خود در پے است
(کسب کرنا خزانہ پانے کے لئے کیسے مانع ہو سکتا ہے۔ اپنے کاروبار سے جو کر رہے ہو اپنا پاؤں پیچھے نہ ہٹاؤ)

گفت حق نے بلکہ لا انساب شد زہد و تقویٰ فضل را محراب شد
(خدا نے فرمایا کہ نسب تو ہمارے نزدیک کچھ شے نہیں۔ بلکہ زہد و تقویٰ فضل حق کیلئے محراب ثابت ہوتا ہے)

تو بہر جائے کہ باشی می طلب آب می جو دائماً اے خشک لب
(تم جہاں بھی رہو ہمیشہ طلب میں رہو۔ اے خشک لب پانی کی ہمیشہ تلاش رکھو)

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ ہمارے روز و شب کی تدبیر سے ہی تقدیر بنتی ہے

اے محنت کش جوان نمہارا آنے والا کل گزشتہ کل اور آج کی پیداوار ہے اور جو آج کا مالک ہے اس کے گرد آسمان بھی طواف کرتا ہے۔

روز و شب آئینۂ تدبیرِ ما است	روز و شب آئینۂ تقدیرِ ما است
با تو گویم اے جوانِ سخت کوش	چیست فردا دخترِ امروز و دوش
ہر کہ خود را صاحبِ امروز کرد	گرد اُو گردد سپہرِ گرد گرد

چو می گویم مسلمانم بلرزم

چو می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

ترجمہ: (جب میں خود کو مسلمان کہتا ہوں تو لرز اٹھتا ہوں کیوں کہ مجھے لا الٰہ کی مشکلات کا علم ہے)
ایمان کلمہ لا الٰہ سے حاصل ہوتا ہے اور سچے دل سے کلمہ لا الٰہ پڑھنے کے بعد انسان کفر سے نکل کر اسلام میں داخل ہو جاتا ہے لیکن ابھی یہ ایمان صرف ایمان کی صورت ہے ایسا مسلمان جب تک عرفانِ خدا (بموجب استطاعت) حاصل نہ کر لے اس وقت تک تکمیل پذیر ہی رہتا ہے اور عرفان کے حاصل کرنے کی علامت عمل ہے۔ ایک مسلمان جب لا الٰہ کا اقرار کر لیتا ہے تو وہ اسلام کے بندھن میں اسی طرح جکڑا جاتا ہے جس طرح نکاح کرنے والا بیوی کے تمام اخراجات (نان و نفقہ) کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے اسی ذمہ داری کے احساس سے بڑے بڑے مسلمان کانپ اٹھتے ہیں مگر اللہ کا شکر ہے کہ عارف کے دل میں ایک ایسی غیر فانی اور روحانی قوتِ عمل ہوتی ہے جس کے سامنے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ عمل کے مظاہر کیا ہیں؟ یہ اسلام نے کھول کر بیان کر دیئے ہیں۔ قرآن اور سنت اس عمل کے لیئے ضابطہ کی حیثیت رکھتے ہیں مسلمان کو جب تک جنون کی حد تک یہ کمالات حاصل نہ ہوں وہ مسلمان نہیں کہلا سکتا ہے۔

بتاؤں تجھ کو مسلماں کی زندگی کیا ہے؟ ۔۔۔ یہ ہے نہایتِ اندیشہ و کمالِ جنوں

عمل جس طرح زادِ آخرت ہے اسی طرح توشۂ دنیا بھی ہے عمل کے بغیر نہ ہی دنیا کے چھوٹے یا بڑے معاملات سلجھ سکتے ہیں اور نہ ہی آخرت کے معاملات کو خدا کی رضا کے مطابق ڈھالا جا سکتا ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ سرگرمِ عمل ہے تو پھر بندۂ مومن کس طرح بے عمل رہ سکتا ہے۔ عمل کا وہ پیغام جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا آج پھر مسلمانوں کی نظروں کے سامنے

لانے کی ضرورت ہے اور حقیقتاً یہ عمل ہی اصل جہاد ہے جس میں مسلمانوں کی کامیابی کا راز مخفی ہے۔ عمل اور جہاد کے ترک سے ہی مسلمانوں کی حالت زوال پذیر ہوئی۔ عمل کا ذوق جب مسلمانوں میں پیدا ہو جاتا ہے تو آسمان اور زمین کی ہر شے اُن کے اشاروں پر رقص کرنے لگتی ہے بلکہ تقدیر الٰہی بھی اس کے ارادہ اور منشا پر ڈھلنے لگتی ہے۔ علامہ نے فرمایا:۔

ترے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے؟ | خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے ؟
عبث ہے شکوۂ تقدیرِ یزداں | تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے ؟

جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود | کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا
وہی زمانے کی گردش پہ غالب آتا ہے | جو ہر نفس سے کرے عمرِ جاوداں پیدا

یہ محنتِ پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا | روشن شررِ تیشہ سے ہے خانۂ فرہاد
خبر نہیں کیا ہے نام اس کا خدا فریبی یا خود فریبی؟ | عمل سے فارغ ہوا مسلماں بنا کے تقدیر کا بہانا

ہے مرے سینۂ بے نور میں اب کیا باقی؟ | لا الٰہ مردہ و افسردہ و بے ذوقِ نمود!

اے امینِ دولتِ تہذیب و دیں | آں یدِ بیضا بر آر از آستیں

(اے تہذیب و دین اسلام کے امین (مسلمان)۔ وہ "یدِ بیضا" اپنی آستین سے باہر نکال)

خیز و از کارِ امم بکشا گرہ | نشۂ افرنگ را از سر بنہ

(اُٹھ اور اُمت کے کاموں کی گرہ کھول | اور افرنگ کی شراب کا نشہ اپنے سر سے اُتار دے)

۱۲۔ کلمۂ توحید عمل کا معاہدہ ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کی جان سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں بعض نے فرمایا کہ جب تک کوئی اپنی خواہشوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت نہ جانے تو وہ مومن نہیں چنانچہ جب بندہ لا الٰہ الا اللہ کہہ دیتا ہے تو تمام احکامِ لَآ اِلٰہ اور اطاعتِ محمدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم لازم ہو جاتی ہے یہی علامہ اقبالؒ کے اِس شعر کا مطلب ہے "چو می گویم مسلمانم بلرزم" یہ اطاعت ایسے ہی لازم ہو جاتی ہے جیسے کسی نے ایک عورت کے نکاح پر صرف ایک کلمہ قبولیت ہی کہا لیکن اس کلمے کے کہنے پر اس بیوی کی ہر جائز ضرورت (کپڑا، روٹی اور مکان وغیرہ) کو مہیا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی لا الٰہ کہہ دے تو گویا اس نے

اصولِ اسلام تو تسلیم کر لیا مگر اسلام اس کے دل میں نہیں اُترا۔ جب اسلام دل میں اُتر جائے تو اس کی شخصیت ہی بدل جاتی ہے۔ سورہ الحجرات آیت ۱۴ میں اسی طرف اشارہ ہے قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے آپ فرمائیے کہ تم ایمان تو نہیں لائے البتہ یہ کہو کہ ہم نے اطاعت اختیار کر لی اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا) اس سے ظاہر ہوا کہ ایسے لوگ مسلمان تو ہیں لیکن ایمان والے نہ کہلائیں گے کیونکہ لَمْ تُؤْمِنُوْا فرمایا گیا ہے۔ آج مسلمانوں کے دلوں میں بے یقینی، بے اطمینانی اور بے کیف زندگی کا احساس اسی طرح پایا جاتا ہے جیسا کہ امریکہ کے ہپیوں کی زندگی میں دیکھا جاتا ہے اور یہ سب دینِ متین سے دوری کا باعث ہے۔ ابھی انکے دلوں میں ایمان اترا ہی نہیں ہے ؎

قوت از جمعیتِ دینِ مبیں — دیں ہمہ عزم است و اخلاص و یقیں

(قوت کا منبع دین اور ایمان ہے دین تو سراسر عزم عمل اخلاص اور یقین ہے)

روح در تن مردہ از ضعفِ یقیں — نا امید از قوتِ دینِ مبیں

(جسم میں روح ضعفِ یقین سے مردہ ہو گئی ہے (یہ قوم) قوت اسلام سے نا امید (برگشتہ) ہے)

ترک و ایران و عرب مستِ فرنگ — ہر کسے را در گلو شستِ فرنگ

(ترک، ایران اور عرب فرنگیت پر عاشق ہیں ہر شخص کے گلے میں فرنگ کا طوق پڑا ہوا ہے)

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ کے پہلے حصے یعنی (لا) سے مراد ما سوی اللہ کی نفی ہے اور دوسرے حصے (الا اللہ) میں بقا کی صفت کا ہونا لازمی ہے آپ نے "لا" اور "الا" کو فنا اور بقا کے لئے استعمال کیا ہے اور ان دونوں کا فلسفہ جاوید نامہ، پس چہ باید کرد، ضربِ کلیم اور اپنے دیگر کلام میں نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے جس کا ذکر اس جگہ ممکن نہیں البتہ چند اشعار بطور نمونہ پیش کئے جا رہے ہیں۔

لا الٰہ گوئی بگو از روئے جاں — تا ز اندام تو آید بوئے جاں

(لا الٰہ کہتے ہو تو دل و جان سے کہو تاکہ تمہارے بدن سے روح کی خوشبو آئے)

ایں دو حرفِ لا الٰہ گفتار نیست ــــ لا الٰہ جز تیغِ بے زنہار نیست

(یہ "لا الٰہ" کے دو حرف صرف گفتار نہیں ہیں "لا الٰہ" ننگی، تلوار کے سوا کچھ نہیں)

در مقام "لا" نیا ساید حیات ــــ سوئے اِلّا می خرامد کائنات

(زندگی نفی تک محدود نہیں رہتی۔ کائنات اثبات کی طرف مائل پرواز ہے)

"لا و اِلّا" ساز و برگ اُمتاں ــــ نفی بے اثبات مرگِ اُمتاں

(لا و اِلّا اُمتوں کے لئے برگ و بر ہیں بغیر اثبات کے نفی ہی اُمتوں کی موت ہے)

ایں کہ می بینی نیرزد با دو جو ــــ از جلالِ لا الٰہ آگاہ شو

(جو کچھ (دنیا میں) دیکھتے ہو دو جو کی قیمت نہیں رکھتا چاہیئے کہ لا الٰہ کے جلال سے آگاہ ہو جاؤ)

ہر کہ اندر دستِ اُو شمشیرِ لا ست ــــ جملہ موجودات را فرمانروا ست

(جس کے ہاتھ میں "لا" کی تلوار ہے وہ تمام کائنات کا حاکم ہے)

تا نہ رمزِ لا الٰہ آید بہ دست ــــ بندِ غیر اللہ را نتواں شکست

(جب تک "لا الٰہ" کی رمز ہاتھ میں نہ آئے غیر اللہ کے بندش کو توڑا نہیں جا سکتا)

پیشِ غیر اللہ لا گفتن حیات ــــ تازہ از ہنگامۂ اُو کائنات

(غیر اللہ کے سامنے "لا" کہنا زندگی ہے یہ کائنات اسی کے ہنگامے سے زندہ ہے)

"لا" مقامِ ضرب ہائے پے بہ پے ــــ ایں غو رعد است نے آوازِ نَے

("لا" کا مقام دو بہ دو ضرب لگاتا ہے یہ بجلی کی کڑک ہے، بانسری کی آواز نہیں)

از جنونش ہر گریباں چاک نیست ــــ درخورِ ایں شعلہ ہر خاشاک نیست

(اس کے جنوں سے ہر گریباں چاک نہیں ہر خس و خاشاک اس شعلہ کے قابل نہیں)

نکتۂ می گویم از مردانِ حال ــــ اُمتاں را "لا" جلال اِلّا جمال

(مردانِ حال کے لئے ایک نکتہ کہتا ہوں کہ اُمتوں کے لئے "لا" جلال ہے اِلّا جمال ہے)

ملتِ بیضا تن و جاں لا الٰہ ــــ ساز مارا پردہ گرداں لا الٰہ

(اُمتِ محمدیہ ایک جسم ہے اور لا الٰہ اس کی روح ہے ہمارے ساز کے پردوں میں ارتعاش پیدا کرنیوالا لا الٰہ ہے)

لا الٰہ سرمایۂ اسرارِ ما ــــ رشتہ اش شیرازۂ افکارِ ما

(لا الٰہ ملتِ اسلامیہ کے بھیدوں کا سرمایہ ہے اسکا بندھن ہمارے افکار کی شیرازہ بندی کرتا ہے)

در جہان آغازِ کار از حرف لا ست　　این نخستیں منزل مردِ خداست

(دُنیا کے کام کا آغاز حرف لا سے ہوا ہے یہ مردِ خدا کی پہلی منزل ہے (اس سے ابتداء ہوتی ہے)

لوحِ دل از نقش غیر اللہ شُست　　از کفِ خاکش دو صد ہنگامہ رُست

(عرب نے لوحِ دل سے نقش غیر اللہ کو دھو دیا تو اس کی کفِ خاک سے سیکڑوں ہنگامے بپا ہوئے)

اے کہ اندر حجرہ ہا سازی سخن　　نعرۂ "لا" پیشِ نمرودے بزن

(اے شخص تو حجرے میں بیٹھا باتیں بنا رہا ہے نمرود کے سامنے آکر "لا" کا نعرہ لگا۔)

قبائے لاالٰہ خونیں قبائے است　　کہ بر بالائے نامرداں دراز است

(قبائے لاالٰہ وہ خونی قبا ہے جو نامردوں کے لئے دراز ہے یعنی موزوں نہیں)

۱۴۔ مومن سے زمین و آسمان لرز جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات مقرر ہو چکی ہے کہ جو اس کا مطیع اور فرمانبردار ہوگا پوری کائنات اُس کی مطیع اور فرمانبردار ہوگی۔ تاریخ شاہد ہے کہ اولیائے کرام کے حکم کے سامنے ہر چیز نے اطاعت کا اظہار کیا ہے۔ جن اولیاء کرام سے کوئی لغزش واقع ہوئی اُن سے یہ اختیارات بھی سلب کر دیئے گئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سے ایک ذرا سی لغزش ہوئی جس کی وجہ سے پندرہ دن تک وہ حکومت نہ کر سکے۔ آخر کار انابت (توبہ) کے بعد حالات بدستور ہوئے۔ جو ذرا ٹیڑھا ہوا تو مخلوق خدا بھی اس سے ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ ایسی بہت سی روایات منقول ہیں کہ جنات حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا نام سُن کر تھر تھر کانپتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریائے نیل کو حکم دیا تو خشک دریا میں ایک دم پانی بھر آیا۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ اللہ کی بات (ایمان لانے والی) مان لو تو تمہیں چار انعام ملیں گے۔

(۱) عمر دراز حاصل کرو گے۔

(۲) ہمیشہ تندرست رہو گے اور بیماری سے محفوظ رہو گے۔

(۳) جوان رہو گے بڑھاپا نہیں آئے گا اور

(۴) بے فکر رہو گے اور کبھی فکر نہیں ہوگا۔ (یہ انعامات ایمان والوں کو آج بھی ملتے ہیں۔)

مولانا رومؒ لکھتے ہیں :۔

گفت موسیٰ کاوّلین آں چہار   صحتی باشد تنت را پائیدار

(موسیٰؑ نے فرمایا کہ ان چاروں میں پہلا انعام یہ ہے کہ تیرے وجود کی صحت پائیدار رہے گی)

آنچناں بکشایدت فتحِ شباب   کہ کشود آں مژدہ بر عکاشہ باب

(تجھ پر جوانی کی رونق کا دروازہ اس طرح کھلے گا جس طرح حضرت عکاشہؓ پر ایسی خوشخبری نے جنت کا دروازہ کھولا)

رحمت او سابقست از قہر او   سابقی خواہی برو سابق بجو

(خدا کی رحمت اس کے قہر پر غالب ہے اگر تم یہ سبقت چاہتے ہو تو آخرت کی طرف سبقت کرو)

نے بگفتست آں سراجِ اُمتاں   ایں جہاں و آں جہاں را ضرتان

(کیا اُمتوں کے سردار نے یہ نہیں کہا کہ یہ جہاں اور وہ جہاں آپس میں سوکنیں ہیں)

گفت رو ہر کہ غم دیں بر گزید   باقی غمہا خدا از وے برید

(آپ نے فرمایا کہ جس نے دین کا غم برداشت کیا خدا نے بزرگ نے اُسے تمام افکار سے چھڑا دیا)

صیدِ دیں کن تا رسد اندر تبع   حسن و مال و جاہ و بختِ منتفع

(دین کا شکار کرو تاکہ تمہیں فائدہ ہو اور اس سے دنیاوی حسن و مال و جاہ اور آخرت بھی سعید ہو)

روایات میں ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیش کش کو تسلیم تو کر لیا تھا لیکن جب اس نے اپنے وزیر ہامان سے مشورہ کیا تو اس نے روک دیا اور کہا کہ آپ تو خود بادشاہ اور رب ہیں اب کسی دوسرے کی ماتحتی میں آنا آپ کی شان کے خلاف ہے۔

عکاشہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ نے میری اُمت میں سے ستر ہزار ایسے لوگ کئے ہیں جن میں سے ہر ایک کو ستر ہزار جہنمیوں کو بخشوانے کی اجازت ہوگی تو عکاشہ بن محصنؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے بھی دعا کریں کہ اللہ مجھے بھی ان میں سے کر دے آپ نے فرمایا کہ تو بھی انہی میں سے ہوگا۔ ایک اور صحابی نے بھی یہی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عکاشہ تم پر سبقت لے گیا۔ مولانا نے فرمایا کہ جس دینی کام میں دنیاوی رکاوٹ ہو تو تم دین کی طرف سبقت کرو۔ ایسا کرنے سے اللہ کی رحمت بھی تمہاری طرف سبقت کرے گی۔

ہم ان غم اللہ کی طرف سے ہیں ان سے نفرت نہ کرو | جب کسی پر کوئی مصیبت نازل ہو

تو اُسے اللہ کی طرف سے سمجھنا چاہیئے لیکن عام لوگ تو مصائب کے آنے پر اللہ کا گلہ شکوہ کرنا شروع کر دیتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ ہم سب اللہ کی ملک ہیں اور مملوک کو مالک پر شکوہ نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ اُسے مملوک پر اختیار رہتا ہے کہ جو چاہے کرے۔

ابتلاء (مومن کی آزمائش)

اگر مرادِ تو اے دوست نامرادیٔ ماست　　مرادِ خویش دگر بار من نہ خواہم خواست

(اے دوست اگر تیری خواہش یہ ہے کہ میں کوئی آرزو نہ کروں تو میں اپنی پُوری ہونیکی دوسری بار خواہش نہ کرونگا)

حکمتِ ابتلاء انسانوں اور بالخصوص مسلمانوں کو آزمانے کی غرض یا تو انہیں سیدھی راہ پہ لانا ہے' یا پھر اس کا مقصد ان کے درجات میں بلندیاں عطا کرنا ہے۔ پہلی صورت کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے:۔ وَبَلَوْنٰھُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّیِّاٰتِ لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ ○ (ہم نے آزمایا اُنہیں نعمتوں اور تکلیفوں کے ساتھ تاکہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں۔ الاعراف۔۱۶۸) سورۂ المومنون کی آیت ۷۶ میں ہے کہ بے شک ہم نے کفار کو عذاب میں پکڑا مگر وہ اپنے رب کے حضور نہ تو جھکے اور نہ ہی گڑگڑائے۔ سورۂ الاعراف آیت۔ ۱۳۰ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں کو قحط اور پھلوں کی کمی میں پکڑا تاکہ وہ نصیحت پکڑیں لیکن وہ اس عذاب کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے بدشگونی پر محمول کرتے رہے۔ مومنوں کے لیے بلندیٔ درجات سے متعلق آیات کا ذکر آگے آئیگا۔

اس بلندیٔ درجات کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مسلمانوں کی مدد کرنے کا وعدہ بھی فرمایا ہے' جیسے کہ ارشاد ہے " وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ " (اللہ تعالیٰ مدد فرمائے گا اس کی جو اس کے دین کی مدد کرے گا۔ الحج : ۴۰)۔ مومنوں کی دنیا اور آخرت میں مدد کا وعدہ قرآن میں متعدد بار آیا ہے۔ سورۂ الشوریٰ کی آیت ۳۰ میں فرمایا گیا ہے کہ ظالموں کو اُن کے گناہوں کے سبب تکلیف دی جاتی ہے۔ قرآن کی ان آیات اور آئندہ صفحات پر آنیوالی آیات کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ نیک بندوں کی آزمائشیں اُن کے درجات بلند کرنے کی غرض سے ہوتی ہیں جبکہ کفار کے لیے بطورِ سزا ہوتی ہیں۔ اس طرح کفار کے عذاب اور مومنوں کی آزمائش میں فرق واضح ہو جاتا ہے۔ مومنوں کی مشکلات میں مدد کرنے کا ذکر قرآن کی درجِ ذیل آیت میں آیا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ط بیشک اللہ بلائیں ٹالتا ہے ان کی جو ایمان والے ہیں

(سورۃ : الحج ۳۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا (۱) فرائض ادا کرو عبد بن جاؤ گے ۔(۲) قناعت اختیار کرو لوگوں سے غنی ہو جاؤ گے ۔ (۳) مصائب میں صبر کرنے والے شجرۃ البلوٰی میں جائیں گے، قیامت کے دن نہ ان کے لیے کوئی ترازو رکھا جائے گا نہ اُن کا دفترِ عمل کھولا جائیگا اور بارش کی طرح اُن کا اجر اُن پر برسے گا ۔

قرآن کا مطالعہ کیا جائے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جہاں آزمائش کا ذکر آیا ہے وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خصوصیت سے آیا ہے ۔ نقل ہے کہ فرشتوں نے عرض کیا کہ الٰہی تو نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا ہے حالانکہ ان کے پاس مال کی کثرت ہے اور پھر بھی وہ ہمیشہ افزونیٔ مال کا سوال کرتے ہیں ۔ فرمایا کہ اگرچہ اُن کے پاس مال بہت ہے مگر اُن کا دل مال سے وابستہ نہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا جاؤ اور اُن کی آزمائش کر لو ۔ چنانچہ جبریل علیہ السلام گئے اور اُن کے قریب جا کر بہت پیاری آواز میں کہا " اَللّٰہُ اَکْبَرُ ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ " حضرت ابراہیمؑ نے جو بکریاں چرا رہے تھے کہا " اے میرے دوست کا نام لینے والے اُس کا نام دوبارہ لے" انہوں نے کہا کہ کچھ ہدیہ دیجیے ۔ آپ نے کہا کہ جو میری ملکیت میں ہے وہ سب میں نے اپنے دوست کے نام پر قربان کیا ۔ اس کے بعد فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ حضرت ابراہیم کو اپنی اولاد سے بہت پیار ہے ۔ چنانچہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی طلب کی گئی تو وہ محبتِ خدا میں پورے اترے اور بیٹے کے گلے پر چھری چلا دی ۔ فرشتوں نے عرض کیا کہ الٰہی اُن کو اپنی جان بہت عزیز ہے ۔ چنانچہ ابراہیمؑ کو نمرود نے آگ میں ڈالنے کا حکم دیا تو جبریل علیہ السلام وہاں پہنچے اور کہا : " تمہیں مجھ سے کوئی حاجت ہے ؟ " تو آپ نے فرمایا " نہیں " انہوں نے عرض کیا " تو پھر اپنے رب سے سوال کریں " آپ نے فرمایا : عِلْمُهُ بِحَالِيْ يَكْفِيْنِيْ عَنْ سَوَالِيْ " یعنی اُس کا میرے حال سے واقف ہونا میرے سوال کرنے سے کفایت کرتا ہے ۔

یاد رہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے کی عمر میں اولاد عطا فرمائی اور اسمٰعیل ابھی خوردسی کے عالم میں تھے کہ ابراہیم علیہ السلام کو آزمائش میں مبتلا کیا اور اُن کو حکم دیا گیا کہ اپنی بیوی ہاجرہؑ اور بچے (اسمٰعیل) کو بے آب و گیاہ صحرا میں (جہاں اب خانہ کعبہ ہے) چھوڑ دو لہٰذا آپ

نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی اور پھر بھی آپ خدا کا شکر ادا کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے ایسے شکر گزار بندوں کی مثال قائم کر کے ہم سے بھی ایسی شکر گزاری اور آدابِ بندگی بجالانے کی توقع رکھتا ہے

مسلمان کی زندگی ایک آزمائش ہے

آزمائش کو آسان بنانے کے طریقے

مسلمان کے لئے زندگی قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ یہی مصائب مسلمان کو وہ اختیار عطا کر دیتے ہیں جو مخلوقات میں سے کسی کے حصے میں نہیں۔ تکالیف زمانہ کڑوی دوا کی طرح فائدہ بخش ہیں اور مسلمان کی بلندیٔ درجات کا سبب بنتے ہیں۔ حضرت انسان انہی مصائب کی بنا پر کائنات میں نائب الٰہی کے رتبے پر فائز ہوا ہے ورنہ عبادت کے لئے تو فرشتے اور دیگر مخلوق کوئی کم نہ تھی جب انسان کو پوری زندگی کیلئے آزمائش میں ڈالا گیا ہے تو اُسے اس امتحان میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے اُن راز ہائے بیش بہا کا علم ہونا ضروری ہے جن کو خود محسن نے قرآن اور احادیث کے ذریعے ہم تک پہنچا دیا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ جو لوگ سانپوں میں رہتے ہیں اُنکے لئے سانپوں کا منتر سیکھنا ایک نہایت ضروری امر ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ ابتلائے دنیا اور اُسکو برداشت کرنیکا پورا علم حاصل کرے۔ چنانچہ اس جگہ وہ حوالہ جات پیش کئے جا رہے ہیں جو نہ صرف نہایت دلچسپ ہیں بلکہ ہر مسلمان کے دل میں ابتلاؤں کے برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

یہ دنیا مقام ابتلا ہے

خدائی آزمائش یہ ہے کہ بندے پر کوئی پابندی لازم کر کے دوسروں پر اُسکے کھرے اور ثابت قدم ہونے کا اظہار کیا جائے جیسے سونا بھٹی کی تپش کو برداشت کرنے کے بعد ہی محبوب کے پہننے کے قابل ہوتا ہے۔ سورۂ الملک کی ابتدا اس بات سے کی گئی ہے کہ منزہ اور برتر ہے وہ ذات جس کے قبضے میں سب جہانوں کی بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ اس کے بعد فرمایا اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ (وہ خدا جس نے پیدا کیا موت اور زندگی کو تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے۔)

مذکورہ بالا آیت میں موت کو مقدم رکھا گیا اور حیات کو مؤخر کیا گیا ہے۔ اسکی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مومن کی موت اُسکی زندگی سے زیادہ افضل ہے کیونکہ اس میں اس کو زندگی کی

نسبت قرب الٰہی زیادہ ملتا ہے اور جو چیز بندے کو اللہ سے ملادے زیادہ عزیز اور افضل ہوتی ہے۔
یہی وجہ ہے کہ موت کو تخلیق میں مقدم کیا اگرچہ دنیا میں حیات سے موت مؤخر ہوتی ہے۔ ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ موت دنیا کو آخرت سے ملانے والا ایک پل ہے (اَلْمَوْتُ جِسْرُ الْآخِرَۃِ)

اس دنیا کو آزمائش کی جگہ اس لئے کہا گیا ہے کہ اس کے لئے آخرت اور دوسرے جہان کے عذاب اور ثواب کو پردۂ غیب میں رکھا گیا ہے۔ اگر جنت اور دوزخ کو لوگوں پر ظاہر کر دیا جاتا تو دنیا میں کوئی شخص ایسا باقی نہ رہتا جو ایمان نہ لے آتا اور جنت کیلئے کوشش نہ کرتا۔ جب کافر موت کے وقت ملک الموت کو ملاحظہ کر لیتے ہیں تو ان کو بھی خدا اور اسلام کا یقین ہو جاتا ہے اور اللہ پر ایمان لے آتا ہے مگر ایمان کی شرط تو غدا پر بالغیب ایمان سے وابستہ ہوتی ہے۔ اس جہان کا مقام آزمائش ہونا بھی اسی لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ بغیر دیکھے کون ایمان لاتا اور نیک اعمال کرتا ہے (کیونکہ عذاب کو دیکھ کر اللہ سے ڈرنا تو قابل تعریف بات نہیں)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب بیٹے کو ذبح کرنے کیلئے کہا گیا تو اس سے خون مراد نہ تھا بلکہ جو چیز حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام میں بالقوہ موجود تھی اس کو بالفعل ظاہر کرنا مطلب تھا۔
یہی حکمت قربانی میں پوشیدہ ہے (لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآؤُھَا۔ الحج: ۳۷)
یعنی اللہ کو ان قربانیوں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا (حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ مصیبت پر صبر کرنا تو عورتوں اور ہیجڑوں کا کام ہے مرد تو مصیبت پر شکر ادا کرتے ہیں آپ کے بیٹے نے جب آپ سے پوچھا کہ مصیبت پر شکر کیسے کیا جاتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ تو نے وہ حدیث نہیں پڑھی کہ جس شخص کو کانٹا چبھتا ہے اسکا ایک گناہ معاف کیا جاتا ہے اور ایک نیکی اسکے اعمال نامے میں لکھی جاتی ہے جس کو ایک روز بخار ہو تو ایک سال کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

اعمال کی جزا اگلے جہان میں ملتی ہے اور آخرت کو عقبیٰ اسی لئے کہتے ہیں کہ جزا بعد کو ملتی ہے یہ جزا اس دنیا میں اسلئے نہیں دی جاتی کیونکہ اس دنیا کا دائرہ محدود ہے اور عدل کے تمام تقاضے موجود نہیں اور بعض گراں بہا اعمال کا اجر تو اس دنیا میں ہو ہی نہیں سکتا۔ مثلاً شہید قوم اور ملت کا اجر اس دنیا میں کیا ہو سکتا ہے اسی لئے تو شاعر نے اپنی تشنگی کا اظہار کیا ہے کہ

" قوم کے مردِ مجاہد تجھے کیا پیش کروں " خدا کے خاص بندے اپنی جان و مال کا نذرانہ لیکر خدا کی بارگاہ میں بعد عجز و نیاز حاضر رہتے ہیں اور اپنا سب کچھ نثار کرنے کیلئے بیتاب رہتے ہیں۔ حافظ شیرازیؒ کو دیکھئے کہ کس بے قراری سے فرماتے ہیں کہ اے الٰہی میں نے سنا ہے کہ تو اپنے کتوں کے گلے میں ابتلاء کے پٹے ڈال رہا ہے، الٰہی حافظ کو اس بلا کی رسی سے کیوں محروم کیا ہے ؟

شنیدہ ام کہ سگاں را قلادہ می بندی ‌‌ ‌‌ ‌‌ ‌‌ چرا بگردنِ حافظ نہ می نہی رسنے

(سنا ہے کہ تو اپنے کتوں کی گردنوں میں پٹے ڈال رہا ہے حافظ کی گردن میں رسی کیوں نہیں ڈالتا)

توحید متاعیست کہ بر دار فروشند ‌‌ ‌‌ ‌‌ ‌‌ گل نیست کہ در کوچہ و بازار فروشند

(توحید وہ مال ہے جو پھانسی کے تختے پر بکتا ہے یہ وہ پھول نہیں جو گلی کوچوں میں بکتا ہے)

حلقہ در گردنم افگندہ دوست ‌‌ ‌‌ ‌‌ ‌‌ می برد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست

(دوست نے میری گردن میں پھندہ ڈال رکھا ہے اور جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے)

خسرو تو بس بلند شدی در مقام عشق ‌‌ ‌‌ ‌‌ ‌‌ گویا بپائے بوس سگانش رسیدہ

(اے خسرو اب تیرا مرتبہ عشق میں بہت بلند ہو گیا ہے کیونکہ تو دوست کے کتوں کے پاؤں تک پہنچ گیا ہے۔)

از طوقِ سگاں مدار محروم ‌‌ ‌‌ ‌‌ ‌‌ گر خلعتِ خاص را نہ شائیم

(اے دوست اگر خلعت خاص کے ہم لائق نہ ہوں تو کتوں کے طوق سے تو محروم نہ رکھ۔)

آزمائش ایک کڑا امتحان ہے

ابتلا کا لفظ "بلی" یا "بلاء" سے بنا ہے جس کے معنی بوسیدہ ہوتا ہے "بلوتہ" کا معنی یہ ہوئے کہ میں نے کثرت آزمائش سے بوسیدہ کر دیا مصائب کبھی تو امتحان کی غرض سے ہوتے ہیں اور کبھی غافل انسانوں کو جھنجوڑنے کی غرض سے ہوتے ہیں قانون الٰہی کا تقاضا ہے کہ جو لوگ اس امتحان سے سرخرو نہیں ہو پاتے ایسے لوگوں پر ابدی ذلت کے طور چنگیز اور ہلاکو کی صورت میں رسوائی کو مسلط کر دیا جاتا ہے

ہے جو ہنگامہ بپا یورشِ بلغاری کا ‌‌ ‌‌ ‌‌ ‌‌ غافلوں کیلئے پیغام ہے بیداری کا

تو سمجھتا ہے یہ سامان ہے دل آزاری کا ‌‌ ‌‌ ‌‌ ‌‌ امتحاں ہے ترے ایثار کا خودداری کا

کرتی ہے ملوکیت آثارِ جنوں پیدا ‌‌ ‌‌ ‌‌ ‌‌ اللہ کے نشتر ہیں، تیمور ہو یا چنگیز

اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو شرف دوستی بخشنے کی غرض سے اُنکا امتحان فرماتا ہے۔ تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ کون اُسکی دوستی کے قابل ہے۔ فرمان الٰہی ہے۔ اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (وہ ذات جس نے پیدا کیا موت اور زندگی کو تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے۔ سورہ الملک آیت ۲) ایک جگہ فرمایا وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِیْنَ مِنْکُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَکُمْ (ہم ضرور آزمائینگے تم کو تاکہ دیکھ لیں کہ تم میں سے کون مصروف جہاد رہتے ہیں اور صبر کرنے والے ہیں حتیٰ کہ ہم پرکھ لیں تمہارے احوال (سورہ محمدؐ آیت ۳۱) سورۂ البقرہ آیت ۱۵۵ میں ہے وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ (ہم ضرور آزمائیں گے تمہیں خوف اور بھوک (وغیرہ) سے۔ سورہ عنکبوت آیت ۲ میں ہے کہ۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ (کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں صرف اتنی بات پر چھوڑ دیا جائیگا کہ وہ کہیں کہ ہم ایمان لائے اور انہیں آزمایا نہیں جائیگا) اِن آیات سے معلوم ہوا کہ وفاداری کی پہچان آزمائش سے ہی کی جاتی ہے ؎

متاعے کزیں رہ گذر می برند | لب خشک و مژگان تری برند
(اِس راہگزر سے جو سامان لے جایا جاتا ہے وہ ہے خشک لب اور آنکھوں کا تر ہونا)

اس قسم کی بہت سی آیات قرآن پاک میں ملتی ہیں جن میں اس بات کا ذکر ہے کہ اگر ہم سے پیار ہے تو ہر قسم کی مصیبتوں، مشقتوں اور پریشانیوں کیلئے تیار ہو جاؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے عاشقوں کو فرماتے تھے کہ جسے ہم سے پیار ہے وہ مصائب کیلئے تیار ہو جائے کیونکہ ایسے لوگوں کی طرف مصائب اِس طرح آتے ہیں جس طرح نیچی جگہ کی طرف پانی تیزی سے آتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ افضل عیش یعنی بہترین زندگی کو ہم نے صبر میں پایا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب رحلت فرمانے لگے تو لوگوں نے کہا طبیب کو بلائیں آپؓ نے فرمایا کہ طبیب نے مجھے دیکھ لیا ہے اور کہا ہے کہ اِنِّیْ فَعَّالٌ لِّمَا اُرِیْدُ (کہ میں وہی کرتا ہوں جو میں چاہتا ہوں۔ حضرت معروف کرخیؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو اپنے مولا کی ضرب سے لذت حاصل نہیں کرتا وہ اُسکا سچا غلام نہیں اور عبودیت کے دعوٰی میں سچا نہیں بعض صادقین تو اپنی جیب میں لکھ کر رکھ لیتے تھے۔ وَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا (آپ صبر

فرمایئے اپنے رب کے حکم سے، پس آپ بلا شبہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ سورہ طور ۔ ۴۸ پیر اولیائے صادقین جب کوئی مصیبت آتی تو اس کاغذ کو نکال کر دیکھتے تو محسوس کرتے کہ اللہ تعالیٰ ہماری مصیبت کو دیکھ رہے ہیں اور جب وہ یہ پڑھتے تو جھومتے اور رقص کرتے روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے خود وجد فرمایا۔ عاشقوں کی بات کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ جب زلیخا کی سہیلیوں نے اپنی انگلیاں یوسفؑ کو دیکھ کر کاٹ لیں تو انہوں نے افسوس تک نہ کیا بلکہ انکو معلوم بھی نہ ہوا کہ انگلیاں کٹ گئیں ہیں تو پھر محبوب حقیقی کی آزمائش پر افسوس تو بالکل نہیں ہونا چاہیئے۔

رایں است کہ خوں خوردہ و دل بردہ بسے را ___ بسم اللہ اگر تاب نظر است کسے را

(عاشقوں کا حال) یہ ہے کہ بسا اوقات خون دل پیتے اور غلامی قبول کرتے اگر کسی میں یہ تاب نظر ہے تو بسم اللہ کرے)

اگر کسی کو اندھیرے میں کوئی چٹکی بھر لے اور وہ تکلیف سے پریشان ہو جائے مگر جب اُسے یہ معلوم ہو کہ چٹکی بھرنے والا اُس کا عزیز ترین محبوب ہے تو بجائے غصے کے وہ خوش ہو گا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ غم میری طرف سے ہیں ان سے ناراض نہ ہونا ۔ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ یعنی وہ خود فرماتا ہے کہ تم اپنے رب کی خوشنودی کیلئے صبر کرو کیونکہ ایمان کی حلاوت اُس وقت تک میسر نہیں ہوتی جب تک تم تیر بلا کا نشانہ نہ بنو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ کرم ہے کہ مصیبت میں صبر کرنے سے برداشت سہل ہو جاتی ہے اور غم ہلکا ہو جاتا ہے اور اگر کوئی راحت کی امید رکھے گا تو اُسے سوائے حسرت کے کچھ نہیں ملیگا۔

علامہ فرماتے ہیں مردان حق کا امتحان مصائب سے ہوتا ہے اور خدا کے دیدار کے پیاسوں کو زیادہ پیاسا کیا جاتا ہے۔

امتحان پاک مردان از بلاست ___ تشنگاں را تشنہ تر کردن رواست

در گذر مثل کلیم از رود نیل ___ سوئے آتش گامزن مثل خلیل

(کلیم اللہ علیہ السلام کی طرح دریائے نیل سے گزر جا اور خلیل اللہ علیہ السلام کی طرح آگ میں قدم رکھ دے) سب سے زیادہ سختی انبیاء علیہم السلام پر ہوتی ہے اور پھر اولیاء پر اور پھر ان لوگوں پر جو اور لوگوں سے اچھے ہوں۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا تصور ابتلاء

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کی نعمت یا لذت کو حاصل کرنے کیلئے نہیں بنایا گیا کیونکہ نعمتوں اور لذتوں کیلئے تو آخرت ہے۔ دنیا اور آخرت تو ایک دوسرے کی نقیض (اُلٹ) ہیں۔ دنیا کی ناراضگی سے آخرت میں خوشی اور دنیا کی خوشی میں آخرت کی ناراضگی ہے چنانچہ ایک جگہ اگر لذت پائی جائے تو دوسری جگہ رنج والم کا پانا لازم ہوگا۔ آخرت کی لذتوں کے مقابلے میں دنیا کی لذتوں کی مثال سمندر کے سامنے قطرے کی نسبت بھی نہیں رکھتی۔ عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ دوستوں کو چند روزہ محنت میں رکھنا چاہیے تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی سے حصہ حاصل کریں۔ فرماتے ہیں کافروں کو دنیا میں عذاب نہ دینا ہی انکے لئے نعمت ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ "الدنیا سجن المومن وجنت الکافر" دنیا کافر کیلئے جنت اور مومن کیلئے قید خانہ ہے۔

مجدد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر اس دنیا میں یہ درد والم نہ ہوں تو اس کی قیمت ایک جو کے دانے کے برابر نہ ہوتی۔ ان مصائب پر ہی تو اجر ملتا ہے اور خدا کی خوشنودی اور رضا بھی۔ اگر مسلمان دنیا میں تکلیف نہ اٹھاتے تو انہیں جنت کی نعمتوں کی قدر و قیمت معلوم نہ ہوتی۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مصائب تو عوام کو بری لگتی ہیں مگر خواص کو تو اللہ کی طرف سے ہر چیز پسند آتی ہے اور اللہ کی طرف سے مصائب پر وہ زیادہ لذت حاصل کرتے ہیں جو انکو نعمتوں میں بھی محسوس نہیں ہوتی گویا اللہ کے دوست دنیا میں مصائب سے لذت حاصل کرتے ہیں اور آخرت میں بھی محظوظ اور مسرور ہونگے کیونکہ انکی نظر فعل پر نہیں بلکہ فاعل کے جمال پر ہوتی ہے۔ اللہ کا احسان یہ ہے کہ اس نے تنگ و رسوائی کو برگزیدہ کیلئے جمال اور کمال بنایا ہے اور ان کیلئے مصائب کو ترقیات کا سبب بنا دیا ہے۔

ہرچہ آں خسرو کند شیریں بود (یعنی جو وہ بادشاہ کرتا ہے شیریں ہوتا ہے)

حضرت مجدد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر صرف دشمنوں کو اللہ تعالیٰ مصائب دیتے تو دشمن اور دوست میں تمیز ہو جاتی اور سب کے سب مسلمان ہو جاتے پھر یہ آزمائش اور امتحان باطل ہو جاتا۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ ایمان بالغیب کے منافی تھا ایمان کی اصل تو یہ ہے کہ انسان خدا کو

نہ دیکھتے ہوئے اُسکی پہچان کرے اور پھر اُسکے احکام کو مانتے جیسے فرمایا وَلِیَعْلَمَ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ وَرُسُلَہٗ بِالْغَیْبِ ط اور ریسب اس لیے) تاکہ دیکھے اللہ تعالیٰ کہ کون کرتا ہے اس کی اُور اسکے رسولوں کی بن دیکھے (الحدید ۵) لہٰذا یہ اللہ کا قانون اپنے دوستوں کی پہچان کا ذریعہ ہے

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے آزمائش سے متعلق ایک اور خوبصورت دلیل پیش کی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو دنیا اور آخرت میں نعمتیں دے دیتا تو یہ اُس کی حکمت اور عادت کے منافی ہوتا کیونکہ عادت الٰہی اس پر ہے کہ یَفْعَلُ اللّٰہُ بِاَوْلِیَائِہٖ فِیْ ھٰذِہِ الدُّنْیَا مَا یَفْعَلُ بِاَعْدَائِہٖ فِی الْاٰخِرَۃِ —کذا فی مکتوبات ربانی (اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں سے اس دنیا میں وہ سلوک کرتا ہے جو اپنے دشمنوں سے آخرت میں کرتا ہے) یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ وہ ان مصائب دنیا کو مسلمانوں کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے کفار کے گناہ بڑے ہیں اور ناقابل کفارہ ہیں تو وہ توبہ، تضرع، استغفار اور زاری نہیں کرتے بلکہ سرکشی کرتے ہیں اور گناہوں پر دلیر ہیں دنیا کے مصائب آخرت کے عذاب کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔ فرماتے ہیں عوام تو مصائب سے گھبرا جاتے ہیں مگر خواص کا ذوق دوگنا ہو جاتا ہے وہ ان مصائب کے انوار کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ محبوب کی تکلیف اُسکے انعام سے اور اُسکا جلال اُسکے جمال سے زیادہ محبوب ہے کیونکہ جمال میں اور انعام میں محبوب کی مراد کے ساتھ اپنی مراد اور خوشی بھی شامل ہوتی ہے مگر درد اور بلا میں محض محبوب کی مراد ہوتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص ایک دن بیمار رہے تو اسکے ایک سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھ جائے تو اس سے بھی کئی گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ ایسے ہی ابتلا میں گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ بلا اور مصیبت کا شکایت کرنا حق تعالیٰ کی شکایت کا اظہار کرنا ہے۔ حالانکہ یہ شکایت کا مقام نہیں بلکہ شکر کا مقام ہے کہ معمولی تکلیف کے بدلے عظیم مصیبت سے نجات ملے صوفیہ کا قول ہے کہ مصیبت کے وقت اگر سالک اپنے دل میں راحت اور خوشی محسوس کرے تو یہ انشراح صدر کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی طرح خوشی کو بھی اللہ کی طرف منسوب کرے اور یہ سمجھے کہ مصیبت بھی اُسی نے دی اور خوشی بھی اُسی کی طرف سے ایک احسان ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ شرح صدر ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ انسان کے سینے میں ڈال دیتا ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ۔

بلا از دوست عطا است — و از عطا نالیدن خطا است

(مصیبت اللہ کی طرف سے عطا ہے اور عطا پر رونا خطا ہے)

حدیث شریف میں ہے کہ مومن پر چالیس دن ایسے نہیں گذرتے کہ اس کو کوئی پریشانی یا تکلیف نہ پہنچے ۔ سلف صالحین اتنی دیر بغیر تکلیف کے گزرتے دیکھکر پریشان ہو جاتے ۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عرض کی کہ مجھ کو کبھی کوئی تکلیف پہنچی اور نہ کبھی سر میں درد ہی ہوا ہے ۔ آپ نے فرمایا مجھ سے دور ہو جا اور فرمایا کہ جو کسی دوزخی کو دیکھنا چاہیے تو اسکو دیکھ لے (اس سے ظاہر ہوا کہ جنت قید لے ہے جفاؤں پر صبر کرنے کا)

سورہ توبہ آیت ۱۲۶ میں ہے ۔ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِىْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ۔ دکیا نہیں دیکھتے کہ وہ آزمائے میں آتے ہیں سال میں ایک بار یا دو بار حضرت ایوب علیہ السلام سے جبرئیل علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ علیہ السلام خوشحالی میں خوش ہیں یا مصیبت کے زمانے میں خوش تھے فرمایا کہ مصیبت کے دنوں میں زیادہ خوش تھا کیونکہ ان دنوں اللہ تعالیٰ روزانہ میری مزاج پرسی فرماتے اور کہتے تھے "ایوب کیسے ہو" اور اس کلام سے مجھ پر کیف و مستی طاری ہو جاتی تھی کہ ہر گھنٹے کے بعد اللہ تعالیٰ پھر دریافت فرماتے منقول ہے کہ حضرت ابراہیم فرماتے تھے کہ جس قدر پرلطف اور اچھا وقت انکو آتش نمرود میں ملا، وہ انکو زندگی بھر میں نہ ملا ۔ حضرت ابراہیم ادھم کے نے ایک رات جنگل میں گذاری جبکہ آپ کے بستر میں سانپ پھرتے رہے آپ نے فرمایا کہ ایسی آرام کی رات انھیں پہلے کبھی میسر نہ ہوئی تھی ۔ حضرت یوسف علیہ السلام پر کیسا بلائیں نازل ہوئیں مگر آپ کو جب اللہ کے انعامات ملے تو اس پر اللہ کا شکر ادا کیا اور ان مصائب کا ذکر تک زبان پر نہ لائے ۔

مصائب کی درج بالا تشریح کے بعد سختیوں کو جھیلنے میں آسانی کا سامان پیدا ہوتا ہے چنانچہ سالکان راہ طریقت کو مشکلات سے گھبرانا نہیں چاہیے ۔

جفا طلبی مسلمان کا شیوہ ہے

انسانی طبیعت کا تقاضا ہے کہ وہ عیش و عشرت اور آرام طلبی کو پسند کرتا ہے اور جب مصائب سے دوچار ہوتا ہے تو گھبرا کر حادثات زمانہ کا شکوہ سنج ہو جاتا ہے ۔ مسلمان کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ہر مسلمان کی زندگی میں مصائب اور آلام ایک جزو لاینفک کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ علامہ اقبال نے فلسفۂ غم مصائب اور آلام سے متعلق بہت کلام لکھا ہے جس کا کچھ حصہ ہماری تصنیف "سرمایۂ ملت" میں مختلف مقامات پر شامل کر دیا گیا ہے ۔ علامہ کے کلام کی خصوصیات میں سے سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ مسلمان

کو مشکل پسند اور خطرات سے ٹکرانے والی چٹان کی طرح قوی اور مضبوط دیکھنا چاہتے ہیں ؎

مری نظر میں یہی ہے جمال زیبائی — کہ سر بسجدہ ہیں قوت کے سامنے افلاک

نہ ہو جلال تو حسن و جمال بے تاثیر — نرا نفس ہے اگر نغمہ نہ ہو آتش ناک

مجھے سزا کیلئے بھی نہیں قبول وہ آگ — کہ جس کا شعلہ نہ ہو تند و سرکش و بیباک

شاہین کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا — پر دم ہے اگر تو تو نہیں خطرۂ افتاد

(کوئی شاعر)

گریز کشمکش زندگی سے مردوں کی — اگر شکست نہیں تو اور کیا ہے شکست

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق — عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

خطر پسند طبیعت کو ساز گار نہیں — وہ گلستاں کہ جہاں گھات میں نہ ہو صیاد

چیتے کا جگر چاہیئے شاہیں کا تجسس — جی سکتے ہیں بے روشنی دانش و فرہنگ

ترا بحر پر سکوں ہے، یہ سکوں ہے یا فسوں ہے — نہ نہنگ ہے نہ طوفاں، نہ خرابی کنارہ

حیات شعلہ مزاج و غیور و شور انگیز — سرشت اسکی ہے مشکل کشی، جفا طلبی

علامہ فرماتے ہیں کہ جس قوم میں مشکل کشی کا جذبہ موجود ہے ایسے لوگوں کے لئے جہاں از خود ساز گار بن جاتا ہے اور جو لوگ سختی برداشت نہ کر سکیں وہ کھوٹے سکے کی مانند ہیں اور قوم پر ایک بوجھ ہیں

از بلا ها پخته تر گردد خودی — تا خدا را پرده در گردد خودی

(خودی تو مصائب سے پختہ تر ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ خدا کو بھی بے نقاب کر دیتی ہے)

از بلا ترسی؟ حدیث مصطفیٰ است — مرد را روز بلا روز صفا ست

(تو مصائب سے ڈرتا ہے؟ حدیث رسولؐ میں ہے کہ مرد کے لئے روز بلا تزکیۂ باطن کا دن ہے)

مرد خود دارے کہ باشد پختہ کار — با مزاج او بسازد روزگار

(ایسا انسان جو خود دار بھی ہے اور پختہ کار بھی تو دنیا اسکی ضرور معاون اور موافق ہو جاتی ہے)

گلہ از سختی ایام بگذار — کہ سختی ناکشیدہ کم عیار است

(مصائب زمانہ کے خلاف شکوہ چھوڑ دو کیونکہ جس نے سختیاں نہ سہی ہوں، وہ کھوٹا سکہ ہے)

نمی دانی کہ آب جوئبار ان — اگر بر سنگ غلطد خوشگوار است

دیکھا نہیں جانتے کہ آبشار وں کا پانی جب پتھروں پر رواں ہوتا ہے تو زیادہ خوشگوار لگتا ہے)

قرآن کا انداز ابتلاء

قرآن کہتا ہے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد سب آزمائش ہے وَاعْلَمُوٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد سب آزمائش ہے اور بیشک اللہ کے پاس اجر عظیم ہے۔ سورہ انفعال ۲۸) اس آزمائش میں صرف وہی لوگ پورا اترتے ہیں جو اپنے بچوں کو صحیح تربیت دیں نہ کہ ان کو مال و دولت کا پجاری بنادیں آجکل ماں باپ بچوں کو دولت اکھٹی کرنے کے ڈھنگ سکھاتے ہیں اور دین کی تعلیم کی چنداں پرواہ نہیں کی جاتی۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ حلال اور نیک روزی سے پلے ہوئے بچے نہایت ذہین، تابعدار، راست باز اور راسخ العقیدہ ہوتے ہیں۔ شاہین پاک روزی کی قوت سے پہاڑوں کی چوٹیوں کو سر کرلیتا ہے حلال رزق گو کم ہوتا ہے لیکن اگر انسان اس کم رزق پر راضی ہوجائے تو خدا اس کے کم اعمال سے بھی راضی ہوجاتا ہے اور اسکے درجات بلند فرمادیتا ہے۔

یوسف علیہ السلام کو کوئیں میں پھینکا گیا، بھائیوں کی مخالفت کو برداشت کیا، مصر کے بازار میں بیچا گیا، عزیز مصر کے گھر تہمت لگائی گئی، عزیز مصر کی بیوی نے بے حیائی کی دعوت دی (جوانی کے عالم میں ایسی آزمائش سے بچنا کوئی کم بات نہ تھی) اور پھر آنجو زنان مصر کی وجہ سے بارہ برس جیل میں بھیجا گیا پھر بھی آپ اپنی زبان پر شکوے کا ایک بھی لفظ نہ لائے بلکہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکر ادا کرتے رہے۔ سورہ یوسف کی آیت ۱۰۱ میں ہے کہ آپ نے فرمایا "اے اللہ تو نے مجھ سے بہت اچھا سلوک کیا کہ مجھے جیل سے نکالا، اور میرے بھائیوں کو مجھ سے ملایا، مجھے مصر کے ملک کی حکومت عطا کی اور مجھے خوابوں کی تعبیر کرنے کے علم سے نوازا"۔ ایک مسلمان کا یہی شیوہ ہونا چاہیئے کہ وہ اللہ کے احسانات کو یاد کرے اور مصائب کو بھول جائے کیونکہ یہ تو اسکو بلند درجے پر فائز کرنے کے لوازمات میں سے ہے۔ سورۃ الحج آیت ۱۱ میں ہے کہ کچھ لوگوں کا یہ حال ہے کہ اگر حالات سازگار رہیں تو دین پر قائم رہتے ہیں اور اگر کوئی مشکل آئے تو گھبرا کر دین سے ہی منہ موڑ لیتے ہیں۔ ایسے لوگ دنیا اور آخرت کو برباد کر دیتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اگر نماز روزہ کی پابندی کریں اور اس دوران کوئی مشکل آجائے تو نماز روزے کو چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ اُن کی بیوقوفی کی علامت ہے

اور شیطان کا بہکاوا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو سکراتِ موت میں بہت تکلیف دی گئی تو حضرت فاطمہؓ پریشان ہوگئیں آپ نے انکی بے قراری کو دیکھ کر فرمایا اے فاطمہؓ! تمہارے باپ پر بس یہی ایک محنت رہ گئی ہے اسکے بعد کوئی ناپسندیدہ بات نہ ہوگی۔ (مسلمانوں کے لئے مصائب کفارہ ہیں اور انبیاء کیلئے امت کا کفارہ اور بلندیٔ درجات کا سبب ہوتے ہیں۔

سورۂ کہف آیت ۷ میں فرمایا کہ ہم نے زمین کی چیزوں کو باعثِ زینت بنایا تاکہ ہم آزمائیں کہ ان میں سے کون عمل کے لحاظ سے بہتر ہے۔ (لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً) اس سے منشاءِ الٰہی صرف یہ دیکھنا ہے کہ کون اس دنیا کی رنگینوں میں کھوکر رہ جاتا ہے اور کون ہے جو ان کو چھوڑ کر اللہ کی طرف رواں دواں ہوتا ہے۔

سورۂ الذاریات آیت ۱۳ میں ہے کہ کفار کو قیامت کے دن آگ پر تپایا جائیگا (عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ) مومنوں کیلئے فرمایا کہ وہ اس دنیا میں آزمائش کیلئے تیار رہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

۱۔ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ (ہم تمہارا امتحان شر اور خیر سے کرتے ہیں۔ الانبیاء ۳۵)

۲۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ (ہم ضرور آزمائینگے تمہیں کسی ایک چیز کے ساتھ یعنی خوف اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے۔ البقرہ ۱۵۵)

۳۔ لِيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَا اٰتٰكُمْ (تاکہ آزمائیں تمہیں اس چیز میں جو اس نے تمہیں عطا کی الانعام ۱۶۵) تمہیں عطا فرمائی ہے۔

۴۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ

ہم ضرور آزمائینگے تمہیں تاکہ ہم دیکھ لیں کہ تم میں سے جو معرکہ جہاد میں ڈٹ جاتے ہیں اور صبر کرنے والے ہیں اور پرکھیں گے تمہارے حالات کو۔ (محمد ۳۱)

بلند مقامات کیلئے آزمائش لازم ہے اللہ تعالیٰ نے مختلف اوقات پر مسلمانوں کو کڑی آزمائشوں میں مبتلا کیا اور پھر قرآن

میں کئی مقامات پر اس کا ذکر فرمایا اور پھر اپنے اس قانونِ آزمائش کے لیے جنگِ خندق کے موقع پر فرمایا "وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا" (اور وہ (ایمان والے) خوب سختی سے جھنجھوڑے گئے۔ الاحزاب ۱۱) اور فرمایا ہم نے مکے والوں کو بھی آزمایا کَمَا بَلَوْنَا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ (جس طرح) ہم نے (یمن میں صنعاء کے قریب) ایک باغ والوں کو آزمایا۔ سورۃ قلم ۱۷) ایک اور جگہ فرمایا کہ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ۔ کیا تم خیال کر رہے ہو کہ یونہی داخل ہو جاؤ گے جنت میں حالانکہ نہیں گزرے تم پر وہ حالات، جو گذرے اُن لوگوں پر، جو تم سے پہلے ہوئے ہیں۔ البقرہ ۲۱۴) حضرت عبداللہ بن حذیفہ کو رومیوں نے قید کیا اور عیسائی مذہب اختیار کرنے کیلئے بہت لالچ دیا اور سزا دینے سے ڈرایا کچھ صحابہ کرام کو پکے ہوئے تیل میں ڈالا کسی کو آگ میں ڈالا مگر وہ خوف زدہ نہ ہوئے بالآخر روم کے بادشاہ نے کہا کہ تم میرے سر کو بوسہ دو میں تمہیں چھوڑ دونگا آپ نے فرمایا کہ اس شرط پر چومتا ہوں اگر سب قید شدہ مسلمانوں کو چھوڑ دو گے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو آپ نے سب مسلمانوں کو کہا کہ عبداللہ کا سر چومیں اور اس کام کی ابتدا خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی باتوں سے آزمایا آپ کی ولادت ۲۱۶۰ ق م) سرزمین آہواز (شام اور عراق کے درمیان) بمقام سوس میں ہوئی تو والد کا سایہ اٹھایا گیا تفسیر انوار القرآن میں ہے کہ آپ کی جائے پیدائش اُور (یہ ۱۸ سو سال سے زیر زمین رہا اور ۱۸۹۴ میں امریکہ اور برطانیہ نے کھدائی کی تو یہ پورا شہر نمودار ہو گیا ہے)۔ آپکے والد کا نام تارح تھا (مفرداتِ امام راغب) اللہ تعالیٰ پیغمبروں کو اسلئے آزماتے ہیں کہ لوگوں کو ان کے جذبۂ صدق، اخلاص، صبر، تحمل، ہمت اور استقلال کا علم ہو کسی کو مال دیکر اور کسی سے مال لیکر آزمایا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش سات مرتبہ ہوئی۔

(۱) آفتاب اور چاند سے آزمائش۔
(۲) سلطنت نمرود کا مقابلہ۔
(۳) اسّی سال کی عمر میں ختنے کا حکم۔

(۴) آگ میں ڈالے جانے کی آزمائش ۔

(۵) لاڈلے فرزند کا ذبح کرنا ۔

(۶) اللہ کی راہ میں ترکِ وطن کرنا اور ۔

(۷) اسمٰعیل علیہ السلام اور اُنکی والدہ کو بے آب و گیاہ صحرا میں چھوڑنا ۔ چنانچہ جب آپ ان آزمائشوں میں پورے اترے تو فرمایا ۔ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ (اور جب ابراہیم علیہ السلام کو اسکے رب نے آزمایا چند باتوں سے تو وہ انہیں پوری طور پر بجا لایا (اس پر) اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیشک میں بنانے والا ہوں تمہیں تمام انسانوں کا پیشوا ۔ البقرہ ۱۲۴)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی آزمایا گیا اور فرمایا کہ اے موسیٰ ہم نے تمہیں اچھی طرح جانچ لیا تھا ۔ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۔ طٰہٰ ۴۰) یعنی پیغمبری اُسی وقت عطا کی جب یہ بات ظاہر ہوگئی کہ آپ اس پیغمبری کے قابل ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ درجات اُسی وقت ملتے ہیں جب کوئی خود کو اس کا اہل ثابت کر دے ۔

احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابتلا درجات کے مطابق ہوتی ہے اور قرآن میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اُس کی وسعت (ظرف) سے زیادہ مکلف نہیں فرماتا (لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ (ذمہ داری نہیں ڈالتا اللہ تعالیٰ کسی شخص پر مگر جتنی اُسکی طاقت ہو ۔ البقرہ ۲۸۶) منقول ہے کہ ایک مومن کو جو دنیا میں بہت مصائب برداشت کر چکا ہوگا جب اُسے جنت کے کنارے پر کھڑا کیا جائیگا تو اُسے یہ پوچھا جائیگا کہ کیا تم نے دنیا میں بہت دکھ برداشت کیے تھے تو وہ بولے گا نہیں اللہ تعالیٰ نہیں عمر تو نہایت آرام سے گذری اور جب دنیا میں عیش و عشرت کرنے والے کو جہنم کے کنارے کھڑا کیا جائیگا تو وہ کہے گا کہ میں تو دنیا میں بہت مصائب اور تکالیف میں رہا ہوں (کسی نافرمان کے پاس خواہ کتنا ہی مال کیوں نہ ہو وہ دنیا میں پریشان حال ہی رہتا ہے ۔)

روایات میں ہے کہ محمود غزنوی جب کوئی پھل کھاتے تو پہلے ایاز کو کھانے کو کہتے اور پھر پوچھتے کہ کیسا ہے ؟ جب وہ بتلاتے تو پھر خود کھاتے ۔ ایکبار ایک خربوزہ کھانے لگے تو پہلی قاش ایاز کو دی جو پھیکی تھی مگر ایاز نے کہا کہ میٹھی ہے ۔ جب محمود نے کھائی تو کہا کہ ایک خربوزے کے

دو ذائقے کس طرح ہو سکتے ہیں؟ میں تو دیکھتا ہوں کہ یہ خربوزہ پھیکا ہے کیا بات ہے؟ ایاز نے بلکہ میٹھے نے کہا تو میرے ذائقے، دماغ اور زبان نے کہا کہ پھیکا ہے مگر میرے دل نے کہا کہ جب میں اپنے محبوب کے ہاتھ سے ہمیشہ میٹھی چیزیں کھاتا رہا ہوں تو ایک بار اگر پھیکا بھی ہوا تو اسے پھیکا نہیں کہنا چاہیئے۔ جو چیز محبوب کے ہاتھ سے آئے میٹھی ہوتی ہے۔ مومن کو اللہ نے اپنے بے شمار انعامات سے نوازا ہے اور اگر کوئی مصیبت آئے تو اسے خوشی قبول کرنے میں متردد نہ کرے بلکہ شکر بجا لائے۔

ایک طویل حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو دنیا میں ایک گنجے، ایک کوڑھی اور ایک اندھے کے پاس بھیجا اور اس فرشتے نے ان تینوں کے امراض کو اپنا ہاتھ پھیر کر تندرست کر دیا اور ساتھ مال مویشی بھی دیئے جس سے تینوں تندرست ہو گئے اور مالدار بھی ہو گئے۔ پھر ایک عرصے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انکی آزمائش کے لئے اسی فرشتے کو بھیجا اور کہا کہ کچھ عرصہ پہلے میں نے تمہیں ٹھیک کیا تھا فرشتے نے کہا کہ آج میں مصیبت میں ہوں میری مدد کرو مگر پہلے دونوں گنجے اور کوڑھی نے بہانے بنائے اور اس فرشتے کو کچھ نہ دیا چنانچہ ان دونوں کو پھر انکی پہلی حالت میں کر دیا جب اندھے کے پاس آئے تو اس نے اسکی مدد کی اور اللہ تعالیٰ نے اسکے مال میں اور بھی برکت ڈال دی۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ نعمتیں دیکر بھی امتحان کرتا ہے۔ اور مصائب دیکر بھی آزماتا ہے۔

بڑے کام بڑی قربانیاں انبیاء اور اولیائے کرام کی ہی جماعت ایک ایسی جماعت ہے جو ہمیشہ اسرار و حقائق کے پردوں کو کھولتی ہے۔ اس زمانے کے لیے حضرت مجدد الف ثانی رح کی ذات ہی ایک ایسی شخصیت کی حامل ہے جنہوں نے بہت سے پیچیدہ معاملات کا حل پیش کیا ہے۔ ابتلاء کے متعلق آپ کا قول ہے کہ لوگوں کی ملامت اور جفا بزرگوں کیلئے صیقل ہے اور انکے زنگ کو صیقل کرتی فرماتے ہیں کہ جب فقیر اس دیار کے قلعہ میں پہنچا تو پے در پے ملامت کے انوار نورانی ہجوم در ہجوم کی صورت میں پہنچ رہے تھے اور (معیار روحانیت کا) معاملہ پستی سے بلندی کی طرف چلا گیا۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی کا قول ہے کہ اس کوچہ عشق میں قدم رکھنے والے جب تک دست بلا سے دروازہ نصیب کو پیٹتے اس وقت تک یہ دروازہ نہیں کھلتا۔ فرماتے ہیں کہ جب تک گریہ وزاری

غم و اندوہ اور زبانِ ندامت سے طلب نہیں کرتے مقصد حاصل نہیں ہوتا ۔ جب تک دل کے قدم سے نہیں چلتے منزل گاہِ عزت تک نہیں پہنچتے ۔ فرمایا کہ میں نے کئی سال ایسا ہی کیا مگر جب تک بلا کے ہاتھوں سے دروازہ نہیں کھٹکھٹایا اور زبانِ اندوہ سے گفتگو نہ کی منزل تک نہ پہنچا ۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ کفار اس بات پر ٹھٹھا مذاق کرتے ہیں کہ اگر یہ لوگ اللہ کے ولی ہیں تو اللہ انکو ناز و نعمت میں کیوں نہیں رکھتا اور ایسی باتوں سے وہ اس گروہ کی نفی کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ اس نے اپنے دوستوں کو لوگوں سے مخفی فرمایا ہے ۔ فطرت اللہ اس بات پر ہے کہ جسے اللہ نے پسند فرمایا ہے عوام اُسے پسند نہیں کرتے اور جسکو اپنا آپ پسند آیا اللہ تعالیٰ اُسے کبھی پسند نہیں فرماتا ۔

حضرت داتا گنج بخش فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ جو اس کے ذکر کو سنائے تو لوگ اسکی ملامت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کے حقیقت حسن و جمال کو غیروں کے دیکھنے سے بچا لیتا ہے تاکہ انکے جمال باطنی پر کسی کی آنکھ نہ پڑنے پائے تاکہ وہ اپنا جمال دیکھ کر تکبر کی آفت میں نہ پڑیں اور عوام کو ان پر چھوڑا ہے کہ وہ ان پر زبانِ طعن دراز کرتے رہیں ۔

مجدد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ دائمی ثواب کے مقابلے میں اگر دنیا میں مصائب اٹھانا پڑیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں مرادوں کیلئے مریدوں کی نسبت زیادہ مصائب نازل ہوتے ہیں چنانچہ اسی لئے مرادوں کے سردار حضور یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جتنی مجھے اذیت دی گئی اتنی کسی اور نبی کو نہیں دی گئی ۔ یاد رہے کہ مصیبتوں کا سبب جیسی عام لوگوں کے لئے ہے اور یہ بشری تقاضا ہے ۔ مصائب کا اگرچہ سبب گناہ اور برائیوں کا ارتکاب ہے لیکن اصل میں یہ مصائب انکے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے ۔ دوستوں کی خطائیں نسیان اور سہو سے ہیں اور کفار کی خطائیں عمداً ہیں انبیاء اور اولیاء کے مصائب انکی آزمائش اور امت کو استقامت کی ترغیب کیلئے ہوتے ہیں ۔

حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ دوستوں کو بلاؤں میں بھی لذت ملتی ہے کیونکہ انکو اللہ کی طرف سے ہر شے عزیز اور پیاری ہے گویا دوست دنیا میں بھی لذت اور آخرت میں بھی لذت پاتے ہیں ۔ فرماتے ہیں کہ یہ اللہ کا شکر اور احسان ہے کہ اس نے اپنے دوستوں کو مصائب سے دوچار کیا اور ان کا برداشت کرنا ان بزرگوں کے لئے ترقی کا سبب بنایا ۔ فرشتوں اور دیگر خلائق میں چونکہ مصائب اور آلام نہیں اسلئے انکے درجات بلند نہیں ہوتے ۔ حضرت سیدنا معاذؓ ایک جنگ میں صف آرائی کرتے

ہوئے مجاہدین سے فرمارہے تھے کہ بڑے کاموں کی تکمیل کیلئے بڑی ہمت، صلاحیت اور بڑی قربانیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ بلا میں گرفتار انسان کو اس بات پر شکر کرنا چاہیے کہ وہ بلا میں گرفتار ہے گناہ میں نہیں، کہتے ہیں کہ کسی نے ایک بزرگ سے تصوف کی حقیقت پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ ظاہر میں پریشان اور باطن میں مطمئن لوگوں کا گروہ صوفی کہلاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ سونا اس وقت کسی کے بدن کی آرائش بنتا ہے جب اُسے بھٹی کی آگ میں پگھلا کر اس کا میل کچیل نکال دیا جاتا ہے (اسی طرح انسان بھی اسی وقت اللہ کے وصل کے قابل ہوتا ہے جب اسکے رذائل کو شدائد کی آگ سے دور کیا جائے۔)

تشنگاں راتشہ ترکردن رواست کہتے ہیں کہ مومن پر چالیس دن سے زیادہ ایسے نہیں گذرتے کہ اُسکو کوئی پریشانی یا تکلیف نہ ہو۔ موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی گئی کہ اے موسیٰ اگر تو دنیا کو اپنی طرف آتا دیکھے تو یقین کرے کہ تجھ سے کوئی گناہ ہوا ہے جسکی سزا مل گئی بیماری بھی آزمائش ہے اس میں عبادت سے زیادہ اجر ملتا ہے کیونکہ اس نے صبر کیا اور عمل کیا۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر بندہ دوبار بیمار ہو جائے اور پھر بھی توبہ نہ کرے تو موت کا فرشتہ اُسے کہتا ہے کہ اے غافل تیرے پاس میری طرف سے یکے بعد دیگرے دو بار قاصد آیا مگر تو نے توبہ کو قبول نہ کیا۔ منقول ہے کہ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت سے نکاح کیا اور وہ کبھی بیمار نہ ہوئی تو آپؓ نے اُسے طلاق دے دی۔

ایک حدیث کے مطابق جب بندہ مومن ایک دن کیلئے بیمار ہوتا ہے تو اُسکے ایک سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور یہ بھی احادیث میں ہے کہ جب کوئی بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو کہتے ہیں کہ میرے بندے کیلئے وہ نیکی لکھو جو یہ (بیماری سے پہلے) کرتا تھا اسلئے کہ اب میری قید میں ہے . . . . . . اور اگر یہ صحت مند ہوا تو اللہ تعالیٰ بہتر صلہ دیتے ہیں اور مر گیا تو رحمت کی وفات دیتے ہیں۔ ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو میری ابتلا یا قضا پر راضی نہ ہوا اور میری نعمتوں کا شکر نہ کرے تو اسے چاہیے کہ میرے سوا کسی دوسرے کو رب بنالے۔ بخار کو موت کا پروانہ کہا جاتا ہے کیونکہ یہ موت کو یاد رکھتے ہیں، توبہ استغفار میں اور کم امیدی

میں مدد دیتا ہے۔ سورہ توبہ آیت ۱۲۶ میں جو ہر سال ایک یا دو مرتبہ آزمائے جانے کا ذکر ہے اس سے بخار بھی مراد لیا جاتا ہے۔ ایک حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے ابتلا میں ڈالتا ہے اور اگر اس نے صبر کیا تو اسے چن لیتا ہے اور اگر راضی ہو گیا تو اسے برگزیدہ بنا لیتا ہے۔

ایک شیخ سے منقول ہے کہ انسان کے قویٰ میں ایسی چیزیں مخفی ہیں جو صرف مصائب آئیں تو ظاہر ہوتی ہیں اور یہ انسان کی پختگی کا باعث بنتی ہیں چنانچہ مصائب باعث رحمت بنتے ہیں علامہ فرماتے ہیں ؎

باطن ہر شے ز آئینِ قوی   تو چرا غافل ازیں ساماں روی

(ہر چیز کی حقیقت (کسی نہ کسی) آئین سے قوی ہوتی ہے تو اس سامان (منفعت) سے غافل کیوں رہتا ہے)

شکوہ سنج سختیٔ آئیں مشو   از حدود زندگی بیروں مشو

(آئین الٰہی کی سختی کا شکوہ بیان نہ کرو زندگی کے ان حدود سے باہر نہ نکلو)

اللہ تعالیٰ نے غربت کی وجہ سے انسانوں کو بڑے مراتب سے نوازا ہے لیکن اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے غربت کی شکایت کرنے لگے تو یہ اسکی کم ہمتی اور پستی درجات کی علامت ہے۔ امیر لوگ قیامت کے دن اپنا سا منہ لئے چھپاتے پھریں گے کہ وہ دنیا میں امیر تھے غربت بھی مومن کے لئے ایک آزمائش ہے۔ روایات میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے مگر جب اویس قرنیؒ کے حال کو دیکھا تو دل خلافت سے بیزار ہو گیا۔ ہارون رشید نے جب ابو علی فضیلؒ کو دیکھا تو اپنے وزیر سے کہا کہ اگرچہ میں خلیفہ ہوں لیکن حقیقت میں فضیل بادشاہ ہے مگر افسوس ہے کہ جس فقر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کبار کو ناز تھا آج مسلمانوں کو اس سے نفرت ہے اور غربت پر شکوے کرنے لگے ہیں۔ کاش غریب کو اپنے مقام کی خبر ہوتی کہ غریب کا جو مقام اسکو مدتے میں مل گیا ہے امیر کو چالیس سال کی عبادت میں بھی حاصل نہیں ہوتا۔ ایک حدیث میں ہے کہ افضل ترین عمل وہ ہے جس میں جانوں کو کراہت ہو جیسے فرمایا کہ عَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْــٴًـا وَّ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ (اور شاید تمہیں برا لگے کوئی چیز اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو — البقرہ ۲۱۶) اسی لئے فرماتے ہیں۔

امتحانِ پاک مرداں از بلاست   تشنگاں را تشنہ تر کردن رواست

(پاک مردوں کا امتحان آزمائش سے ہوتا ہے پیاسوں کو اور پیاسا رکھنا روا ہے)

انسان گمنامی، اخلاص اور فقر کو پسند نہیں کرتا حالانکہ یہ اس کے لیے محمود اور بہتر ہے وہ غنا اور شہرت کو پسند کرتا ہے جبکہ اس کے انجام میں خرابی ہوتی ہے۔ کسی نے کہا ہے۔

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب — یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

تلخیاں نعمتوں کی پیش خیمہ ہیں قرآن نے اس حقیقت کو واشگاف الفاظ میں کہا ہے کہ مشکل اور تنگی کے بعد آسانیاں آتی ہیں (فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا) مولانا روم فرماتے ہیں کہ تختی کو لکھنے سے پہلے اُسے مٹا دیا جاتا ہے، فاسد خون نکالنے کے لیے پچھنے لگائے جاتے ہیں اور اس کے لیے جراح کو پیسے بھی دیئے جاتے ہیں مزدور لوگ سامان اٹھانے کے لیے جھپٹتے ہیں درشکی والے سواریوں کو دوسروں سے چھیننے کی کوشش کرتے ہیں، یہ تمام سختیاں کسی نہ کسی نعمت کے حصول کے لیے اٹھاتے ہیں آپ اعلیٰ تعلیم کو حاصل کرنے کے لیے رات دن محنت کرتے ہیں تاکہ کسی دفتر میں اعلیٰ منصب حاصل ہو جائے۔

چوں گرانیہا اساسِ راحت است — تلخہا ہم پیشوائے نعمت است

(یہ گرانیاں راحت کی بنیادیں ہیں۔ تلخیاں بھی نعمت کا مقدمہ بنتی ہیں۔)

نیم جاں بستانند وصد جاں دہند — آنچہ در وہمت نیاید آں دہند

(آدھی جان لیتے ہیں اور اس کے عوض سو جانیں عطا کرتے ہیں اس قدر عطا کرتے ہیں کہ وہم و گمان میں بھی نہیں آتا)

یہ بات ہر ایک کے مشاہدے میں آچکی ہے کہ کمہار مٹی کا مٹکا بناتا ہے تو اس کی نزاکت اور ناپختگی کے پیش نظر اسے کو بہت حفاظت سے رکھتا ہے کیونکہ ابھی یہ ذرا سی ٹھیس لگنے سے بھی ٹوٹ سکتا ہے پھر اس کی خامی کو ختم کرنے کے لیے مٹکے کو بھٹے کی آگ میں تپش دیتا ہے اور اس دوران وہ بہت فکر مند رہتا ہے کہ اگر آگ زیادہ ہو گئی تو جل کر سیاہ ہو جائیگا اور اگر آگ کم رہی تو خام رہ جائیگا اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی انسان کے مٹکے کو آزمائش کیلئے بھٹے میں رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا یعنی اللہ تعالیٰ کسی کی وسعت سے زیادہ اسے تکلیف نہیں دیتا) جب مٹکا پختگی کی حالت میں آجائے تو کمہار چھڑی سے اس کو ضرب لگا کر اس کی آواز کا معائنہ کرتا ہے۔ اگر آواز مطلوبہ معیار پر ہو تو سمجھتا ہے کہ اب یہ تکمیل تک پہنچ گیا ہے چنانچہ اسے بازار میں بھیج دیتا ہے جہاں سے یہ کر دہ لوگوں کی خدمت کرتا ہے۔ جب انسان آزمائش میں کامیاب ہو جائے تو اسے عوام الناس کی خدمت ارشاد

(ہدایت) اُسکے کیلئے متعین کر دیا جاتا ہے جس طرح کپ مثلاً کسی مصرف میں لانے کے قابل نہیں ہوتا اسی
طرح مرد خام کسی کار آمد منصب پر نہیں لایا جاسکتا ۔

قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب — اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی
خام ہے جب تک کہ ہے مٹی کا اک انبار تو — پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو ۔
پختہ تر ہے گردش پیہم سے جام زندگی — ہے یہی اے بے خبر راز دوام زندگی
خطر تاب و تواں را امتحان است — عیار ممکنات جسم و جان است ۔

(انسان کی مضبوطی کا امتحان خطرات سے ہوتا ہے یہ معیار جسم و روح کے جانچنے کیلئے کسوٹی ہے)
عاشق لوگ اپنے رب کی رضا پر سر تسلیم خم کر دیتے ہیں اور طلب سے ہاتھ اٹھا لیتے ہیں ۔

پاس ادب ببیں کہ بکوئیت شہید عشق — با صد تپید کہ خاک از زمیں نخاست
(پاس ادب دیکھ کہ تیرا شہید عشق تیرے کوچے میں اس طرح تڑپا کہ زمین سے خاک بھی نہ اڑی)

حلقہ در گردنم افگندہ دوست — می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست
(دوست نے میری گردن میں پھندہ ڈال رکھا ہے اور جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے ۔)

نمی دانم کہ آخر چوں دم دیدار می رقصم — مگر نازم بایں ذوقے کہ پیش یار می رقصم
(میں نہیں جانتا کہ دیدار دوست کے وقت میں کیوں ناچتا ہوں مگر مجھے ناز ہے اس ذوق پر کہ دوست کے سامنے ناچتا ہوں)

تو ہر دم می سرائی نغمہ و ہر بار می رقصم — بہر رنگے کہ رقصانیم اے یار می رقصم (عثمان ہارونی رح)
(جب بھی تو نغمہ سرائی کرتا ہے تو میں ہر بار ناچتا ہوں جس رنگ میں تو نچائے اے دوست میں ناچتا ہوں)

حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں کہ سمندر کے کنارے ایک بزرگ کو چیتے نے زخمی کر دیا اور اسکے زخم ٹھیک
ہونے کو نہ آتے تھے مگر وہ پھر بھی شکر کر رہا تھا اور کہتا تھا کہ میں بلا میں گرفتار ہوں کسی گناہ میں نہیں ۔

گر مرا زار بکشتن دہد آں یار عزیز — تا نگوئی کہ در آں دم غم جانم باشد
(اگر مجھے وہ جان جہاں مارنے کے حکم سے نالاں کرے تو تم یہ نہ کہنا کہ مجھے اپنی جان کا غم ہے)

گویم از بندۂ مسکیں چہ گنہ صادر شد — کہ دل آزردہ شد از من غم آنم باشد
(میں دم آخر بھی یہ کہونگا کہ مجھ مسکین سے کیا گناہ ہوا اسکا دل مجھ سے آزردہ خاطر ہے غم تو اس بات کا ہے)

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ فرماتے ہیں کہ ہر بلا اگر دوست کی طرف سے آتی ہے تو اس سے زیادہ

خوشی کی کوئی بات نہیں۔ دوست کا تیرِ بلا تو دوست کے پہلو سے آتا ہے لہٰذا مبارک ہے ؂

بہر بلا کہ تو خواہی بیازمائے مرا ۔۔۔ کہ در مشاہدۂ تو بلا نمی بینم

(جس بلا میں تو چاہتا ہے میری آزمائش کر کیونکہ (حبیب) میں تجھے دیکھتا ہوں تو پھر بلا کی طرف نہیں دیکھتا)

زمن بہر چہ کنی یار راضیم حقا ۔۔۔ کہ ہر چہ از تو رسد جز عطا نمی بینم

(اے یار تو مجھ سے جو بھی کرے میں حقیقتاً راضی ہوں کیونکہ مجھے جو دکھ کبھی پہنچتا ہے اُس کو عطا کے سوا کچھ نہیں جانتا)

گر رضائے دوست ما را در بلا خواہد رسید ۔۔۔ ما ہمیشہ خویشتن را مبتلا خواہیم و بس

(اگر دوست کی رضا مجھے بلا میں پہنچانا چاہتی ہے تو میں خود کو ہمیشہ اِس بلا میں مبتلا دیکھنا چاہتا ہوں)

خلق از حق نعمت و فضل و عطا خواہید و ما ۔۔۔ از خدا صبرِ جمیل اندر بلا خواہیم و بس

(لوگ تو اللہ سے نعمت اور اُسکے فضل و عطا کو چاہتے ہیں لیکن ہم خدا سے اِس بلا میں فقط صبرِ جمیل چاہتے ہیں)

ازیں مصائب دوراں منال و شاداں باش ۔۔۔ کہ تیرِ دوست بپہلوئے دوست می آید

(اس دنیا کے مصائب سے تو خوش و خرم رہو کیونکہ دوست کا تیر دوست کے پہلو سے ہی آتا ہے)

کسی کو چون و چرا کی مجال نہیں اللہ تعالیٰ اپنے کاموں میں کسی کا محتاج نہیں اور نہ ہی اسکو کسی کی خیال آرائی کی پرواہ ہے اُس کا فرمان ہے کہ ہم جو چاہیں کرتے ہیں (فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ﴿البروج ۱۶﴾) تذکرہ غوثیہ میں حافظ نامی شاعر کی ایک طویل نظم نقل کی گئی ہے جس کے چند شعر پیش کیے جا رہے ہیں ان اشعار میں اللہ تعالیٰ کی سنت افعال کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ ہم اگر چاہیں تو پیغمبروں پہ آرا چلوا دیتے ہیں اور چاہیں تو کسی کو آگ میں پھینکوا دیں ہم جسکو چاہیں سولی پر چڑھا دیں جسکو چاہیں بادشاہ بنا دیں جیسے چیونٹی کو عصا کی قوت عطا کر دیں سلیمانؑ کو تخت دیں یا چھین لیں یہ سب ہماری مرضی ہے کسی کو اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں لیکن یاد رہے کہ ہم اپنوں کی آزمائش زیادہ کرتے ہیں اور دشمنوں کی کم ہی آزمائش کرتے ہیں۔

سرے است در حقوق محبت بلائے ما ۔۔۔ عشاق از دو دیدہ کشند ابتلائے ما

ہماری محبت کے حقوق میں ایک پوشیدہ راز ہے ۔۔۔ کہ عشاق ہماری آزمائش کو آنکھوں پر لیتے ہیں

ما آدم از بہشت پئے ایں کشیدہ ایم ۔۔۔ تا قدرتم ببیند آندر سرائے ما

(ہم نے آدم کو بھی آزمائش کی وجہ سے بہشت سے نکالا ہے تاکہ وہ ہماری قدرت کو اس دنیا میں آکر دیکھے)

گاہے درافگنم بآتش خلیل را ۔ قرباں کند اگرچہ پسر در رضائے ما

(کبھی میں خلیلؑ کو آگ میں پھینک دیتا ہوں اگرچہ وہ اپنے بیٹے کو ہماری رضا کیلئے قربان بھی کر تا ہے)

بیگانہ راچہ کار بود در بلائے غم ۔ از را رسد کہ خاص بود آشنائے ما

(بیگانوں کا ہمارے بلائے غم سے کیا کام ہے (غم تو) اُن کو پہنچتے ہیں جو خاص ہمارے آشنا ہوتے ہیں)

ما پروریم دشمن و ما می کُشیم دوست ۔ کس را مجال نیست بہ چون و چرائے ما

(ہم دشمن کو تو پالتے ہیں اور دوست کی کھپائی کرتے ہیں کسی کو ہمارے حیلے بہانے پر کوئی اعتراض کی مجال نہیں)

مولانا رومؒ کا نظریۂ ابتلاء

مولانا رومؒ نے مسلمانوں کی زندگی کی تمام شاہراہوں کو واضح اور نمایاں کرکے دکھایا ہے۔ ابتلاء کے موضوع پر بھی آپ نے بہت کلام کیا ہے مگر مسلمانوں نے اُن کی مثنوی کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی تمام کمزوریوں اور بیماریوں کا علاج مولانا رومؒ کے کلام میں موجود ہے اور قوم اُن کے کلام سے بے نیاز ہے سہ

گسستہ تار ہے تری خودی کا ساز ابتک ۔ کہ تو ہے نغمۂ رومیؒ سے بے نیاز ابتک

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ مومن کے لیے آزمائش کا ہونا اُن کے لیے فائدہ مند صورت کا حامل ہے۔

ھرچہ از تو یاوہ گردد از قضا ۔ تو یقیں داں کہ خریدت از بلا

(تجھے قسمت سے جو بھی چیز ملتی ہے) (تو یقین رکھ کہ تو نے اُسکو کسی غلطی کے باعث خریدا ہے)

ھرچہ از تو فوت شد غمگیں مشو ۔ زانکہ گرشد کہنہ آید باز نو

(تجھ سے جو چیز بھی چلی جائے اُس کا غم نہ کر) (کیوں کہ وہ چیز پرانی ہو گئی تھی اب نئی ملیگی)

گر بلا آید ترا اندوہ مبر ۔ در زیاں بینی غم آدرا مخور

(اگر کوئی مصیبت آئے تو اُس کا غم نہ کر) (اگر تو کوئی نقصان دیکھے تو اُس کا بھی غم نہ کھا

کاں بلا دفعِ بلاہائے بزرگ | واں زیاں منعِ زیاں ہائے سترگ
(کیونکہ ایک بلا دوسری بڑی بلا کو دور کرتی ہے | اگر یہ ایک نقصان ہے لیکن بڑے نقصان کو دور کرتا ہے)

راحتِ جاں آمد اے جاں فوتِ مال | مال چو جمع آمد اے جاں شد وبال
(جانِ من! مال جانے سے راحت پیدا ہوتی ہے | کیونکہ جب مال جمع ہو جاتا ہے تو وبالِ جان بن جاتا ہے)

بندہ می نالد بحق از دردِ خویش | صد شکایت میکند از رنجِ نیش
(بندہ اللہ کے سامنے تکالیف کا رونا روتا ہے | اور نقصان کے ڈنگ کے رنج کی سیکڑوں شکایت کرتا ہے)

حق ہمیں گوید کہ آخر رنج و درد | مر ترا لابہ کناں و راست کرد
(اللہ فرماتا ہے کہ تیرا رنج اور درد | تجھے خوش آئین ہے اور سیدھے راستے پر لاتا ہے)

ایں گلہ زاں نعمتے کن کت زند | از درِ ما دور و مطرودت کند
(گلہ جو تو نعمتوں کے باوجود کرتا ہے | وہ تمہیں ہمارے در سے دور اور راندۂ درگاہ کرتا ہے)

در حقیقت ہر عدو داروئے تست | کیمیائے نافع و دلجوئے تست
(حقیقتاً تیرا ہر دشمن تیرے درد کی دوا ہے | وہ تیرے لیے کیمیا و نفع اور دلجوئی کرتا ہے)

در حقیقت دوستانت دشمنند | کز حضرت دور و مشغولت کنند
(در حقیقت تیرے دوست تیرے دشمن ہیں | جو تجھے خدا سے دور اور دنیا میں مشغول کر دیتے ہیں)

زیں سبب بر انبیا رنج و شکست | از ہمہ خلقِ جہاں افزوں تر است
(اسی وجہ سے انبیاء کرام پر رنج و غم | تمام خلقِ جہاں سے زیادہ تر ہوتے ہیں)

مولانا فرماتے ہیں کہ جب درد والے مارے لوگ خدا کو پکارتے ہیں تو اُسے ان کی پکار اچھی لگتی ہے
بلبلوں اور طوطیوں کو قفس میں اسلئے بند کیا جاتا ہے کہ ان کی آواز دل کو اچھی لگتی ہے ۔

خوش ہمیں آید مرا آوازِ او | واں خدایا گفتن و آں رازِ او
(مجھے اُن کی آواز بڑی پیاری لگتی ہے | (ان کا اے خدا کہنا اور اپنی راز کی باتیں کہنا پیاری لگتی ہیں)

زانکہ اندر لابہ و در ماجرا | می فریباند بہر نوعے مرا
(اسلئے کہ وہ لوگ اپنی بات اور معاملے کے بیان میں | ہر طریقے سے مجھے بہلاوا پیش کرتے ہیں)

طوطیان و بلبلان را از پسند　　از خوشی آوازی قفس در می کنند
(طوطیوں اور بلبلوں کی آواز دِل پسند ہونیکی وجہ سے)　　(لوگ انکو پنجروں میں بند کرتے ہیں)
زاغ را و چغد را اندر قفس　　کے کنند، این خود نیامد در قصص
(کوّے اور اُلّو کو پنجروں میں رکھنا)　　(کیسے ممکن ہے یہ بات حکایات میں نہیں آئی)
این جہان زندانِ مومن زین بود　　کافران را جنتِ حالے شود
(یہ جہان مومنوں کیلئے قید خانہ اسلئے ہوتا ہے)　　(کہ کافروں کو وقتی جنت دنیا ہی میں مل جاتی ہے)
بے مرادی مومنان از نیک و بد　　تو یقین می داں کہ بہرِ این بود
(مومنوں کی اچھی یا بری تقدیر کی بے مُرادی)　　(تم یقین کرو اُن کا سبب یہی ایک بات ہے)

حدیث شریف میں ہے لو کان المومن فی جحر ضب لقیض اللہ لہٗ من یوذیہ یعنی اگر کوئی مومن کسی لومڑی کے بل میں چلا جائے تو بھی خُدا ایسا آدمی مقرر کر دیگا جو اُسکو ایذا دیتا رہے گا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

واللہ ار سوراخ موشے در روے　　مبتلائے گربہ چنگالے شوے
(اگر تم چوہے کے سوراخ میں بھی چلے جاؤ)　　(تو بھی بلی کے پنجے میں پھنس جاؤگے)
ہر کہ رنجے برد گنجے شد پدید　　ہر کہ جہدے کرد در جدے رسید
(جس شخص نے مشقت اٹھائی اُس نے خزانہ پایا)　　(جس کسی نے کوشش کی وہ بزرگی پا گیا)
چوں نشانِ مومنان مغلوبی است　　لیک در اشکستِ مومن خوبی است
(چونکہ بظاہر مومنوں کا نشان کمزوری ہے)　　(مگر مومن کی شکست میں اُس کی فتح ہے)
سایۂ حق بر سرِ بندہ بود　　عاقبت جوئندہ یابندہ بود
(حق تعالیٰ کا سایہ بندے کے سر پر ہوتا ہے)　　(آخرکار تلاش کرنے والا پا ہی لیتا ہے)
چشم اُو مَن باشم و دست و دلش　　تا رہد از مدبریہا مقبلش
(میں اسکی آنکھ، اسکا ہاتھ، اُسکا دِل بن جاتا ہوں)　　(تاکہ اُسکا اقبال نصیب بدبختی سے چھوٹ جائے)

پابندیٔ صوم وصلوٰۃ کا طریقۂ کار

صوم وصلوٰۃ میں حصہ صوم صوم وصلوٰۃ کے الفاظ محاورۃً دین کی پابندی کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں اور اگر نماز کی پابندی حاصل ہو جائے تو باقی عبادات کی پابندی از خود حاصل ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ نماز کو تمام دین کی عمارت کے لئے ستون کی حیثیت ہی دی گئی ہے جو شخص نماز کے زینے پر قدم رکھتا ہے اسکی یہ منزل دینِ الٰہی کی طرف پہلا قدم ہوتا ہے اور بالآخر وہ حریم یار یعنی وصل الٰہی سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ روزہ کی عبادت اسلام میں اہم مقام رکھتی ہے لہٰذا پابندی صوم کا بیان اس کتاب میں اسلئے شامل کیا جا رہا ہے تاکہ نماز کی پابندی کے ساتھ ساتھ روزے کی پابندی حاصل کرنے میں آسانی پیدا ہو سکے اور عوام کو اسلام کے ان دو اہم ارکانوں سے متعلقہ علوم کے ساتھ شناسائی حاصل ہو صوم رمضان ایک مضمون ہے جس کے متعلق کئی ضخیم کتابیں تصنیف کی جا چکی ہیں مگر یہاں پابندیٔ صلوٰۃ کے بعد رمضان کے موضوع پر مختصر مگر جامع تحریر پیش کی جائے گی تاکہ مختصر وقت میں زیادہ معلومات حاصل ہو سکیں۔

وہ عنصر جن کی وجہ سے لوگ نمازی بنتے ہیں نماز کی پابندی کیلئے کوئی نہ کوئی عنصر کسی کے نمازی بننے کا وسیلہ بن جاتا ہے۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ جو بچے نیک گھرانے میں پیدا ہوں جن کے ماں باپ عشقِ خدا اور رسولؐ میں ڈوبے ہوئے ہوں اور مکمل طور پر دین پر عمل پیرا ہوں تو وہ بچے عموماً نمازی بن جاتے ہیں جب کسی گھر میں کوئی بچہ یہ مشاہدہ کرتا ہے کہ اس کے باپ یا ماں میں سے کوئی ایک نماز کی ادائیگی میں سستی کرتا ہے تو اولاد بھی عموماً نماز سے دور چلی جاتی ہے۔ دوسرا عنصر یہ ہے کہ کسی کو کوئی مردِ کامل و مکمل مل جائے جو اپنی نگاہِ فیض رس کسی پر ڈال دے اور وہ بندہ نمازی بن جائے لیکن ایسے مواقع بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ تیسرا عنصر یہ ہے کہ اگر کوئی کسی نیک شخص کی اقتداء میں نماز پڑھے تو اُسکے فیضِ اثر سے وہ بھی نمازی بن جائے اور اُسکی کایا پلٹ جائے۔ چوتھا عنصر یہ ہے کہ انسان کسی کتاب، واقعہ یا حادثہ سے اسقدر متاثر ہو کہ اُس پر دنیا اور آخرت کی حقیقت واضح ہو جائے اور وہ تائب ہو کر نماز شروع کر دے لیکن اس بات کا انتظار کرنا بھی نوادرات میں شامل ہے بلکہ اتفاق پر مبنی ہے۔ پانچواں عنصر یہ ہے کہ کسی ولی یا نیک

والد یا والدہ کی دعا سے کوئی نمازی بن جائے۔ چھٹا عنصر یہ ہے کہ کوئی ایسا نیک کام کرے کہ جس سے رحمتِ حق جوش میں آجائے اور اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہو کر اسے نماز کی طرف ہدایت کر دے۔ ساتواں عنصر جو کئی بار دیکھنے میں آیا ہے کہ کسی شخص کو نمازی بننے کی مسلسل طلب رہے اور وہ دل میں انتہائی شوق رکھتا ہو کہ نمازی بن جائے مگر غلط ماحول کی وجہ سے نمازی نہ بن پاتا ہو۔ ایسا شخص اگر روزانہ رات کو سوتے وقت اللہ سے نمازی بن جانے کی درخواست کرے تو ایک نہ ایک دن اللہ تعالیٰ اسکو اپنی طرف ضرور کھینچ لیتے ہیں۔ آٹھواں عنصر یہ ہے کہ کوئی حلال روزی کھائے اور فاحشات سے بچتا رہے تو ایسا شخص اگر نمازی نہ بھی بننا چاہے تو اس کا ضمیر اس کو نماز کی طرف راغب کریگا حتیٰ کہ وہ نمازی بن جاتا ہے۔ (اسکے برعکس اگر کوئی حرام کھائے تو نمازی بننے کی خواہش رکھتے ہوئے بھی نماز سے دور ہوتا جائیگا۔)

ایک نہایت ضروری بات

یاد رکھیں کہ اللہ کی طرف سے توفیقِ ہدایت تو اسی وقت میسر آتی ہے جب کسی شخص کی تمام رغبت اس راہ کی طرف مائل ہو اور اگر کوئی دل میں دنیا کی ہر بات کی خواہش رکھتا ہو مگر اللہ کی طرف آنے کو اہمیت ہی نہ دے تو ایسا شخص محرومِ توفیق رہتا ہے لہٰذا مناسب ہوگا کہ جسطرح آپ دل میں دنیا وی نعمتوں کو حاصل کرنے کی لگن رکھتے ہیں اُسی طرح دین کی طرف آنے کی لگن بھی شروع ہو جائے (یہ الگ بات ہے کہ کسی کی فطرت میں نیکی خوابیدہ ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کو نمازی بنانے کیلئے مذکورہ بالا آٹھ عناصر میں سے کسی کو بروئے کار لے آئیں)

اہمیت نماز کا معلوم ہونا اشد ضروری ہے

کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں کہلایا جا سکتا جب تک وہ نماز کا پابند نہ ہو۔

قرآن اور حدیث میں نماز کے ذکر کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کے لیے نماز ایسے ہی لازم ہے جس طرح جسم کے لیے روح کا ہونا لازم ہے گویا اگر نماز نہیں تو مسلمان ایک مردہ اور بے جان مٹی کے ڈھیر سے زیادہ قیمت نہیں رکھتا اس جگہ نماز کی اہمیت کے لیے جو کچھ بیان کیا جارہا ہے اس سے قارئین کو نماز کا ایک بلند مرتبہ عبادت ہونے کا اندازہ ہو جائے گا۔

اہمیتِ نماز

اہمیتِ نماز ہماری تصنیف "رُوحِ نماز" میں کافی تفصیل کے ساتھ بیان کردی گئی ہے مزید تفصیل اگر درکار ہو تو اُس کتاب کا مطالعہ کیا جائے۔ زیرِ نظر "تحریر" پابندی صوم وصلوٰۃ میں نماز کی اہمیت کیلئے مذکورہ کتاب سے کچھ حصہ تبرکاً پیش کیا جارہا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

تعارفی حرف | جو عبادت حضرت محمدِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار پائی ہو اُس کا اسلام میں پسندیدہ اور اہم ہونا کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ اسلام میں نہایت اہمیت کا حامل رُکن اور تمام عبادات کی پیش رَو نماز ہے، اسی بنا پر اسے دین کا ستون کہا گیا ہے۔ مجدد علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ نماز تمام عبادات کی جامع ہے اور یہ وہ جُزو ہے جس نے جامعیت کے سبب کُل کا حکم پیدا کر لیا ہے اور تمام مقربہ اعمال سے برتر ہو گئی۔

نماز کی ظاہری صورت تو معروف ہے اور باطنی صورت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ حضرت جُنید بغدادیؒ سے جب پوچھا گیا کہ نماز کا فرض کیا ہے تو فرمایا مخلوق سے تعلقات کا توڑنا، قصد کا جمع کرنا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ علماء کے علم میں اضافے کے لئے کہ نماز کو کیونکر تمام عبادات کا مغز اور سب سے اہم عبادت کہا جاتا ہے اور یہ کہ نماز میں دیگر تمام عبادات سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا قرب کس طرح حاصل ہوتا ہے۔ اس کی تمام تر وضاحت اس کتاب کے آئندہ ابواب میں تفصیلاً سپردِ قلم کر دی گئی ہے۔ اس ضمن میں فضائلِ نماز کا مختصر تعارف ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دُنیا میں اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ قُرب حاصل ہو سکتا ہے تو وہ محض نماز سے ہی ممکن ہے۔ کسی اور عبادت میں ایسا قُرب ممکن نہیں بلکہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا قُرب نماز کے بغیر میسر ہو ہی نہیں سکتا یہ اس لئے کہ جو رویتِ باری تعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات نصیب ہوئی اور اُس میں جو بہشت کی سیر میسر ہوئی وہ فدایانِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے طفیل ہونے کے باعث آج بھی نماز میں ملتی ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (نماز مومنوں کی معراج ہے)

خصوصاً جو لوگ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابعدار ہیں اُن کو اِس جہان میں معراج کی دولت کا حصہ نماز میں حاصل ہوتا ہے اگرچہ رویت حاصل نہیں کیونکہ یہ جہان رویت کی طاقت نہیں رکھتا۔ نماز کو غمزدوں کی غم گسار کہا جاتا ہے۔ بیماروں کے لئے راحت اور آنکھوں کے لئے ٹھنڈک کہتے ہیں کیونکہ جب نمازی نماز میں داخل ہو جاتا ہے تو اِس دنیا میں ہوتے ہوئے اگلے جہان کی لذتوں سے بہرہ مند ہوتا ہے روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دُنیا کے مصائب سے جب گراں بار ہوتے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرماتے اَرِحْنِیْ یَا بِلَالُ بِالصَّلٰوۃِ (اے بلالؓ ہمیں (اذان سے) نماز کی راحت عطا کرو) اس طرح جب نماز کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے تو پھر وہی قربِ الٰہی محسوس کرتے جو وقتِ معراج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوا تھا۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان نہ کوئی مقرب فرشتہ ہوتا اور نہ کوئی اور واسطہ۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے عاشقانِ الٰہی کی ترجمانی کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے کہ اگر نماز کا حکم اِس دنیا میں نہ ہوتا تو چہرۂ مقصود سے نقاب کون کھولتا اور طالب کی مطلوب کی طرف راہنمائی کون کرتا۔

نماز کا باقی عباداتِ حج، زکوٰۃ، روزہ وغیرہ سے اعلیٰ اور ارفع ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کی فرضیت محض کسی آیتِ قرآنی کے نزول سے واجب نہیں ہوئی بلکہ اِس کو اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض قرار دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے سرورِ کائنات وفخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر ہی نہیں بلکہ عرشِ معلیٰ پر بلا کر اپنی حضوری میں نماز ادا کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ نماز کی اِس خصوصیت کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ نماز ایسی خاص الخاص عبادت کا ادا کرنا ایسی کوئی ایسی معمولی بات نہیں جس کو کوئی از خود اخذ کر سکے اور بغیر کسی کی راہنمائی کے ٹھیک ٹھاک ادا کر سکے۔

یاد رہے کہ نماز کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن جس کو آئندہ ابواب میں واضح کر دیا گیا ہے۔ نماز کی صحیح ادائیگی کے لئے ان دونوں کا سیکھنا ضروری ہے کیونکہ ظاہری نماز تو علمِ ظاہر کی محتاج ہے اور نماز کے باطن کو علومِ باطنی کے بغیر چارہ نہیں۔ (وضاحت کے لئے روحِ نماز دیکھیں)

نماز محض قیام، رکوع اور سجود وغیرہ کا مجموعہ نہیں، اس کے لئے بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہونے کے آداب زیادہ اہم ہیں اور یہ آداب اُن لوگوں سے سیکھے جاتے ہیں جو روحانی علوم کا عرفان رکھتے ہیں، چنانچہ اِن اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنا نماز اور دیگر عبادات کو صحیح ادا کرنے کے لئے ضروری

ہے۔ صحابہ کرامؓ نے اس طریقے کو بہ وساطت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سیکھا اور خواص کو آپ نے نماز کے روحانی پہلوؤں کی تعلیم دیگر صحابہ کرامؓ سے الگ گوشۂ تنہائی میں عطا فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ سلسلہ تعلیم جاری وساری رہا اور اس علم کو اسلامی روحانیت یا علم تصوف سے منسوب کیا جانے لگا۔ نماز کو ان ظاہری اور باطنی شرائط کے ساتھ ادا کرنے کو قرآن میں اقامُ الصّلوٰۃ (نماز قائم کرنے) کے الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے اور کسی مقام پر نماز کے محض پڑھ لینے کا ذکر نہیں فرمایا چنانچہ روایات میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے نماز سیکھی اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو سیکھا۔ حضرت ثابتؓ نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی نماز ایسی تھی گویا لکڑی ایک جگہ گاڑ دی گئی ہو اور چڑیاں آکر ان کی کمر پر بیٹھ جاتیں۔ ایسی نماز دل کی گہرائیوں اور یادِ الٰہی میں ڈوب جانے کے بغیر ادا نہیں ہو سکتی۔

؎ وہ سجدہ روحِ زمیں جس کانپ جاتی تھی — اسی کو آج ترستے ہیں منبر ومحراب
سنی نہ مصر و فلسطین میں وہ اذاں میں نے — دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشۂ سیماب

اس روحانی تعلیم کی ابتداء ذکرِ الٰہی سے کروائی جاتی ہے کیونکہ جب تک دلوں کی کثافتوں کو ذکرِ الٰہی سے دور نہ کیا جائے اس وقت تک قلبِ انسانی بارگاہِ الٰہی کے جلال کا مشاہدہ کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔ اس روحانی تعلیم میں اور باتوں کے علاوہ سالک کو یہ بھی باور کرایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نماز میں اپنا جمال، بالواسطہ دل کی آنکھوں سے بندوں کو عطا فرماتا ہے اور اس دیدار سے انسان کو حقیقی دیدار (معراج) ایسا لطف حاصل ہو جاتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح کعبۃ اللہ کی ایک صورت ہے اسی طرح اس کی ایک حقیقت بھی ہے۔ کعبۃ اللہ کی حقیقت انوارِ ذاتِ باری تعالیٰ کے بے کیف اور بے رنگ پردے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ انسان کی بھی ایک صورت (جسم) ہے اور ایک حقیقت (روح) ہے۔ آپ نے مکتوبات ربانی میں اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ کعبۃ اللہ کی ظاہری صورت تمام ملائکہ، جنات اور انسانوں کی حقیقت کے لیے مسجود الیہ ہے اور ان مخلوقات کی حقیقتوں کے لئے (یعنی ان کی ارواح کیلئے) کعبۃ اللہ کی حقیقت مسجود الیہ ہے گویا نماز میں کعبۃ اللہ کی حقیقت حقائق کونی (ملائکہ، جن وبشر کی حقیقتوں) اور حقائق الٰہی کے درمیان برزخ ہے یعنی حقیقتِ انسانی حقیقتِ کعبہ کو درمیان میں رکھتے ہوئے حقائق الٰہی کے سامنے سجدہ ریز ہوتی ہے۔ اس طرح انسان دنیا میں

ہی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتا ہے۔ نماز کو بار بار اس لئے ادا کیا جاتا ہے تاکہ بالواسطہ دیدارِ الٰہی کی مشق ہوتی رہے اور اس کے بعد ایسا وقت آجاتا ہے کہ انسان ہمہ وقت بلاواسطہ جمالِ الٰہی کے جلوے لوٹتا ہے۔ اسی دوامِ قرب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ نے فرمایا۔ اَلتَّصَوُّفُ قِیَامُ الْقَلْبِ مَعَ اللّٰہِ بِلَا وَاسِطَۃٍ ۔ یعنی تصوف بندے کے دل کا اللہ کے ساتھ بلاواسطہ قائم ہو جانے کا نام ہے۔ حضرت امداد اللہ مہاجر کی شرح مثنوی میں یہ روایت لائے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طریقت میرے اعمال، حقیقت میری باطنی کیفیت اور معرفت میرا راز ہے۔ چنانچہ طریقت کی دعوت حقیقت میں شریعت کی اتباع کے سوا کچھ نہیں۔

درج بالا حقائق اور کیفیاتِ قلبی پیدا کرنے کی ضرورت ایک اور حدیث سے بھی محسوس ہوتی ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو آدمیوں کی نماز کے اجر میں اتنا فرق ہو سکتا ہے جتنا کہ رائی اور پہاڑ میں فرق ہوتا ہے اور یہ فرق اُن کی عقلوں اور نماز کی ادائیگی میں فرق کی وجہ سے ہوگا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے کشف المحجوب میں فرمایا ہے کہ جس نے اہلِ تصوف کی دعوت سُنی اور اُسے نہ مانا تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک غافلین میں سے لکھا جاتا ہے۔ اسلامی روحانیت کی علوّ مرتبت کے باعث ایک کتاب "اسلام اور روحانیت" کے نام سے بالتفصیل لکھ دی گئی ہے تاکہ عوام کو اسلامی روحانیت سے کچھ آگاہی ہو سکے۔

اصل طریقت چونکہ شریعت کی شدت سے اتباع کرنا ہے لہٰذا اس کے ذریعے عبادات کی ٹھیک ٹھیک ادا کرنے کا علم حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشائخ کبار میں سے ہر ایک نے اس علم کو سیکھا۔ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح باقی علوم فرض ہیں اسی طرح علم سلوک بھی فرض ہے۔ آپ نے اس علم کو علم احوال القلب سے موسوم فرمایا ہے۔ حضرت شاہ عبدالحقؒ نے امام مالکؒ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جس نے فقہ کے بغیر تصوف کو حاصل کیا وہ زندیق ہوا اور جس نے تصوف سیکھے بغیر فقہ کا علم حاصل کیا وہ فاسق ہوا اور جس نے ان دونوں (فقہ اور تصوف) کو ملایا وہ محقق ہوا۔ البتہ جو لوگ شرعی احکام کی اتباع نہیں کرتے اور تصوف کے دعویدار بنتے ہیں وہ اپنے دعوے میں جھوٹے اور دین کے چور ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ ایسے لوگوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان کو یہ معلوم نہیں کہ ان کے ایک فرض کا ادا کرنا اُن کے ایسے ہزار اعمال چلوں سے بہتر ہے جو شریعتِ مطہرہ

کے دائرہ سے خارج ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ایک فرض کے ادا کرنے کی اگر سمندر تصور کر لیا جائے تو اس کے مقابلے میں غیر شرعی چلّے اور نوافل ایک قطرے کی بھی حیثیت نہیں رکھتے۔ آپ کی اس عبارت سے فرائض کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ فرض نماز خدا کے یہاں اس قدر مرغوب ہے کہ (ایک حدیث کے مطابق) جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تو آواز آئی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرئیے کہ اللہ تعالیٰ نماز ادا کر رہے ہیں" حضرت مجدد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ نماز سے افضل کوئی درجہ نہیں اور اگر ہے تو خدا کا مرتبہ تجرد اور تنزہ یعنی خدا کی معبودیت کا درجہ ہے۔

نزہۃ المجالس میں ہے کہ نماز معراج کی شب مکہ مکرمہ میں فرض ہوئی اور یہ معراج کی سوغات ہے۔
شرح اول مہذب میں ہے کہ جو شخص نماز اور روزہ میں سے کسی کی کثرت کرنا چاہے تو نماز کی کثرت اولیٰ ہے۔ علامہ علائی نے سورہ عنکبوت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ نماز موحدین کی شادی ہے کہ اس میں رنگ رنگ کی عبادات جمع ہیں جیسے شادی میں رنگ رنگ کے کھانے جمع ہوتے ہیں۔ اس میں قیام رکوع و سجود، قعدہ کے علاوہ تسبیح، تہلیل، تحمید، تکبیر، التحیات اور سلام وغیرہ کی عبادتیں جمع ہیں۔ ان عبادات سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سات آسمان پیدا فرمائے انہیں فرشتوں سے بھر دیا ہر آسمان والے مختلف عبادات کرتے ہیں اور ایک گھڑی تساہل نہیں کرتے۔ کوئی قیام میں، کوئی سجود میں ہے اور کوئی التحیات میں ہے۔ کچھ فرشتے طواف عرش، حمد، تسبیح اور دعا وغیرہ میں مشغول ہیں۔ اس امت کی فضیلت کا اظہار کرنے کے لئے ان تمام عبادات کو ایک نماز میں جمع کر دیا ہے تاکہ ہر آسمان والوں کی عبادات کا نمازی کو حصہ ملتا ہے، بلکہ تلاوت کلام پاک کا مزید توفیق عطا فرمائی اور مسلمانوں کو کہا کہ ان عنایات الٰہی پر تم شکر کرو۔ ذرا اور غور سے دیکھیں تو نماز میں تمام مخلوقات کی عبادت بھی جمع ہے کیونکہ اس میں درختوں کا قیام، چوپایوں کا رکوع، رینگنے والے سانپ اور بچھو کا سجدہ، مینڈک وغیرہ کا قعدہ، چوپاؤں کا سکوت، پرندوں کا نزول اور عروج غرضیکہ ہر شے کی عبادت کا نمونہ نماز میں موجود ہے۔
حدیث شریف میں ہے کہ جو پانچوں نمازوں کو شرائط کے ساتھ ادا کرتا ہے تو اس کے ساتھ اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اُس کو امن و امان میں رکھے گا اور اُسے حمایتِ الٰہی حاصل ہوگی۔ مسلمان اگر گناہ کبیرہ سے کنارہ کش رہے تو باقی تمام گناہوں کے لئے یہ پانچ نمازیں کفارہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔
روایت میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ نماز جنت کی کنجی ہے۔ منیۃ المصلی میں ہے کہ ہر چیز کی ایک علامت

ہوتی ہے اور ایمان کی علامت نماز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے توحید کے بعد نماز سے بڑھ کر کسی محبوب تر چیز کو اپنے بندوں پر فرض قرار نہیں دیا اور اپنی جنتی بخششوں اور نعمتوں کے خزانے اس عبادت کے لئے مخصوص فرمائے ہیں اور کسی عبادت کے لئے مخصوص نہیں فرمائے۔ قرآن مجید میں نماز کا تذکرہ سات سو بار سے زائد آچکا ہے اور جتنی تاکید اس نماز کیلئے مخصوص فرمائی کسی اور عبادت کے لئے ایسی تاکید نہیں کی۔ اتنی بلند مرتبت عبادت ہونے، اور بے پناہ برکات اور فیوضاتِ ربانی کے حامل ہونے کی بناء پر نماز کے بیان کو "روحِ نماز" میں مکمل تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے تاکہ ہر مسلمان نماز کے مقام سے آگاہی حاصل کر سکے اور ایسی انمول عبادت سے کوئی بھی مسلمان محروم نہ رہے، امید قوی ہے کہ جو حضرات اس کتاب کا شوق اور طلبِ صادق سے مطالعہ کریں گے وہ انشاء اللہ ضرور نماز کی طرف ہدایت پائیں گے بشرطیکہ کوئی اپنی کوتاہی قسمت کے باعث ازل سے ہی محروم نہ ہو۔

ایسی روایات کثرت سے دیکھنے میں آتی ہیں جن میں نماز تمام بیماریوں سے شفا، مصیبتوں سے نجات اور ہر بلا کے دور ہو جانے کا ذریعہ قرار پاتی ہے فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ

اور مصیبتوں میں مدد لو صبر اور نماز سے

بارش، قحط، مرض، سورج اور چاند گرہن میں نمازِ حاجت پڑھی جاتی ہے آخرِ شب کے وقت اور ہر فرض نماز کے بعد دعا قبول ہوتی ہے۔ حضرت ابو امامہؓ و حضرت ابو مسعودؓ نے فرمایا کہ رات کی نماز کو دن کی نماز پر اس طرح فضیلت ہے جیسے پوشیدہ خیرات دینے والے کو کھلے بندوں خیرات دینے والے پر فضیلت ہے۔ ایک حدیث کے مطابق جو شخص رات کو نوافل ادا کرتا ہے دن کے وقت اس کا چہرہ چمکتا ہے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ کا فرمان ہے کہ رات کی ایک رکعت دن کی دس رکعتوں سے افضل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی بندے کو کوئی عطاء اللہ کی طرف سے اس سے بہتر نہیں دی گئی کہ اس کو دو رکعت نماز کی توفیق ہو جائے۔ آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جس شخص نے نماز کی دو رکعت پڑھیں اور اس کے نفس نے دنیا کی کوئی بات نہیں کی تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ جو پہلے کئے گئے ہوں بخش دیتا ہے ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ دو رکعت نماز ادا کرنے سے انسان کو فرشتوں کے دو پروں کے برابر روحانی پرواز کی طاقت مل جاتی ہے۔ اطباء کا قول ہے کہ وضو کرنیوالا دماغی بیماریوں میں کم مبتلا ہوتا ہے ایک بہت بڑے ڈاکٹر کا تجربہ ہے کہ نمازی کا حافظہ تیز ہو جاتا ہے اگر نماز کیساتھ گلوٹیمک ایسڈ جو دماغ کو آکسیجن سپلائی کرتا ہے، کا استعمال رکھے تو یہ دونوں چیزیں حافظے کے لئے

اکسیر ہیں۔ روایات میں تپ اور جنون کے امراض کیلئے نماز ایک علاج ہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے مکتوبات میں نماز کی حرکات و سکنات کو بیشمار حکمتوں اور فوائد کا خزینہ بتایا ہے۔ اطباء نے صرف مسواک میں ستر بیماریوں کا علاج ہونا ثابت کیا ہے۔

نماز کی اغراض و غایات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بندہ اللہ کے حضور پانچ مقررہ اوقات پر حاضری دیتا ہے اور نماز میں خشوع و خضوع حاصل کرے، اور اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کرے۔ ایک پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ جب تم نماز پڑھو تو تم مجھے اپنے قلب کا خشوع و خضوع، اپنے جسم کی نیازمندی اور اپنی آنکھوں کے آنسو نذر میں پیش کرو تو اُس وقت تم مجھے اپنے قریب پاؤ گے۔ کہا گیا ہے کہ اگر نماز خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھی جائے تو اس سے زیادہ معرفت الٰہی کسی چیز میں نہیں ہے ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ گھر میں نماز پڑھنا نور ہے (یعنی سنتیں اور نفل) اور فرمایا کہ اپنے گھروں کو نور سے چمکایا کرو اور روایات میں یہ بھی ہے کہ اللہ کا ذکر اور قرآن کی قرأت جس گھر میں ہو تو وہ گھر زمین پر آسمان کے ستاروں کی طرح چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

نماز کی اہمیت کو تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا کہ جو نماز نہیں پڑھتا اُس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔ دیلمی اور ابن ماجہ میں فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّ خَيْرَ اَعْمَالِكُمُ الصَّلٰوةُ یعنی جان لو تمہارے اعمال میں سب سے بہتر نماز ہے۔

بزاز میں ہے کہ نماز مسلمان کے دل میں ایمان کو واضح کرتی ہے۔ نماز سے افلاس اور تنگدستی کا دور ہونا اور رزق میں برکت ہونا بھی مروی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہؓ سے فرمایا۔

يَا اَبَا هُرَيْرَةَ مُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْكَ بِالرِّزْقِ مِنْ حَيْثُ لَا تَحْتَسِبُ۔

یعنی اے ابوہریرہؓ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو۔ پس اللہ تعالیٰ تمہیں ایسی جگہ سے رزق دیگا جہاں سے تمہارا گمان بھی نہ ہوگا۔

ان تمام خوبیوں کی حامل ہونے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب آنکھوں کی ٹھنڈک ہونے کی وجہ سے اِس عبادت کو اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ نماز کو ہر زمان و مکان میں فرض کیا گیا۔ کوئی بوڑھا ہو یا جوان، صبح ہو یا شام، بیماری ہو یا آرام، خشکی ہو یا تری، سفر ہو یا حضر، مریض ہو یا تندرست عیش و فراغت ہو یا تنگدستی، بڑا ہو یا چھوٹا، امیر ہو یا غریب ہر ایک کے لئے اِس کو فرض قرار دیا،

شرعی عذر کے سوا کسی پر اس کو ساقط[1] قرار نہیں دیا۔ اس عبادت کو جامع کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ہر عبادت خواہ حج روزہ ہو یا زکوٰۃ و صدقات، ایمان ہو یا شہادت تمام عبادات اس میں موجود ہیں (اس کی تفصیل کتاب نماز کے ابواب میں دی گئی ہے) اس عبادت کو قولی، فعلی، اور قلبی ہونے کا درجہ حاصل ہونے کے علاوہ صوری اور معنوی عبادت کی حیثیت بھی حاصل ہے جو اسے ہر پہلو سے کامل تر بنا دیتی ہے۔

روح کی تسکین، قلب کو سکون اور اطمینان کے علاوہ روحانی اور جسمانی مریضوں کی شفا، مصائب سے چھٹکارا اور آرام کا حاصل ہونا نماز سے ہی ممکن ہے۔ اگرچہ اس اُمت کی نماز کی شکل کچھ اور ہے مگر نماز کا ہر اُمت کے لئے فرض ہونا قرآن سے واضح ہے سورہ انبیاء آیت ۷۳ میں چند انبیاء کے نام سے لکھا گیا ہے۔

وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ	ہم نے وحی بھیجی اُن کی طرف کہ وہ نیک کام کریں اور نماز ادا کریں۔

سورہ مریم آیت ۵۹ میں فرمایا کہ انبیاء کرام پر انعامات کئے گئے مگر اُن کی اُمتوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور خواہشات کی پیروی کی۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ	پس جانشین بنے ان کے بعد وہ ناخلف روگ، جنہوں نے نمازوں کو ضائع کیا اور خواہشات کی پیروی کی۔

تفاسیر میں ہے کہ سجدہ اور رکوع جو نماز کی مدح اور نیاز الٰہی کی انتہائی منزل ہے اس کو یہود اور نصاریٰ نے مشکل ہونے کے باعث اور تکلیف سمجھ کر چھوڑ دیا۔ انہوں نے اس طرح نہ صرف نماز کو چھوڑ ہی دیا بلکہ نماز کی ظاہری شکل اور صورت کو بھی بگاڑ دیا۔ اُمتِ محمدیہ کی نماز کی موجودہ شکل تمام گزشتہ نمازوں سے افضل اور اکمل ہے۔

نمائندہ عبادت ہے کہ اس سے دین استوار ہوتا ہے اور بنیادیں قائم ہوتی ہیں، اس لئے نماز کی

---

[1] وہ عذر سات ہیں جن کے باعث نماز پر شریعت کا مواخذہ نہیں مجذوب یا دیوانہ[1]، بیہوش[2]، حیض[3]، نفاس[4]، نیند[5]، غشی[6]، نسیان۔

پر شیطان بہت کڑی نظر رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ لوگ نماز کو ترک کر دیں۔ ایک حدیث کا ذکر سمرقندیؒ نے یوں کیا ہے کہ جب نماز نازل ہوئی تو ابلیس چیخ اٹھا اور اُس کی فوج جمع ہو گئی۔ پھر اُس نے اُن سے مشورہ کیا کہ کیا تدبیر کی جائے جس سے نماز کو مسلمانوں میں ختم کر دیا جائے۔ ابلیس نے کہا کہ اِن کو نماز کے وقتوں سے غافل کر کے دیگر فضول کاموں میں مشغول رکھا کرو مگر ابلیس کی فوج نے کہا کہ ہم ایسا نہ کر سکیں گے، اُن کے اِس جواب پر ابلیس نے کہا کہ اچھا اگر کوئی نماز پڑھنے لگے تو اُسے گھیرے میں لے لو اور اُس کو اِدھر اُدھر دیکھنے کو کہو اور اُس کو "جلدی کر جلدی کر" کہو کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرے تو اُس کے لئے یقیناً بہت اجر والی لکھی جائے گی۔

شیاطین کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ مسلمان نماز ترک کر دیں۔ نماز کو ترک کرنے کے لئے شیطان طرح طرح کے وسوسے دل میں ڈالتا ہے اور دنیاوی کاموں میں اتنا مشغول کر دیتا ہے کہ لوگ نماز کی طرف توجہ نہ دے سکیں اور اس کی انتہائی کوشش یہی ہوتی ہے کہ لوگوں کو نماز سے دُور رکھا جائے چنانچہ اس کی اِس قدر کوششوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک زمانے میں جو مسجدیں کھچا کھچ نمازیوں سے بھری رہتی تھیں آج وہ خالی نظر آتی ہیں۔ کسی مسجد میں ڈیڑھ صف اور کسی میں دو چار ہی نمازی پائے جاتے ہیں۔

آپ کسی مسجد میں نمازیوں کی صفوں کو ایک طرف سے کھڑے ہو کر دیکھیں تو نمازیوں کی صف بندی میں جمال و جلال خداوندی کا منظر نظر آتا ہے۔ خدائے قدوس کی شان کے آگے لوگ دست بستہ کھڑے اتنے پُر وقار نظر آتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور عظمتوں کی شان کا اندازہ ہوتا ہے۔ جب وہ رکوع اور سجود کرتے ہیں تو خدا کی بڑائی کے سامنے بندوں کی عبودیت اور عجز و نیاز کے ایک نہایت دلکش منظر کی جیتی جاگتی تصویر دکھائی دیتی ہے اور ایسے منظر کو جب شیطان دیکھتا ہے تو وہ اپنے سر میں خاک ڈالتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ خدا کی نافرمانی سے وہ خود تو راندۂ درگاہ و ملعون ہوا اور مسلمان اِسی سجدے سے خدا کی رضا کو حاصل کر رہے ہیں چنانچہ احادیثِ مبارکہ اور آیاتِ قرآنی کو پڑھیں تو معلوم ہو گا کہ شیطان کی سب سے بڑی کوشش یہی ہے کہ مسلمانوں کو نماز سے ہٹا یا جائے اور وہ اِس کوشش میں بہت کامیاب ہے۔ علامہ اقبالؒ نے ابلیس کے انہیں خیالات کی ترجمانی اپنے اشعار میں اِس طرح فرمائی ہے ؎

ع - میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوں
میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تقدیر کا
میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں
کون کر سکتا ہے اس کی آتشِ سوزاں کو سرد
جس کے ہنگاموں میں ہو ابلیس کا سوزِ دروں

علامہ اقبالؒ ارمغانِ حجاز میں ابلیس کی مجلسِ شوریٰ کے عنوان سے ابلیس کے قول کو یوں لکھتے ہیں۔ ؎

ہے مرے دستِ تصرف میں جہانِ رنگ و بو
کیا زمیں کیا مہر و مہ کیا آسمانِ تو بہ تو
ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشکِ سحر گاہی سے جو ظالم وضو

علامہ اقبالؒ ضربِ کلیم میں "ابلیس کا فرمان اپنے فرزندوں کے نام" کے عنوان سے یوں لکھتے ہیں۔ ؎

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج
ملّا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو
اہلِ حرم سے ان کی روایات چھین لو
آہو کو مرغزارِ ختن سے نکال دو

صحابہ کرام کے دور کو خیر القرون اور ان کو خَیْرٌ مِّنْ اَھْلِ الْاَرْضِ کہتے ہیں۔ ان کی عزت و عظمت پورے عالمِ اسلام میں مسلّم ہے۔ ان کا مال و منال، شان و شوکت اور جاہ و جلال سب غیر سے مغلوب تھا اسی لئے ایسا امن ان کے بعد نصیب نہ ہوا اور یہ سب کچھ ان میں دین کی پابندی کی وجہ سے تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خیر البشر بعد الانبیاء فرما کر اپنے سامنے امام الصلوٰۃ بنایا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کی بیعت یہ کہہ کر کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ہمارا امام الصلوٰۃ بنا کر ہمارا دین ان کے سپرد کر دیا اور اس پر ہم راضی ہو گئے تو ہمیں پھر دنیا انہیں سونپنے میں کون سی چیز مانع ہو سکتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام دین کی بقا کو نماز کی بقا میں اور تمام دین کی اضاعت (ضائع کرنے) کو نماز کی اضاعت میں رکھا اور خلافت پر متمکن ہو کر پہلا حکم جو جاری کیا اس میں لکھا کہ۔

اِنَّ اَھَمَّ الْاُمُوْرِ مِنْ دِیْنِکُمْ عِنْدِیْ الصَّلٰوۃِ فَمَنْ ضَیَّعَھَا فَھُوَ لِمَا سِوَاھَا اَضْیَعُ تمہارے دینی امور میں میرے نزدیک سب سے اہم نماز ہے جس نے اسے ضائع کیا وہ دوسری طاعات کو اس سے زیادہ ضائع کرے گا۔

نمازی کے امتیازی اعزاز

حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے نمازی کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تین خصوصی عزتوں کا عطا ہونا بیان کیا ہے۔ (جن کا احادیث میں بھی ذکر آیا ہے) ایک یہ کہ جب نمازی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو سر سے لے کر آسمان تک اُس پر رحمتِ الٰہی کی گھٹا چھا جاتی ہے اور نیکیاں بارش کی طرح برستی ہیں۔ دوسرے یہ کہ فرشتے نمازی کے چاروں طرف جمع ہو جاتے ہیں اور اُس کی زیارت کرتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ جب نمازی نماز کی نیت باندھتا ہے تو رَبُّ العٰلَمِین کی تجلیات سامنے آجاتی ہیں اور ایک فرشتہ پکارتا ہے کہ اے نمازی اگر تو دیکھ لے کہ تیرے سامنے کون ہے اور تو کس سے بات کر رہا ہے تو خدا کی قسم تو قیامت تک نماز سے سلام نہ پھیرے اور نماز کی حالت ہی میں مر جائے۔

نماز کے تعارفی حروف میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ مسلمانوں پر نماز کی فرضیت عائد کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کے لئے بلایا گیا اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بلا کر ادائے نماز کا حکم صادر فرمایا جب کہ دوسرے فرائض کی فرضیت عائد کرنے کے لئے صرف وحی پر اکتفا کیا گیا۔

احادیث میں اس بات کا ذکر ہے کہ قیامت کے دن نمازیوں کے چہرے چاند سورج اور ستاروں سے زیادہ چمکدار ہوں گے اور یہ چمک اُن کے اہتمام نماز کی فرضیت کے مطابق ہوگی۔ جنت کے فرشتے اُن کے چمکتے ہوئے چہروں کے متعلق سوال کریں گے اور وہ نمازی جواب دیں گے کہ وہ کس انداز سے نماز کا اہتمام کرتے ہیں۔

نماز میں ۱۲ خصوصیات

زواجر میں حضرت جعفر بن محمدؓ اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ:۔

۱۔ نماز حق تعالیٰ کی رضامندی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے (یعنی جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنا چاہے تو اُسے چاہئے کہ نماز کی پابندی اختیار کرے۔)

۲۔ نماز فرشتوں کی محبت کا وسیلہ ہے۔ (نمازی سے فرشتے محبت رکھتے ہیں)

۳۔ نماز طریقہ ہے انبیائے سابقین کا۔ (یعنی ہر نبی اپنے وقت کی نماز کا پابند تھا)
۴۔ نماز معرفتِ الٰہی کا مشغل ہے۔ (نماز سے معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے)
۵۔ نماز اسلام کی جڑ اور بنیاد ہے۔ (احادیث میں نماز کو دین کا ستون کہا گیا ہے)
۶۔ نماز دعا کے قبول ہونے کا سبب ہے۔ (بے نمازی کی دعا کی قبولیت مشکل سے ہوتی ہے)
۷۔ نماز کے بغیر کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی (فرائض کے ترک کے بعد دوسرے اعمال قبول نہیں ہوتے)
۸۔ نماز سے روزی میں برکت ہوتی ہے (یہ بات بہت سی احادیث سے ثابت ہے)
۹۔ نماز نفس اور شیطان کے مقابلہ کے لئے سب سے بڑا ہتھیار ہے۔
۱۰۔ نماز موت کے وقت موت کے فرشتے سے نمازی کے لئے سفارش کرے گی۔
۱۱۔ نماز مومن کے دل کا نور ہے اور قبر میں روشنی کا ذریعہ ہے۔
۱۲۔ نماز قبر میں مُردے کی طرف سے منکر نکیر کے سوالات کا جواب دے گی۔
۱۳۔ نماز قیامت تک مُردے کی غم خوار اور ساتھی رہے گی۔
۱۴۔ نماز قیامت کے روز نمازی پر سایہ کرے گی جس روز خدا کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔
۱۵۔ نماز، نمازی کے سر کا تاج اور بدن کا لباس ہوگی۔
۱۶۔ نماز قیامت کے اندھیرے میں نور بن کر نمازی کے سامنے دوڑے گی۔
۱۷۔ نماز حساب کتاب کے وقت نمازی اور جہنم کے درمیان آڑ بن جائے گی۔
۱۸۔ نماز اللہ تعالیٰ کے سامنے نمازی کو بخشوانے کے لئے حجت کرے گی۔ اور سفارشی بن کر پیش ہوگی (قرآن اور رمضان مبارک بھی اسی طرح قیامت کے روز شفاعت کریں گے اور ان کی شفاعت قبول ہوگی)
۱۹۔ نماز کا وزن سب گناہوں پر حاوی ہو جائے گا۔
۲۰۔ نماز پُل صراط کے لئے پروانۂ راہداری بن جائے گی۔
۲۱۔ نماز جنت کی کنجی ہے جو جنت کے بند دروازے کھول کر نمازی کو اس میں داخل کروا دیگی
نماز کے درج بالا تمام خصائص احادیث صحیحہ سے بھی ثابت ہیں۔

نماز کے فضائل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جو شخص پورا وضو کرتا ہے

اللہ تعالیٰ اُس کے گناہ بخش دیتا ہے۔ طبرانی کی حدیث میں نماز سے نمازی کے کان، آنکھ، ہاتھ پیر کے گناہ دُھل جانے کا ذکر ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ نماز دو نمازوں کے درمیان کئے گئے (صغیرہ) گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ کی حدیث میں ہے کہ جمعہ کے دن نہانا اگلے جمعہ تک کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خواہ رات کے کھانے کے پیسے پانی خریدنے پر صرف کردے مگر جمعہ کے دن نہانا ضروری ہے۔

ایک حدیث میں اِس بات کا ذکر ہے کہ اگر کوئی نمازی اپنی شامتِ اعمال سے جہنم میں چلا بھی جائے تو اس کے اعضائے سجود کو جہنم کی آگ نہ کھائے گی (ابوداؤد)

حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سات وصیتیں فرمائیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ نماز جان بوجھ کر نہ چھوڑنا کیونکہ جو شخص جان بوجھ کر نماز چھوڑتا ہے وہ ملّتِ اسلامیہ سے نکل جاتا ہے۔

جو شخص نمازوں کو مقررہ وقت پر ادا کرنے کا اہتمام کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنی ذمہ داری پر جنت میں داخل کرے گا۔ ورنہ اُس بندے سے اپنی ذمہ داری ہٹالے گا۔ نماز ادا کرتے رہنے میں رزق میں برکت، بیماریوں سے شفاء، مصائب کا رفع ہونا، دل کا سکون حاصل ہونا، پریشانیوں اور ناگہانی بلاؤں سے حفاظت ہونا احادیث میں وارد ہے۔ نماز کی احادیث کا اِس بات سے بھی علم ہوتا ہے کہ صرف مسواک کرنے سے نمازی کو پیٹ کی ستر بیماریوں سے حفاظت ملتی ہے۔

کتاب الصلوٰۃ میں احمد بن حنبلؒ نے روایت لکھی ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلا سوال جو بندے سے پوچھا جائے گا وہ نماز کے متعلق ہوگا۔ اگر قبول ہوئی تو اُس کے سبب سارے اعمال قبول ہو جائیں گے اور اگر نماز قبول نہ کی گئی تو سارے اعمال رد کر دیئے جائیں گے۔ کتاب الصلوٰۃ میں ہی ہے کہ ہر نبی نے اپنی اُمت کو آخری وصیت نماز کے لئے کی اور اس کے لئے انہوں نے اپنی اُمت سے عہد و پیمان بھی لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی نصیحت فرمائی کہ نماز قائم رکھنا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ آخری صفت جو قیامت کے قریب اسلام سے اُٹھالی جائے گی وہ نماز ہے۔

نزہتہ المجالس میں حضرت شقیق بلخیؒ کا قول نقل ہے کہ ہم نے پانچ چیزوں کو تلاش کیا اور اُن کو پانچ جگہوں میں پایا (۱) روزی کی برکت چاشت کی نمازمیں (۲) قبر کی روشنی تہجد کی نمازمیں (۳) منکر نکیر کا سوال طلب کیا تو اُس کو قرأت میں پایا (۴) پل صراط کا سہولت سے پار ہونا صدقہ اور خیرات میں پایا اور (۵) عرش کا سایہ خلوت میں پایا۔

نماز میں دونوں جہانوں کی نجات ہے

وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں کہ حاجتیں نماز کے ذریعے طلب کی جاتیں ہیں اور پہلے لوگوں کو جب کوئی حادثہ پیش آتا تو وہ جلد نماز ہی کی طرف متوجہ ہو جاتے (یعنی کوئی مصیبت یا بیماری آئے تو زیادہ سے زیادہ نوافل ادا کئے جائیں اور پھر اپنی مراد کے لئے دعا مانگی جائے۔ رات کے نوافل مراد کے پورا ہونے کے لئے خاص اثر رکھتے ہیں۔ یہ بات مصائب کے حل کرنے کا بہترین اور موثر علاج ہے)۔

حضرت ابوذر غفاریؓ نے ایک حدیث بیان کی ہے (جس کا خلاصہ یہ ہے) کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب میرا اُمتی اس غرض سے نماز پڑھتا ہے کہ اس کا مالک اُس سے راضی ہو جائے تو اُس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح اِس (خزاں رسیدہ) درخت کے پتے جھڑ گئے۔

تفسیر روح البیان میں حضرت دانیال علیہ السلام کا قول نقل کیا گیا ہے کہ قوم نوح علیہ السلام اور قوم ہود علیہ السلام اگر اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ایسی ظاہرداری سے ہی شکل بنا لیتے تو طوفان اور آندھی جیسے عذاب میں گرفتار نہ ہوتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگ عبد یا لیل کی سرداری میں مدینہ شریف آئے اور اس شرط پر اسلام قبول کرنے کو کہا کہ انہیں نماز نہ پڑھنے کی اجازت دی جائے آپ نے نماز انہیں نہ پڑھنے کی اجازت نہ دی اور فرمایا " لَا خَيْرَ فِيْ دِيْنٍ لَيْسَ فِيْهِ رُكُوْعٌ " (یعنی جس دین میں نماز نہیں اُس میں کوئی خوبی نہیں۔)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب خنجر مارا گیا تو آپ تین دن شدید زخموں کی حالت میں بیہوش رہے اور جب ہوش میں آتے تو نماز ادا کرتے اور فرماتے کہ اسلام میں اُس کا

کوئی حصہ نہیں جو نماز چھوڑ دے۔ روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کوئی مسلمان ایسا نہ تھا جو نمازی نہ ہو۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایک نماز بھی جان بوجھ کر چھوڑ دے وہ حق تعالیٰ سے اس طرح ملے گا کہ حق سبحانہٗ اس پر ناراض ہوں گے۔

دو رکعت نماز کی حیثیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا فضل اور احسان یہ ہے کہ اُسے دو رکعت نماز پڑھنے کی توفیق دی گئی۔ ایک حدیث میں اس بات کا ذکر ہے کہ دو رکعت نماز ادا کرنے سے بندے کو فرشتوں کے دو پروں جتنی طاقت عطا کی جاتی ہے ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص رات کو نوافل ادا کرتا ہے تو دن کو اس کا چہرہ چمکتا ہے"۔

حضرت محمد بن سیرینؒ نے فرمایا کہ اگر مجھے اختیار دیا جائے کہ جنت اور دو رکعت میں سے ایک چیز کو اختیار کرو تو میں دو رکعت کو اختیار کروں گا کیونکہ دو رکعت میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور جنت میں میری رضا ہے۔

صوفیہ کا قول ہے کہ اگر کوئی تہجد کی نماز نہ پڑھ سکے تو رات کو سونے سے پہلے دو یا چار رکعت نفل ادا کرے تو وہ شب بیداری کا ادنیٰ ثواب حاصل کرے گا۔ حضرت بلالؓ ہر وضو کے ساتھ دو رکعت نماز نفل ادا فرمایا کرتے تھے اور ان کے اس فعل کی بدولت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی کھڑاؤں کی آواز معراج کی رات عرش پر سُنی۔

نمازیوں کے لئے خاص عنایات

نمازیوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے شمار خصوصی عنایات کا ذکر احادیث میں آیا ہے جو طوالت کے سبب یہاں بیان نہیں کیا جا سکتا البتہ ان میں سے چند ایک کا ذکر بطورِ نمونہ پیش کیا جا رہا ہے۔ مستند حوالہ جات اور احادیث صحیحہ سے نمازیوں کو درج ذیل پانچ خصوصی عزتوں، بخششوں اور نعمتوں کا عطا کیا جانا ثابت ہے۔

۱- اللہ تعالیٰ نمازی کی تنگدستی دور فرما دیتے ہیں۔
۲- قبر کا عذاب اُس سے ہٹا دیا جاتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اُس کا اعمالنامہ اُس کے دائیں ہاتھ میں دلوائیں گے یعنی اس کی نجات ہو گی اور ایسا شخص نہایت آرام سے جنت میں داخل ہو گا۔

۴۔ نمازی پُلصراط سے بجلی کی طرح گزر جائے گا۔

۵۔ ایسا شخص بغیر حساب کے جنت میں جائے گا۔ (نماز کے بعد کوئی خاص رکاوٹ نہیں رہتی)

ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ کچھ لوگ جب قیامت کے روز اپنی قبروں سے اُٹھیں گے تو ان کی قبروں پر براق کی قسم کی سواریاں تیار ہوں گی اور وہ فوراً جنت میں پہنچ جائیں گے۔ فرشتے اُن سے پوچھیں گے کہ تمہارا حساب کتاب ہو گیا، تو وہ کہیں گے کہ ہم نے کوئی حساب کتاب نہیں دیکھا۔ پھر اُن سے پوچھا جائے گا کہ پُلصراط سے گزر کر آئے ہو تو وہ کہیں گے کہ ہم نے کوئی پُلصراط بھی نہیں دیکھا فرشتے حیرانی کا اظہار کریں گے اور دریافت کریں گے کہ تم لوگ کون ہو اور کیا عمل کرتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ ہم اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے ہیں اور ہم دنیا میں ہر حال پر شاکر تھے اور خلوت اور جلوت میں ایک جیسے ہی عمل کرتے تھے۔

اپنی نماز کو شیطان سے بچائیں

نماز میں شیاطین ہمیشہ مداخلت کرتے ہیں اور صوفیاء کا قول ہے کہ اگر شیاطین نماز میں دخل دیتے تو ابنِ آدم عالم ملکوت کی سیر کرتا۔ ہر نمازی کے لئے شیاطین کے اُن ہتھکنڈوں سے بچنا ضروری ہے جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ شیطان انسانوں کا اس لئے دشمن ہے کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے اُسے جنت سے نکالا گیا چنانچہ جب وہ کسی مسلمان کو سجدے میں دیکھتا ہے تو اپنے سر پہ خاک ڈالتا ہے اور کہتا ہے اِس سجدے کی وجہ سے میں جنت سے نکالا گیا تھا اور یہ شخص اپنے سجدوں سے خدا کو راضی کر رہا ہے۔

شیاطین کا ایک لشکر اِس بات پر مقرر ہے کہ وہ نمازیوں کو نماز سے روکے اور بندے کا خدا سے رابطہ منقطع کر دے۔ جو لوگ بے دینی کے کاموں میں مشغول رہنے کے عادی ہوتے ہیں تو شیطان اپنی چونچ اُن کے دلوں میں رکھ دیتا ہے اور ایسے لوگوں کو نماز سے محروم کر دیتا ہے۔ شیطان نمازی کو جلدی جلدی نماز پڑھنے پر اُکساتا ہے۔ جو لوگ پکّے نمازی نہ ہوں انہیں شیطان اِس بات کی تلقین کرتا ہے کہ کچھ عرصے کے بعد نماز پڑھ لینا ابھی تو بہت عمر باقی ہے

ایک حدیث میں ہے کہ نماز شیطان کا منہ کالا کرتی ہے اور صدقہ اس کی کمر توڑ دیتا ہے یہ بھی بیان ہوا ہے کہ نماز شروع کرتے وقت اگر دنیاوی کاموں کی طرف خیال نہ ہو تو ایسے نمازی کی نماز کو درست تصور کیا جاتا ہے اور اگر بعد میں شیطان نمازی کے دل میں کوئی خیال ڈال دے تو نمازی معذور تصور کیا جائے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ابلیس سے پوچھا کہ وہ کون سی شے ہے جو تیری پشت شکن ہو تو اس نے کہا کہ وہ چیز گھر میں نماز پڑھنا ہے۔ فرض نماز کے سوا (یعنی نوافل اور سنن گھر پر ادا کئے جائیں اور فرائض مسجد میں) نمازی کے لئے ضروری ہے کہ جو طریقے شیطان سے بچنے کے لئے ہماری تصنیف "روح نماز" میں بیان کئے جا چکے ہیں اُن پر عمل کرے اور شیاطین کی گرفت سے محفوظ ہو جائے۔ ایسے طریقوں میں چند طریقوں کا ذکر نیچے دیدیا گیا ہے۔

شیاطین سے بچنے کے راستے

صوفیہ کا قول ہے کہ توجہ الی اللہ، باہمی محبت اور نیک عمل میں باہم ہونا شیطان کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ نیک لوگوں کی صحبت شیطان کے اثر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھتی ہے اور نفس کی اصلاح کا سب سے بڑا علاج اولیائے کرام کی صحبت ہے۔ نماز میں سب سے بڑا ہتھیار تعوذ ہے یعنی (اعوذ باللہ پڑھنا) ہے۔ اس سے شیطان نمازی پر اثر انداز نہیں ہوتا پانچ چیزیں دل کی بیماریوں کی دوا ہیں۔

۱- تلاوت قرآن اور اس کے معنوں میں غور۔

۲- پیٹ کو زائد از ضرورت غذا سے خالی رکھنا۔

۳- رات کی نماز یعنی تہجد پڑھنا (روحِ نماز میں شب خیزی کا مضمون قابلِ مطالعہ ہے)

۴- رات کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے زاری کرنا اور دعا کرنا۔

۵- نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنا۔

قرآن میں نماز کے فضائل وتاکید

یوں تو قرآن میں سات سو سے زائد مرتبہ نماز کا ذکر آیا ہے مگر چند وہ آیات جن میں نماز کی بے بہا خوبیوں کا ذکر ہے وہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ (البقرہ - ۱۵۳) — اے ایمان والو مدد طلب کرو صبر اور نماز کے ذریعے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی مشکل آئے تو نمازوں کے ادا کرنے میں مصروف ہوجاؤ۔ (اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ فرض نمازوں کے علاوہ بہت سے نوافل ادا کئے جائیں)

(۲) وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (علق ۱۹) یعنی سجدہ کرو اور ہم سے قریب ہو جاؤ۔ (سجدہ تلاوت)

صوفیاء کرام نے لکھا ہے کہ سجدے سے زیادہ قرب کسی عبادت میں نہیں ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے قریب ترین اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ کرے۔ اس لئے اس وقت خوب دعا کیا کرو۔

(۳) اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (العنکبوت: ۴۵) — بیشک نماز منع کرتی ہے بے حیائی اور گناہ سے۔

(۴) وَاْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْھَا (طٰہٰ: ۱۳۲) — اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دے اور خود اس پر ثابت رہ۔

(۵) اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝ (النساء ۱۰۳) — بے شک نماز مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے اپنے اپنے مقررہ وقت پر۔

(۶) قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ (ابراہیم ۳۱) — میرے ان بندوں سے فرما دو جو ایمان لائے کہ نماز قائم رکھیں (اس کے بعد فرمایا قیامت میں مال کچھ کام نہ آئے گا)

(۷) اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ ۝ (طٰہٰ: ۱۴) — یقیناً میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس میری عبادت کیا کرو اور مجھے یاد کرنے کے لئے نماز کو قائم رکھو۔

(۸) حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ ۝ (بقرہ ۲۳۸) — پابندی کرو سب نمازوں کی اور (خصوصاً) درمیانی نماز کی اور کھڑے رہا کرو اللہ تعالیٰ کے آگے عاجزی کرتے ہوئے۔

احادیث میں نماز کا مقام نماز کی اہمیت، ترک نماز پر خدائی عذاب کا وقوع پذیر ہونا

اور نماز کی ادائیگی کی جزا اور عدم ادائیگی پر وعید کے متعلق بے شمار احادیث مطالعہ میں آتی ہیں۔ یہاں اُن سب کا نقل کرنا ممکن نہیں ہے نماز کے متعلق چہل احادیث بھی بہت مشہور و معروف ہیں۔ اختصار کے پیشِ نظر چند احادیث کا خلاصہ اور کچھ کا ترجمہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

۱۔ اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ۔ مَنْ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ فَقَدْ اَقَامَ الدِّیْنَ وَمَنْ ھَدَمَ الصَّلٰوۃَ فَقَدْ ھَدَمَ الدِّیْنَ — یعنی نماز دین کا ستون ہے، جس نے نماز کو قائم کیا اس نے دین کو قائم کیا اور جس نے نماز کو گرا دیا اس نے دین کو گرا دیا۔

۲۔ مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ — یعنی جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی اس نے کفر جیسا کام کیا۔

۳۔ مَنْ کَانَ لَاصَلٰوۃَ لَہٗ۔ لَا دِیْنَ لَہٗ — (جس کی نماز نہیں اس کا کوئی دین نہیں)

۴۔ اَلْفَرْقُ بَیْنَ الرَّجُلِ وَبَیْنَ الْکُفْرِ تَرْکُ الصَّلٰوۃِ — بندہ مومن اور کافر میں فرق کرنے والی چیز ترکِ نماز ہے۔

۵۔ مَنْ حَافَظَ عَلَی الصَّلٰوۃِ کَانَتْ لَہٗ نُوْرًا وَّ بُرْھَانًا وَّ نَجَاۃً یَّوْمَ الْقِیَامَۃِ (احمد وطبرانی) — یعنی جس نے نماز کی حفاظت کی تو نماز اس کی قیامت کے دن نور ، برہان اور نجات ہوگی نماز ہمارے چہروں کی رونق ہے۔ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری اُمت اِس حال میں اُٹھائی جائے گی کہ اُن کے منہ اور ہاتھ پاؤں آثارِ وضو کی برکت سے چمکتے ہوں گے۔)

۶۔ ہر شے کی ایک علامت ہوتی ہے اور ایمان کی علامت نماز ہے۔

۷۔ نماز فرشتوں کی تمام عبادتوں کی جامع ہے۔

۸۔ جُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ — نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک رکھی گئی ہے۔

۹۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّ خَیْرَ اَعْمَالِکُمُ الصَّلٰوۃُ — جان لو کہ تمہارے اعمال میں بہترین چیز نماز ہے۔

۱۰۔ مِفْتَاحُ الْجَنَّۃِ الصَّلٰوۃُ — نماز جنت کی کنجی ہے۔

۱۱۔ لَا سَھْمَ فِی الْاِسْلَامِ لِمَنْ لَاصَلٰوۃَ لَہٗ — یعنی جو نماز ادا نہیں کرتا اُس کا دین میں کوئی حصہ نہیں۔

۱۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابوہریرہؓ اپنی نمازوں کی حفاظت کرو اللہ تعالیٰ

ایسی جگہ سے رزق عطا کرے گا جہاں تمہارا گمان بھی نہ ہوگا۔

۱۳۔ بخاری اور مسلم کی حدیث کے مطابق پانچوں نمازوں کی مثال اُس نہر کی طرح بیان کی گئی ہے جو کسی کے گھر کے سامنے ہو اور وہ ہر روز اُس میں پانچ بار غسل کرے تو اس کے بدن پر میل نہ رہے گی۔

۱۴۔ نمازی کے لیے جنتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اُس کے اور پروردگار کے درمیان حجابات اُٹھا دیئے جاتے ہیں۔ (طبرانی)

۱۵۔ جو صبح کی نماز پڑھتا ہے شام تک اللہ کی حفاظت میں رہتا ہے۔ (طبرانی)

۱۶۔ جس نے چالیس دن نماز فجر اور عشا با جماعت پڑھی اُس کو اللہ تعالیٰ آگ اور نفاق سے برأت عطا فرمائے گا۔ (خطیب)

۱۷۔ نماز مسلمانوں کا ہتھیار اور اُن کی حفاظت کا مضبوط قلعہ ہے۔

۱۸۔ اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ یعنی نماز مومن کی معراج ہے۔

۱۹۔ نماز رب عز و جل سے کلام کا شرف دلاتی ہے۔

۲۰۔ اَلصَّلٰوۃُ دُعَاءٌ وَالدُّعَاءُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ نماز دعا ہے اور دعا مومن کا ہتھیار ہے۔

۲۱۔ نماز قبر کی ظلمت کو نور سے بدلتی ہے۔

۲۲۔ مَنْ لَمْ تَنْہَہُ صَلَاتُہٗ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ لَمْ یَزِدْہُ مِنَ اللّٰہِ اِلَّا بُعْدًا وَلَمْ یَزِدْ بِہَا مِنَ اللّٰہِ اِلَّا مَقْتًا جس کو اُس کی نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے نہیں روکتی وہ نماز اُسے خدا سے دُور کر دیتی ہے اور اس کو نماز میں کچھ نہیں ملتا مگر خدا کی ناراضی۔

۲۳۔ مَنْ فَاتَتْہُ صَلٰوۃٌ فَکَاَنَّمَا وُتِرَ اَھْلُہٗ وَمَالُہٗ (ابن ماجہ احمد) یعنی جس شخص کی ایک نماز بھی فوت ہو گئی تو گویا وہ ایسا ہے کہ اس کے گھر کے لوگ اور مال و دولت چھین لیا گیا ہو۔

۲۴۔ لَا تَتْرُکُوا الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدِیْنَ فَمَنْ تَرَکَہَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْمِلَّۃِ جان بوجھ کر نماز نہ چھوڑو کیونکہ جو جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے وہ ملتِ اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے (ابن ماجہ، ابی الدرداء۔ طبرانی۔ مشکوٰۃ وغیرہ)

تارکین نماز کی محرومیاں اور سزائیں

مسلمانوں کے چاروں اماموں نے تارکین نماز کو متفقہ طور پر اول درجے کا فاسق اور

فاجر قرار دیا ہے بلکہ کچھ فقہاء نے انہیں اسلام سے بھی خارج تصور کیا ہے ایسے فقہاء
بے نمازی کی موت کو خارج از اسلام خیال کرتے ہیں اور ایسے شخص کو مسلمانوں کے قبرستان
میں نہ دفن کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

کتاب الصلوٰۃ میں امام محمد کے حوالے سے ایک حدیث منقول ہے کہ
جس نے نماز کو ترک کر دیا اس کا دین میں کوئی حصہ نہیں اور جس نے نماز کو ادا نہ کیا تو وہ نماز کو
معمولی سمجھنے کی وجہ سے ترک کرتا ہے۔ آئمہ اربعہ کے نزدیک جو شخص فرضیتِ نماز کا انکار کرے
یا اس کو ہلکا یا سبک جانے اور اس کے ترک کو حلال جانے تو وہ کافر ہے کیونکہ ایسا شخص
قرآن کی نص کا انکار کرتا ہے۔ لہٰذا بعض اماموں نے تارکِ نماز کو کافر قرار دیا ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بلا عذر نماز ترک
کرنے والا کافر تو نہیں البتہ آپ اس کو کافروں جیسا فعل تصور کرتے ہیں اور اس کا یہ کام ناشکری اور کفرانِ
نعمت میں شمار کرتے ہیں۔ لہٰذا اُسے شرعاً سخت سزاؤں کا مستحق جانتے ہیں۔

چاروں اماموں نے بے نمازی کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ
نے اس قدر تخفیف کی ہے کہ بے نمازی کو ہمیشہ قید میں رکھا جائے تاوقتیکہ وہ توبہ نہ کرلے
یا قید میں ہی مر جائے۔ بعض حنفیہ کا حکم ہے کہ اُسے اتنا مارا جائے کہ خون بہہ جائے اور پھر
اُسے قید میں ڈالا جائے۔ اور اگر قید میں بھی توبہ نہ کرے تو اُس کے قتل کا حکم جاری کیا جائے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے غنیۃ الطالبین میں امام احمدؒ کے مطابق یہ حکم لکھا
ہے کہ اگر کوئی نماز کو فرض بھی جانتا ہو مگر سستی غفلت یا بے پرواہی کی وجہ سے نہیں پڑھتا اور اُس
نماز کے بعد والی نماز کا وقت بھی تنگ ہو گیا ہو تو اُس وقت یہ شخص بھی کافر ہو جائے گا اور
اس پر مرتد ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔ ایسے شخص کو تین دن کے بعد توبہ کرائی جائے گی اور اگر
ایسا نہ کرے تو اُسے قتل کر دیا جائے۔

بے نمازی کو پندرہ سزائیں دی جائیں گی غنیۃ الطالبین اور کتبِ احادیث میں ہے
کہ بے نمازی کو پندرہ سزائیں دی جائیں
گی اُن میں چھ سزائیں دنیا میں تین مرتے وقت، تین قبر میں اور تین قبر سے نکلنے کے بعد حشر میں
دی جائیں گی۔ ان سزاؤں کا ملنا اہلِ بصیرت سے مخفی نہیں۔

(i) بے نمازی کے لئے دنیا کی چھ سزائیں :-

۱- بے نمازی کی زندگی سے برکت اٹھالی جاتی ہے۔

۲- اس کے رزق سے برکت دُور کر دی جاتی ہے (اگر رزق زیادہ بھی ہو تو اس میں بھی بے برکتی شامل ہوتی ہے)۔

۳- نیک لوگوں کی علامت اُن کے چہروں سے ہٹادی جاتی ہے اور اُن کا نام صالحین کی فہرست سے مٹا دیا جاتا ہے۔

۴- ایسا شخص جو بھی نیکی کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں اُسے کوئی ثواب نہیں ملتا۔

۵- ایسا آدمی جو بھی دعا مانگتا ہے وہ آسمان تک پہنچنے نہیں دی جاتی۔

۶- اگر اللہ کے نیک بندے اس کے حق میں کوئی دعا مانگیں تو اس کے حق میں قبول نہیں ہوتی۔

(ii) موت کے وقت کی تین سزائیں :-

۱- بے نمازی کی موت ذلت سے ہوتی ہے۔ (وہ گندی اور ناپاک جگہ پر مرتا ہے ایسے لوگ اکثر رسوائے زمانہ ہوتے ہیں اور مرنے کے بعد بھی ان کو بُرے لفظوں سے یاد کیا جاتا ہے)۔

۲- مرتے وقت بھوکا مرے گا۔ (اگرچہ اس کے پاس بہت سا مال ہی کیوں نہ ہو۔)

۳- موت کے وقت استسقاء کے مریض کی طرح پیاس نہیں بجھے گی اور پیاس کی حالت میں ہی اِس دُنیا سے رخصت ہو جائے گا۔

(iii) قبر کی تین سزائیں :-

۱- بے نمازی کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے اور اِس طرف کی پسلیاں اُس طرف اور اُس طرف کی پسلیاں اِس طرف لگ جاتی ہیں۔

۲- بے نمازی کی قبر میں آگ جلائی جاتی ہے تاکہ وہ اِس میں جلتا رہے۔

۳- بے نمازی کی قبر میں ایک سانپ مسلّط کر دیا جاتا ہے۔ جو اسے نماز نہ پڑھنے کے باعث ڈستا رہتا ہے۔

(iv) قیامت کی تین سزائیں :-

۱- اس کا حساب بہت سختی سے لیا جائے گا۔

۲۔ بے نمازی پر خدائی قہر کا عذاب ہوگا (اللہ تعالیٰ بے نمازی کے ساتھ غضبناک حالت میں پیش آئیں گے۔)
۳۔ ایسے بے نمازی کو ذلیل کر کے جہنّم میں دھکیل دیا جائے گا۔

وہ امتیازات جو صرف عبادت گزاروں کو ہی ملتے ہیں

اللہ تعالیٰ چونکہ خالق کائنات ہے اس لئے اُس نے اپنی عنایات کا دھارا پوری مخلوق کی طرف یکساں اور بے دریغ کھول رکھا ہے۔ انصاف کا تقاضا تھا کہ خدا کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں میں کچھ امتیاز رکھا جاتا چنانچہ اُس نے اپنی سنت کے مطابق کردار اور اسباب میں پوری کوشش کرنے والوں کے لئے تو بلا امتیاز مذہب اپنی دنیا کے خزانوں کے منہ کھول دیئے ہیں لیکن اپنے ماننے والے وفا شعاروں کو اس کے علاوہ ایسی قدریں اور توفیق بھی عطا فرمائیں ہیں کہ جو کسی دوسرے کے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتیں۔
اولیائے کرام کو تو کرامات دی گئیں جن سے ہر کوئی بخوبی واقف ہے۔ اس کے برعکس دوسروں کو صرف استدراج کا معمولی سا حصّہ دیا گیا ہے جو کہ معجزات اور کرامات کے مقابلہ میں لاشے کی حیثیت رکھتا ہے معجزات اور کرامات تو غیر مسلم لوگوں کو سرے سے ہی نہیں دیئے گئے اس لئے یہاں صرف اُن باتوں کا ذکر کیا جائے گا کہ اللہ کے ماننے والے وفا شعار لوگوں کو دوسرے لوگوں کی عامیانہ زندگیوں پر کس طرح برتری عطا کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وفا شعاروں اور عبادت گزاروں کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی عنایات دی گئی ہیں اُن میں سے کچھ عنایات کا ذکر نیچے دیا جا رہا ہے۔ تفصیل کے لئے ہماری تصنیف "روح نماز" دیکھیں۔

۱۔ سیدھے راستے کی ہدایات کا عطا ہونا۔ سورہ یونس کی آیت ۹ میں ہے کہ "جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے، یقیناً اِن کا رب اُن کو (منزل مقصود تک) ہدایت دے گا ان کے ایمان کے باعث"۔ اِسی طرح سورہ العنکبوت آیت ۶۹ میں لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ـــ فرمایا گیا ہے یعنی ہم اُن کو اپنے راستے ضرور دکھائیں گے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو اپنی کائنات کی معرفت کے راستے کھول دیتے ہیں اور اگر اُن کو دنیا میں کوئی مشکل درپیش ہو تو اس کا حل بھی القا کر دیا جاتا ہے اور اِس طرح انہیں نجات کی طرف راہنمائی بھی کر دی جاتی ہے تاکہ ان

کی پریشانیاں دُور ہوجائیں۔

۲۔ قبولیتِ دعا کے دروازوں کا کھلنا۔ سورہ الشوریٰ آیت ۲۶ میں ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کی دعا قبول کرتا ہے اور اُن کے حق سے زیادہ اجر دیتا ہے۔ یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیا اور اپنے مقبول بندوں کی دعاؤں کو زیادہ قبول کرتا ہے۔ (راقم الحروف کی تصنیف "روحِ نماز" ملاحظہ کریں)

۳۔ رزق میں برکت ہونا سورہ طٰہٰ آیت ۱۳۱ میں فرمانِ الٰہی ہے کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں اور خود بھی نماز کی پابندی کرتے رہیں اس طرح اللہ تعالیٰ خوب روزی عطا فرماتا ہے ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ :-

وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ۝ (الذاریات : ۲۲)

اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور ہر وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رزق آسمانوں سے دیا جاتا ہے اور جو لوگ آسمان والے سے تعلق قائم کر لیتے ہیں اُن کو آسمان سے ہر شے ملتی ہے مشہور صوفی بزرگ حضرت شفیق بلخیؒ کا قول پہلے گزر چکا ہے جس میں انہوں نے یہ واضح کیا ہے کہ روزی کی برکت چاشت کی نماز میں ہے۔ احادیث مبارکہ سے یہ بات بھی سامنے آجاتی ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کی روزی میں بھی زیادہ برکت ہونے کے باعث اُن کو کفایت کرتی ہے اس لئے کہ اُن کا مال بیماریوں اور دیگر نقصانات میں ضائع نہیں ہوا کرتا۔

۴۔ عبادت میں دکھوں سے نجات کا ملنا۔ یہ بات ہر خاص و عام کے مشاہدہ میں آتی ہے کہ جو لوگ گناہ سے توبہ کرنے کے بعد عبادت کی پابندی کرتے ہیں تو وہاں کوئی پریشانی نہیں رہتی ہے کیونکہ اُن لوگوں کو لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ (یعنی اولیاء کو نہ کوئی خوف ہوتا ہے نہ ملال) کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ سورہ الزمر آیت ۶۱ میں بھی اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک بندوں کو ہر الجھن سے کامیاب بنا کر نکالتا ہے۔ انہیں نہ تو کوئی دکھ ہوتا ہے اور نہ کوئی پریشانی۔ طبرانی نے لکھا ہے کہ اُن لوگوں کو آخرت میں بھی کوئی خوف نہ ہوگا۔ آخرت میں نیک عمل انسان کی شکل میں نمودار ہو کر عمل کرنے والے کو اپنے کندھوں پر سوار کر لے گا۔

۵۔ عبادت کی وجہ سے بات میں وزن ہونا۔ علماء اور ماہرین ہر مذہب میں ہیں مگر علمائے اسلام کا ہم پلہ کوئی نہ ہوسکا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے پایہ کا عالم اور کوئی نہ ہوسکا۔ اسی طرح حضرت جنیدؒ، بایزید بسطامیؒ اور علامہ اقبالؒ اپنی مثال آپ تھے۔ علامہؒ نے فرمایا کہ رومیؒ کا ہم عمر اور ہم پلہ کوئی نہ ہوسکا۔

ع۔ نہ اُٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے ٭ وہی آب و گِلِ ایراں وہی تبریز ہے ساقی!

غیر مسلموں میں مسلمانوں کی شان کے شاعر، فلاسفر، سائنسدان نہیں ہوئے ہیں قاآنی بھی شاعر تھا مگر شیخ سعدیؒ کی شاعری تک نہ پہنچ سکا۔ ابنِ طولون مصریؒ نے ساڑھے سات سو کتابیں تصنیف کیں اور رومیؒ کی تصانیف اس سے زیادہ نہ تھیں مگر اُن کی شہرت میں کسقدر فرق ہے۔ امام حنبلؒ اور امام غزالیؒ، حریری اور بدیع الزمان سے بہتر عربی نہ لکھ سکتے تھے مگر امام حنبلؒ اور امام غزالیؒ والی بات اُن میں نہ تھی۔ جن کا رابطہ اللہ سے تھا وہ تو ایک چیزے دیگر بن گئے۔ خالد بن ولیدؓ نے کفر کی حالت میں جنگ اُحد میں شکست کھائی مگر جونہی وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے کسی جنگ میں بھی وہ سرنگوں نہ ہوسکے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ اسلام سے پہلے اپنے گھر کے دس اونٹوں کو بھی سنبھال نہ سکتے تھے مگر غلامیٔ مصطفےٰؐ میں آنے کے بعد وہ استعداد پیدا کر لی کہ تمام شہنشاہانِ وقت آپ کے رعب سے لرزہ براندام تھے۔ یورپین مورخین نے لکھا ہے کہ اگر مسلمانوں میں ایک عمر رضی اللہ عنہٗ اور پیدا ہو جاتے تو پوری دنیا ہی مملکت اسلامیہ میں شامل ہو جاتی۔

۶۔ عبادت سے نور کا عطا ہونا۔ وفا شعار بندوں کے چہروں پر اطاعتِ الٰہی کی وجہ سے ایک نور عطا کیا جاتا ہے جو ان کے چہروں پر نورانیت کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں بھی آیا ہے کہ ایسے لوگوں کو آخرت میں بھی ایک نور عطا کیا جائیگا۔ یوں تو عام لوگوں کو بھی بچپن اور جوانی میں کچھ رُوپ ملتا ہے اور غذا و صحت کی وجہ سے بھی کچھ چمک چہروں پر نظر آتی ہے مگر یہ چمک کچھ عرصے کے بعد ختم ہو جاتی ہے اور پھر ایک وقت آتا ہے کہ اُن لوگوں کے چہروں کی ہڈیاں ٹیڑھی ہو جاتی ہیں، معصیت کی نحوست اور کراہت اُن کی شکلوں سے ٹپکتی ہے۔ اہل بصیرت ان کی شکلوں پر بد حواسی ظلمت اور راندۂ درگاہ ہونے

کے آثار دیکھتے ہیں۔ اس کے برعکس اللہ والوں کے چہروں کے نور میں دن بدن اضافہ ہوتا ہے۔ وہ مخلوقات کو فیض پہنچاتے ہیں اور اُن کی قبروں سے بھی نور برستا ہوا ہر خاص و عام کو نظر آتا ہے۔ جو لوگ راتوں کو بیداری اور عبادت میں مصروف رہتے ہیں مرتے وقت اُن کے چہرے جگمگاتے رہتے ہیں۔ وضو کرنے کے بعد ہم جو کیفیت محسوس کرتے ہیں وہ وضو سے پہلے محسوس نہیں کرتے۔ اس بات سے پوری طرح اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو شب و روز کے مجاہدات اُن کے چہروں کو کسقدر دلکش اور نورانی بنا دیتے ہونگے۔

۷۔ <u>عبادت سے دانش کا عطا ہونا</u>۔ قرآن مجید میں ہے کہ اہل اللہ کو نورِ عقل عطا کیا جاتا ہے

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۝ (البقرہ ۲۵۷) — اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے نکال لے جاتا ہے اُن کو اندھیروں سے نور کی طرف۔

ایک اور جگہ فرمایا گیا ہے۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (النور ۳۵) — اللہ تعالیٰ نور ہے زمین اور آسمانوں کا۔

نورِ الٰہی ہر طرف پھیلا ہوا ہے اور عقل بھی ایک نور ہے۔ لہٰذا کوئی جتنا اللہ تعالیٰ سے قریب ہو گا اتنا ہی اُس کے نور یعنی عقل میں اضافہ ہوگا۔ مغربی ممالک کے دانشور صرف مادیت میں مہارت رکھتے ہیں۔ وہ عقل مند نہیں۔ اگر عقل مند ہوتے تو اسلام قبول کر لیتے۔ علامہ فرماتے ہیں۔

؎ وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم — حد اُس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

سورہ آلِ عمران کی آیت ۱۳۹ میں فرمایا گیا ہے۔ "اے مسلمانو تم ہی بلند و بالا ہو بشرطیکہ تم مومن بن جاؤ" مومن کو نورِ فراست کا عطا ہونا بھی اسی نوعیت سے ہے۔ یہ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ وہ لوگ جو مادی امور میں کمالات حاصل کر لیتے ہیں اور اپنے معبودِ حقیقی کی پہچان نہیں کر سکتے ایسے لوگوں سے انسانیت کی خلعتِ فاخرہ واپس لے لی جاتی ہے اور اُن کے سروں سے اشرف المخلوقات کا تاج اُتار لیا جاتا ہے۔ وہ خدا کی نیابت کا منصب نہیں سنبھال سکتے اور اُن کو معاشرے کی نگاہوں میں گرا دیا جاتا ہے اُن کی عزت اور حکومت کچھ عرصے کے لئے ہوتی ہے۔ وہ باہر سے چمکتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں مگر اُن کا باطن مکروہ اور بدبودار ہوتا ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جو کہ فیضانِ سماوی سے محروم ہوتے ہیں۔ مگر اللہ کے وفا شعاروں کا

حال اس کے برعکس ہوتا ہے۔

احادیث میں ہے کہ دیوانے اور مجنوں لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بیٹھتے تو عقل کی باتیں کرنے لگتے۔ حضرت وکیعؒ نے اپنی ایک رباعی میں لکھا ہے کہ خدائی علم خدا کی طرف سے ایک نور ہے اور خدا کا نور یعنی علم گناہ گاروں کو عطا نہیں کیا جاتا۔

۸۔ عبادت سے مومن کی حفاظت ہونا۔ قرآن کی آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مومنوں کی حفاظت کے لئے محافظ فرشتے تعینات کئے جاتے ہیں۔ قرآن کی درج ذیل آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر جاندار کی چوٹی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے :۔

مَا مِن دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ (ھود! ۵۶)
کوئی جاندار نہیں جس کی چوٹی اللہ کے ہاتھ میں نہ ہو۔

ہم یہ کبھی سوچ نہیں سکتے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں شیر، سانپ اور موذی جانور کی چوٹی تو ہو اور وہ اُسے اپنے کسی نیک بندے پر پھینک دے۔ یہ زہریلے تیر وہیں پڑ سکیں گے جہاں وہ پھینکنا چاہے گا۔ اُس کے اصول متعین ہیں۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ اُس کے بندے اُس کے احکامات کی طرف دھیان نہیں کرتے تو وہاں چنگیز خان اور ہلاکو خان جیسے لوگوں کو ان پر مسلط کر دیتا ہے۔

ہ کرتی ہے ملوکیت آثارِ جنوں پیدا   اللہ کے نشتر ہیں تیمور ہو یا چنگیز

موسیٰ علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ جب اللہ کے بہت سے تیر مرض، مرگ اور حادثہ وغم کی صورت میں ہر طرف سے چل رہے ہوں تو ہم کہاں پناہ لیں۔ فرمایا تیر انداز کے پہلو میں آجاؤ۔ چنانچہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے پہلو میں چلے آتے ہیں وہ امن اور عافیت میں رہتے ہیں۔ ایمان کو اسی لئے ایمان کہا جاتا ہے کہ وہ انسانوں کو امن میں لے آتا ہے۔

۹۔ عبادت گزاروں کی جہاد میں مدد کرنا۔ قرآن کی بہت سی آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جہادِ سیف اور جہادِ زندگی میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لئے مدد کا وعدہ فرمایا ہے مصائبِ زندگی میں مومنوں کی زندگی کے لئے فرشتوں کی مدد کا ذکر قرآن میں بارہا آیا ہے۔

۱۰۔ اہلِ عبادت کیلئے فرشتوں کا دعا گو رہنا۔ سورۂ المومن آیت ۷ میں اس بات کا ذکر

ہے کہ فرشتے مومنوں کے لئے استغفار کرتے ہیں اور اُن کی بخشش اور رحمت کیلئے دعا گو رہتے ہیں
۱۱۔ عابدوں کا اللہ کے قہر سے محفوظ رہنا۔ سورہ العنکبوت میں آیت ۴ میں فرمانِ باریتعالیٰ ہے کہ "کیا یہ خیال کر رکھا ہے انہوں نے جو بُرے کرتوت کر رہے ہیں کہ وہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے۔ یہ اُن کا بہت ہی خام خیال ہے"۔ ایک جگہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے کہ یہ نافرمان لوگ آلام اور مصائب میں پھنسے ہی رہیں گے جب تک اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم نہ کریں گے سِسکتے، لُٹتے اور مرتے ہی رہیں گے۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا تُصِيبُهُمْ بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةٌ أَوْ تَحُلُّ قَرِيبًا مِّن دَارِهِمْ حَتَّىٰ يَأْتِيَ وَعْدُ اللَّهِ ۚ
(الرعد: ۳۱)

کفار اس حالت میں رہیں گے کہ پہنچتا رہے گا اُن کو اپنی کرتوتوں کی وجہ سے کوئی نہ کوئی صدمہ (کھڑکھڑاہٹ پیدا کرنے والے حادثے) اُترتی رہے گی کوئی نہ کوئی مصیبت ان کے گھروں کے گرد و نواح میں۔ حتیٰ کہ اللہ کا وعدہ (عذاب کے ظہور کا دن) آجائے۔

زلزلہ پیدا کرنے والے حادثات یا تو کافروں (یا بدکاروں) کو ہمیشہ راہِ راست نشانہ بنائیں گے یا خوف پیدا کرنے کے لئے ان کے گھروں کے قریب نازل ہوتے رہیں گے۔
۱۲۔ عبادت گزاروں کیلئے کائنات کا مسخر ہونا۔ غیر مسلم قوموں کو اُن کی محنت ہنر اور فن میں مہارت ہونے کے سبب کسی حد تک کائنات میں تصرف کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ لیکن مومن کے لئے فرمایا گیا ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۚ (الجاثیہ: ۱۳)

اور اس نے مسخر کر دیا ہے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اپنے حکم سے۔

شیخ سعدیؒ نے فرمایا کہ اگر مومن اپنی گردن کو خدا کے حکم سے نہ پھیرے تو مخلوقات میں سے کوئی شے اُس سے روگردانی نہیں کرے گی۔
اپنی نماز کو مطلوبہ معیار پر لائیں۔ نماز کی حقیقت اُسی وقت متصور ہو سکتی ہے جب نماز

کی ادائیگی میں اُس کے باطنی اور ظاہری آداب کا خیال رکھا جائے۔ نماز کی درستی میسر ہو جائے تو یہ بہت بلند مرتبہ عطا کر دیتی ہے۔ اگر نمازی کا کردار اور اخلاق مطلوبہ معیار پر نہیں تو نماز کی اصلاح کرنا ایک ضروری امر بن جاتا ہے۔ نمازی کو چاہیئے کہ وہ اپنے اعمال اور کردار کا امتحان کرتا رہے اور جہاں کہیں کمی رہ گئی ہو اُس کا ازالہ کرے۔ تفصیل کے لئے ہماری تصنیف "روحِ نماز" کا مطالعہ کریں۔

علامہ اقبالؒ اللہ تعالیٰ سے ایسے سجدے کی توفیق مانگتے ہیں جس سے زمین پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور مہر و ماہ کی گردش اُن کی مرضی کے مطابق ہو جائے۔

سجدۂ کز وے زمین لرزیدہ است ۔۔۔ بر مرادش مہر و مہ گردیدہ است

(ایسا سجدہ جس سے زمین لرز جاتی ہے ۔ اور مہر و ماہ کی گردش جس کی مرضی کے مطابق ہو گئی ہے)

سنگ اگر گیرد نشانِ آں سجود ۔۔۔ در ہوا آشفتہ گردد ہمچو دُود

(اگر پتھر پر اُس سجدے کا نشان پڑ جائے ۔ تو وہ ہوا میں دھوئیں کی طرح اُڑنے لگے)

ایں زماں جز سر بزیری ہیچ نیست ۔۔۔ اندر و جز ضعفِ پیری ہیچ نیست

(اس زمانہ میں سجدہ سر جھکانے کے سوا کچھ نہیں رہا ۔ اس میں ضعفِ پیری کے سوا کچھ بھی نہیں رہا)

آں شکوہِ رَبِّی الاعلیٰ کجاست ۔۔۔ ایں گناہِ اوست یا تقصیرِ ماست

(رَبِّی الاعلیٰ کہنے کی وہ شان اب کہاں ہے ۔ یہ اِن جوانوں کا گناہ ہے یا ہماری خطا ہے)

ایک حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک شخص مسجد میں نماز ادا کرتا ہے مگر اُس کی نماز مچھر کے بازو کے برابر نہیں ہوتی اور ایک دوسرا شخص بھی وہی نماز ادا کرتا ہے تو اُس کی نماز اُحد کے پہاڑ کے برابر ہوتی ہے بشرطیکہ وہ پہلے سے زیادہ عقلمند ہو۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ عقلمند وہ ہے جو حرام کاموں سے بچے اور نیک کاموں کا زیادہ آرزومند ہو خواہ عمل اور نوافل میں اُس سے کم ہی کیوں نہ ہو۔ اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کا ادا کرنا انسان کے اسلام کی طرف رغبت، عمل اور عقل پر انحصار کرتی ہے۔ جس شخص کی توجہ صدقِ دل سے اللہ کی طرف راغب ہو جائے اور اُس نے نماز کی صحت کے متعلق علمِ روحانیت بھی کسی سے سیکھا ہو تو اُس کو نماز کی حقیقت میسر ہو جاتی ہے ایسا شخص جب سجدہ کرتا ہے تو خود کو عرشِ اعظم پر تصور کرتا ہے اور اُس کے سجدے سے زمین اور آسمان وجد کرتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔

سجودے دہ کہ از سوز و سرورش
بہ وجد آرم زمین و آسماں را
(مجھے ایسا سجدہ دے کہ جس کے سوز و سرور سے
میں زمین و آسمان کو وجد میں لے آؤں)

چہ پرسی از نمازِ عاشقانہ
رکوعش چوں سجودش محرمانہ
(عاشقوں کی نماز کا کیا پوچھتے ہو
اُس کا رکوع اُس کے سجدے کی طرح محرمِ راز ہے)

تب و تابِ یکے اللہ اکبر
نہ گنجند در نمازِ پنج گانہ
(اُس کے ایک اللہ اکبر کی حرارت ایسی ہے کہ ہماری پنج وقتہ نماز میں بھی نہیں سماسکتی)

نماز میں کوتاہی کیوں ہوتی ہے

جو لوگ خلوصِ دل سے نماز ادا نہیں کرتے یا ان کی نمازیں ریاکاری سے ملوث ہوتی ہیں اُن کے لئے ان کی نماز خود بد دعا کرتی ہے اور کہتی ہے کہ اے نمازی تو نے میرا حق ادا نہیں کیا مسلمان کی نماز میں خدائی جلال اور مصطفائی جمال کی جھلک نہ ہو تو اس کی یہ نماز آدمیت کے مقام سے نا آشنا ہوتی ہے اور نماز کے مقام سے گر جاتی ہے۔ جب کوئی شخص نماز میں کھڑا ہو تو اُسے معلوم ہونا چاہئیے کہ اس کا اپنا مقام کیا ہے اور وہ کس کی بارگاہِ بے نیاز میں حاضری دے رہا ہے۔ ؎

بحرم چوں سجدہ کردم ز زمیں ندا بر آمد
کہ مرا خراب کردی تو بہ سجدۂ ریائی۔
(جب میں نے حرم میں سجدہ کیا تو زمین سے یہ آواز آئی۔ کہ تو نے دکھاوے کے سجدہ سے مجھے خراب کر دیا)

دل ہے مسلماں میرا نہ تیرا
تو بھی نمازی میں بھی نمازی

عجب نہیں کہ خدا تک تری رسائی ہو
تری نگہ سے ہے پوشیدہ آدمی کا مقام

تری نماز میں نہ باقی جلال ہے نہ جمال
تیری اذاں میں نہیں ہے مری سحر کا پیام

خدا نصیب کرے ہند کے اماموں کو
وہ سجدہ جس میں ہے ملت کی زندگی کا پیام

آؤ کہ محبت کا جنوں پیدا کریں

اولیائے کرام کی صحبت میں رہنے سے اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت پیدا ہو جاتی ہے اور نفس امارہ کا غلبہ کم ہو جاتا ہے۔ اُن کی صحبت سے غیر اللہ کی محبت بھی کم ہوتی ہے اور مسلمانوں کا باہمی ربط بڑھ جاتا ہے۔ یہ محبت کتابوں میں نہیں بلکہ اولیائے کرام کی نگاہوں سے ملتی ہے۔ اگر یہ محبت نہ ہو تو نمازیں بے ذوق اور مسلمانوں کے دل ٹیڑھے ہو جاتے ہیں اور اگر دل ٹیڑھے

ہو جائیں تو صفیں بھی ٹیڑھی ہو جاتی ہیں اور آپس کے معاملات بھی ٹیڑھے ہو جاتے ہیں ۔

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے — مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج، دل پریشاں، سجدہ بے ذوق — کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے

انسان کا معیارِ زندگی نماز کی کسوٹی ہے۔ اگر زندگی اسلامی روش پر گامزن ہے تو نماز بھی درست ہوگی۔ جو شخص اللہ کے سامنے اپنے سر کو جھکا دیتا ہے تو پھر اسے کسی دوسرے (امیر، وزیر، کسر) کے در پر جھکنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ ذکر اذکار اور بزرگوں کی صحبت سے دل میں سوز پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر ایسا مسلمان جس کو سوزِ دروں حاصل ہو جائے کسی کے سامنے اپنی جبینِ نیاز نہیں جھکاتا۔ ۔

وہی سجدہ ہے لائقِ اہتمام — کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام
دل سوز سے خالی ہے نگہ پاک نہیں ہے — پھر اس میں عجب کیا کہ تو بیباک نہیں ہے
ہے ذوقِ تجلی بھی اسی خاک میں پنہاں — غافل تو نرا صاحبِ ادراک نہیں ہے

روح اور جسم میں ہم آہنگی کی ضرورت ہے

انسان کا جسم اس کی روح کے تابع ہوتا ہے اگر روح میں بالیدگی اور پاکیزگی ہو تو بدن کے اعمال میں شائستگی پیدا ہوگی جو اسے قرآن کی زبان کے مطابق حیاتِ طیبہ عطا کرے گی اور اسے اتباعِ سنت پر آمادہ کرے گی۔ یاد رکھیں کہ عبادت اور ذکرِ الٰہی سے روح کو غذا ملتی ہے اور کسی کی روح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر چلنے کے بعد ہی اس دنیا میں تعارف حاصل کرتی ہے۔ اس کے بغیر روح اور بدن مٹی کے انبار سے کچھ زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ ایسی سرگرمِ عمل روح کو ہی زندہ روح کہا جا سکتا ہے ورنہ جو روح دنیاوی عیش و عشرت میں الجھ کر رہ جائے اسے اسلامی اصطلاح میں مردہ روح تصور کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کے دل بیدار تھے اور جن لوگوں کو ایسے دل میسر نہیں وہ قلب و نظر کی رسوائی میں مبتلا ہیں۔ افسوس کہ کفار کی مسلسل کوششوں نے مسلمانوں سے وہ سجدے چھین لئے اور انہیں عیش و عشرت کا دلدادہ بنا دیا۔ ۔

ترا تن روح سے ناآشنا ہے — عجب کیا آہ تیری نارسا ہے
تنِ بے روح سے بیزار ہے حق — خدائے زندہ زندوں کا خدا ہے

تیرا امام بے حضور تیری نماز بے سرور — ایسی نماز سے گزر ایسے امام سے گزر

نگاہِ شوق میسر نہیں اگر تجھ کو — ترا وجود ہے قلب و نظر کی رسوائی

وہ نشانِ سجدہ جو روشن تھا کوکب کی طرح — ہو گئی ہے اس سے اب ناآشنا تیری جبین

سطوتِ توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی — وہ نمازیں ہند میں نذرِ برہمن ہو گئیں

پہلے زمانے کے مسلمان جنہوں نے اپنے اسلاف سے سینہ بہ سینہ تربیت حاصل کی اور نمازوں کو صحیح ادا کرنے کا طریقہ سیکھا وہ جب تکبیرِ تحریمہ کہتے تو اس دنیا کی اس طرح نفی کر دیتے کہ پورے عالم سے چشم زدن میں لاتعلق ہو جاتے جیسے کسی بسمل کی جان بلا تاخیر بدن سے نکل جاتی ہے وہ راتوں کو آہ و زاری کرتے اور پوری رات ایک ہی حالت میں گزار دیتے۔ یہ تمام چیزیں بلا طلب اور بلا کسب کس طرح حاصل ہو سکتی ہیں۔ اگر ہمارے دلوں میں اس کے سیکھنے کا جذبہ اور ذوق پیدا ہو جائے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ذرا سی محنت اور کوشش سے اُن بزرگوں کا روپ ہم میں بھی پیدا نہ ہو جائے۔

او چوں با تکبیر ہا مقروں شدند — ہمچو بسمل از جہاں بیروں شدند

(وہ تکبیر کے ساتھ دنیا سے اس طرح لاتعلق ہو جاتے ہیں جس طرح بسمل اس جہاں سے رخصت ہوتا ہے)

نماز در خمِ ابروانِ محرابی — کسے کند کہ بخون جگر طہارت کرد

(ان محرابی ابروؤں کے پیچ میں نماز صرف وہی ادا کر سکتا ہے جو خونِ جگر سے طہارت کرتا ہو)

بخدا خبر ندارم چو نماز می گزارم — کہ تمام شد رکوعے کہ امام شد فلانے

(بخدا مجھے خبر نہیں کہ نماز کیسے پڑھتا ہوں رکوع کیسے ختم ہوا اور امام کون تھا)

علامہ اقبال فرماتے ہیں ایسی بلند پرواز روحانیت اور صحیح عبادات کا حاصل ہونا انہیں لوگوں سے ممکن ہے جو ان عبادات کے اسرار کے محرم ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے چن لیا ہے۔ ہم ان کی صحبت کے بغیر ایسی کیفیات سے بے بہرہ اور محروم رہ جاتے ہیں کاش ہم اپنے دلوں میں ایسی سعادت کو حاصل کرنے کا ذوق پیدا کریں۔

رازہائے آں قیام و آں سجود — جز بہ بزمِ محرماں نتواں کشود

(اس قیام اور سجود کے پنہاں راز — ان محرمِ راز بزرگوں کی صحبت کے بغیر نہیں کھلتے)

مردِ آزادے چو آید در سجود — در طوافش گردد ایں چرخِ کبود

(ایسا آزاد بندہ جب سجدے میں گر جاتا ہے — تو یہ نیلا آسمان اس کا طواف کرتا ہے)

ما غلاماں از جلالش بے خبر　　از جمالِ لازوالش بے خبر

(ہم غلام تو اُس کے جلال سے بے خبر ہیں　　اُسکے ہمیشہ رہنے والے جمال سے بھی بے خبر ہیں)

علامہؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی یہ محرومی صرف ہمارے ملکوں میں نہیں بلکہ مسلمان جہاں کہیں بھی ہیں اُن کی اکثریت دنیا کی چاہت میں گرفتار ہے آپ اِس بات پر تنبیہہ کرتے ہیں کہ عبادات کا حجاب اُس وقت تک نہیں اُٹھ سکتا جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کامل محبت، عشق اور حضور حاصل نہ ہو جائے (اور یہ سب کچھ اولیا کی صحبت کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے)

وہ سجدہ، روحِ زمین جس سے کانپ جاتی تھی　　اُسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

سُنی نہ مصر و فلسطین میں وہ اذاں میں نے　　دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشۂ سیماب

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود　　ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام　　میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

تیری نگہ ناز سے دونوں مراد پا گئے　　عقل، غیاب و جستجو! عشق، حضور و اضطراب

ہر کس کہ در نماز نہ بیند جمالِ دوست　　فتویٰ ہمیں دہم کہ نمازش قضا کند

(ہر وہ شخص جو اپنے دوست کا جمال نماز میں نہیں دیکھتا، تو اُسکے لئے میں یہ فتویٰ دیتا ہوں کہ وہ ایسی نماز کو دوبارہ پڑھے)

پابندیٔ نماز کی راہ میں رکاوٹیں

نشانِ منزل وہ کتاب ہے جو وصلِ الٰہی کی منزل کا تعین کرتی ہے اِس منزل کی راہ میں بہت سے مشکل مقامات آتے ہیں اگر ان مقامات کو کسی راہبر کی راہنمائی سے طے کیا جائے تو یہ آسانی سے عبور ہو جاتے ہیں۔ یہاں پر جاپان کے ایک ناول کی کہانی یاد آتی ہے جس میں ایک شخص کو کسی مملکت کی ملکہ کو حاصل کرنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ آسکی راہ میں فلاں فلاں آبادیاں آتی ہیں اور اِس سے آگے دشوار گذار صحرا اور کوہستان وغیرہ سے بھی گذرنا ہوتا ہے۔ اِن مقامات کو عبور کرنے کے بعد نہایت خوبصورت اور دلکش مناظر آتے ہیں جنکی رنگینی اور دلکشی انسان کے دل کو موہ

لیتی ہے اور دل کش مناظر انسان کو آگے بڑھنے سے روک لیتے ہیں۔ اس کہانی کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص راستے کی سختیوں اور عیش و طرب کے مقامات سے متاثر نہ ہوتے ہوئے اپنے سفر کو جاری رکھتا ہے تو بالآخر وہ ملکۂ حسن کو ضرور حاصل کر لیتا ہے اور حقیقتاً اِس ملکۂ حُسن سے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پُر صفات مراد لی گئی ہے جسکا وصل حاصل کرنے کیلئے اِس دنیا کی مشکلات حائل ہوتی ہیں۔ کبھی انسان نعمتوں اور لذائذ میں کھو کر اللہ کو بھول جاتا ہے۔

وصلِ الٰہی کو حاصل کرنے کیلئے جن راہوں سے سالکین کو گذرنا ہوتا ہے اُن راہوں پر اللہ کے حکم سے ابلیس لعین اور اُسکی فوج کے سپاہیوں کو (روکنے والے گارڈ کی طرح) متعین کیا گیا ہے تاکہ عام لوگوں کو اللہ کی پاک بارگاہ میں پہنچنے سے روک دے۔ راقم الحروف کے نزدیک اِس راہ میں قدم قدم پر رکاوٹ کا انتظام اِس لئے کیا گیا ہے کہ کوئی نا اہل شخص اُس عظیم بادشاہ کے دربار میں گھسنے کی جسارت نہ کرے اور اِس بات کا ثبوت یہ ہے کہ جن لوگوں کے پاس ان مقامات سے گزرنے کی راہداری موجود ہوتی ہے انہیں یہ تفتیش کرنے والے گارڈ قطعاً منع نہیں کرتے بلکہ انہیں سلامی (گارڈ آف آنر) پیش کرتے ہیں۔ وہ رکاوٹیں حسبِ ذیل ہیں جنکی تفصیل بھی الگ الگ پیش کی جاتی ہے۔

۱۔ علمِ نافع سے محروم رکھنا (علم سے مراد اس راہ کے علوم کو حاصل کرنا ہے)
۲۔ ذوقِ عمل کو التواء میں ڈالنا (علم بغیر عمل بے معنی ہے)
۳۔ تکبر کی ہلاکت میں گرفتار کرنا (علماء و باعمل کو تباہ کرنے کا ہتھیار)
۴۔ کبر یا شرکِ خفی میں الجھانا (ہر عمل اور تعدیر کو منجانب اللہ سمجھنا اور شرکِ خفی میں پھانسنا)

تخلیقِ آدمؑ کے بیان میں اس بات کا ذکر ہو چکا ہے کہ شیطان ایک سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے مردود ہوا اور جنت سے نکالا گیا اور اب چونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے قیامت تک لوگوں کو گمراہ کرنے کی اجازت حاصل کر چکا ہے اسلئے وہ نہیں چاہتا کہ کوئی اللہ تعالیٰ کے آگے سجدہ کر کے اُسکی رضامندی حاصل کر لے۔ جب سے وہ دنیا میں آیا ہے اس بات پر سر دھڑ کی بازی لگا رہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ثابت کر دے کہ اُس کا یہ موقف درست تھا کہ تیرے بندے دنیا میں خلیفہ بننے کے اہل نہیں لہٰذا جنت کے بھی حقدار نہیں۔ ابلیس نے اللہ کی راہ سے روکنے

کیلئے چار رکاوٹیں (HURDLES) بندوں اور خدا کے درمیان مضبوطی سے حائل کر دیں ہیں تاکہ ہر مرحلے پر لوگوں کیلئے یہ راہ مسدود کر دی جائے چنانچہ پہلی رکاوٹ میں تو تقریباً ۹۰ فیصد آدمی رہ جاتے ہیں اور جو آگے چلتے ہیں وہ دوسرے یا تیسرے حتیٰ کہ آخری مرحلے تک رکاوٹوں کا سامنا کرتے ہیں۔ ان میں سے خال خال ہی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو چاروں مرحلوں سے گزر کر داصل باللہ ہونے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اب ان مراحل کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ علمِ نافع سے محروم رکھنا

جیسے امام غزالیؒ نے فرمایا "علم ایک کیفیت پیدا کرتا ہے اور عمل اس کیفیت سے ہی صادر ہوتے ہیں"۔ چنانچہ ابلیس کی پہلی رکاوٹ یہی ہے کہ مسلمان کو (بلکہ کافروں کو بھی) دینِ اسلام کی خوبیوں سے متعلق علم حاصل کرنے کی راہ میں رکاوٹ ڈالے۔ اگر دین کا علم ہی نہ ہوگا تو سالک کو دین کا شوق بھی پیدا نہ ہوگا۔ راقم الحروف کو اس بات پر یقینِ کامل ہے کہ اگر عوام پر اسلام کی خوبیوں کو صحیح انداز میں بیان کیا جائے تو ازلی بدبخت کے سوا ہر شخص کے دل میں بے چینی سے دین پر چلنے کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ ہماری تصنیف "روحِ نماز" میں شامل کردہ نماز کے فضائل کا مطالعہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ صرف نماز میں ہی اللہ تعالیٰ نے کس قدر رحمتیں، انعامات اور کمالات عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ان خوبیوں کی طرف رغبت نہ رکھنے والا تو کوئی فاسق، فاجر، مجنون یا ازلی بدبخت ہی ہو سکتا ہے۔ ابلیس کے پاس مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی ان تمام خوبیوں سے محروم کرنے کا طریقہ بس یہی تھا کہ اُس کو نماز سے اور دینی برکات و فیوض سے مکمل طور پر بے بہرہ رکھا جائے چنانچہ آپ جانتے ہیں کہ ہماری ایک بہت بڑی تعداد کو نماز کے مذکورہ کمالات سے مکمل طور پر لاعلمی ہے۔ وہ نماز کے چیدہ چیدہ مسائل اور فضائل سے بھی آگاہ نہیں۔ اِس اکثریت کو نماز کے فرائض و واجبات، سنن اور مستحبات سے متعلق معلومات حاصل کرنے کیلئے مکمل طور پر لاتعلقی ہے۔ بڑے بڑے تعلیم یافتہ لوگوں کو فرض اور واجب میں فرق کا علم نہیں (راقم الحروف کو یاد ہے کہ اس نے یہی سوال ایک اسامی کی بھرتی کیلئے ایک امیدوار سے پوچھا تو بورڈ کے چیئرمین (ڈائریکٹر جنرل) نے کہا کہ خان صاحب اتنے مشکل سوالات نہ پوچھیں اس سوال کا جواب تو میں بھی نہیں دے سکتا) اس کیفیت حال میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ پوری قوم کا بہت بڑا حصہ (تقریباً نوے فیصد) دینی علم سے

نابلد ہے اور جہالت کی تاریکیوں میں زندگی گزار رہا ہے۔

دینی علوم کے فقدان کا تدارک اسطرح ہو سکتا ہے کہ ہر مسلمان اُس علم کو حاصل کرے جسکے متعلق رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے " طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَۃٍ " (دین کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت کیلئے فرض ہے) وہ علم جو فرض کر دیا گیا ہے اُس کی تفصیل ہماری تصنیف "سرمایہ ملت" باب "مسلمان کا علمی نصاب" میں مکمل تفصیل و وضاحت کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے تاکہ عام مسلمان کو اس کے حاصل کرنے میں دقت نہ ہو اور سستے داموں ہر ایک کو دستیاب ہو سکے۔ اس کتاب کی قیمت اُس کی لاگت سے بھی کم رکھی گئی ہے۔ سرمایہ ملت میں کچھ علمی نوعیت کی فصلیں بھی شامل کر دی گئی ہیں جن کا جاننا ضروری خیال کیا گیا ہے اور مذکورہ دونوں کتابوں میں مطلوبہ معیار سے زیادہ معلومات شامل کر دی گئی ہیں تاکہ کتاب میں کسی جانب سے کوئی کمی واقع نہ ہو سکے۔ ان کتابوں کے تمام مضامین سخت جانفشانی کے ساتھ نہایت آسان انداز میں پیش کئے گئے ہیں کہ جس کے پڑھنے سے مسلمانوں کے ایمان کا ٹمٹماتا ہوا چراغ پوری آب و تاب سے چمکنا شروع کر دے اور امت مسلمہ کے سوتے ہوئے لوگ پھر سے جاگ اٹھیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے مکمل استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

اِس علم کو حاصل کرنے کا ایک اور مشورہ بھی تحریر کیا جا رہا ہے وہ یہ کہ ہر مسلمان دینی کتب کا مطالعہ جاری رکھے، نیکوں کی صحبت میں اپنے فارغ اوقات کو صرف کرے اور کسی شیخِ کامل کی بیعت کے ذریعے دینی علوم میں اضافہ کرتا چلا جائے کیونکہ مشائخ سے فیض حاصل کرنا تمام اکابرِ اسلام کا دستور تھا۔ اولیائے کرام کی صحبت میں رہ کر سالوں کی راہ دنوں میں طے ہو جاتی ہے۔ عصرِ حاضر کی کچھ جماعتیں مشائخ سے فیض کے حصول کو غیر اسلامی قرار دے رہی ہیں اس لئے مشائخ کی جماعت کی افادیت ظاہر کرنے کیلئے راقم الحروف نے ایک کتاب "اسلام اور روحانیت" کے نام سے تصنیف کی ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے عوام پر یہ بات واضح ہو جائیگی کہ اولیاءِ کرام کی جماعت سے انحراف ہی دین سے انحراف ہے اور یہ دین سے دوری ہی مسلمانوں کی موجودہ تباہی کا باعث ہے۔

۲۔ ذوقِ عمل کا التوا کسی کی ذاتی کوشش سے یا مبلغینِ اسلام کی وساطت سے اگر کسی کو دین کے ضروری علوم سے روشناسی ہو جائے تو ابلیس کا پہلا حربہ ختم ہو

جاتا ہے اور اس کے بعد ابلیس دوسرے حربے پر یعنی عمل کے خلاف مورچہ بندی کرتا ہے اور انسان کو عمل کی طرف رغبت کرنے سے روکتا ہے۔ ابلیس اپنی تمام تر طاقت ہر ایک محاذ پر صرف کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ علم ایک کیفیت پیدا کرتا ہے جس سے عمل کے صادر ہونے کا زیادہ امکان ہوتا ہے لہذا وہ چاہتا ہے کہ اس کیفیت کو ایک یا دو دن کیلئے سرد خانے میں ڈال دیا جائے تو عمل تک پہنچنے کی نوبت نہیں آئیگی اور اس کے بعد اس کیفیت کا معمولی اثر رہ جاتا ہے جو احوالِ زمانہ یا حوادث کے اثر سے خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ قارئین نے محسوس کیا ہوگا کہ جب کوئی نیک عمل کرنے کا خیال آئے تو شیطان اُس کام کو التوا میں ڈالنے کے بہانے پیش کرتا ہے مثلاً یار آج چونکہ کپڑے ٹھیک نہیں لہذا نماز کل سے ضرور شروع کر دیں گے یا فلاں کام درست ہو جائے تو پھر باقاعدہ نماز شروع کر دوں گا۔ کسی کو کہتا ہے کہ تیری ترقی ہو جائے یا مکان بن جائے یا شادی ہو جائے تو پھر باقاعدہ نماز شروع کر دیں گے۔ یہ تمام بہانے نماز کے مسئلے کو التوا میں ڈالنے اور کیفیتِ عمل کو سرد کرنے کیلئے ہیں۔

عمل مسلمان کے کردار کیلئے بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ عمل نہیں تو کچھ بھی نہیں بلکہ مسلمان عمل کے بغیر کفر کی حدود کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ عمل کی اس اہمیت کے پیشِ نظر اسی باب میں ایک مفصل فصل عمل کی شان کو واضح کرنے کیلئے شامل کی جا چکی ہے۔ عمل سے ہی زندگی بنتی ہے جنت بھی، جہنم بھی عمل سے ہی متعلق ہے۔ کتابوں سے عمل سیکھنا محال ہے البتہ کسی مردِ کامل کے پاس بیٹھو گے تو وہ عمل کی طرف تمہارے دل میں رغبت پیدا کر دیگا۔ ایسے ہی مردوں کی صحبت اکسیر کا کام دیتی ہے۔

درکنز وہدایہ نتواں یافت خدارا ۔۔۔۔ درصفحۂ دل بیں کہ کتابے بازیں نیست

(کنز وہدایہ جیسی کتابوں سے خدا کو تو حاصل نہ کر سکے گا، صفحۂ دل کی طرف دیکھ کیونکہ اس سے عظیم کوئی کتاب نہیں ہے)

صفحۂ دل کا سبق مشائخ عظام کے علاوہ کسی مدرسے یا کتاب سے نہیں مل سکتا۔

مشائخ اپنی نظرِ کیمیا سے دل کی کیفیت ہی کو بدل دیتے ہیں جسکی وجہ سے عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے بشرطیکہ آپکا دل رجوع کرے۔ اگر یہ رجوع ہو تا تو مشائخ تمام دنیا کے لوگوں کے دلوں کو بدلنے میں کامیاب ہو جاتے۔ دل کے بدلنے کیلئے اہم بات کیا ہے وہ ہماری کتاب "اسلام اور روحانیت" میں ملاحظہ فرمائیں۔

۴۔ تکبر کی ہلاکت میں گرفتار کرنا

حٰمٓ سجدہ کی آیت ۳۰ میں ہے اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا بے شک وہ (سعادتمند) جنہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ اس قول پر پختگی سے قائم رہے تو اُن پر فرشتے اترتے ہیں (اور انہیں کہتے ہیں) کہ تم نہ ڈرو اور نہ غم کرو) ایسے لوگوں کا اللہ تعالیٰ دوست بن جاتا ہے۔ جب کوئی خدا کو خدا مان کر اُس پر ڈٹ جائے تو یہ اُسی وقت ممکن ہو گا کہ کوئی علم حاصل کرے اور ساتھ ہی اُس پر عمل بھی شروع کرے۔ ایسی روحانی کیفیت کے چند ماہ کے گذرنے پر ہی ایسا باعمل مسلمان صاحب کرامت بن جاتا ہے۔ ایسے صاحبِ کرامت کی علامت یہ ہوتی ہے کہ اگر کوئی بیمار ہو تو اُسکے دم کرنے سے شفا حاصل ہو جائے، دعا کرے تو زیادہ سے زیادہ قبولیت ہو، ہر کام میں اللہ کی مدد شاملِ حال ہو جائے۔ گویا وہ اپنے ہر کام میں اپنی کرامات کو ملاحظہ کرتا ہے۔ ایسی حالت میں ابلیس بھی کرامات کو دیکھتا ہے چنانچہ اس مقام پر بھی وہ حاضر ہو کر گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ماشاء اللہ! اب تو تم بہت بڑے ولی اللہ ہو گئے ہو! اب تم اِس مقام پر پہنچ گئے ہو کہ تمہارے لئے نماز بھی اُٹھ گئی ہے۔ تم سے بڑا تو دُور دُور تک کوئی بزرگ نہیں ہے اب بیشک تم نماز چھوڑ دو۔

اس حالت میں اگر کوئی شخص پھنس جائے تو وہ یا تو تکبر کی وجہ سے مارا جاتا ہے یا پھر گمراہ ہو کر تارکِ دین اور تارکِ شریعت ہو جاتا ہے (ابلیس نے لاکھوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا بلکہ کئی زاہدوں نے تو پیغمبری کا دعویٰ بھی ابلیس کے اکسانے پر کر دیا۔)

تکبر کا علاج یہ ہے کہ ایسے ولی اللہ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اُسکی نماز اور روزہ میں اُسکا اپنا تو کچھ کمال نہیں۔ یہ تو محض اللہ کا کرم ہوتا ہے کہ کوئی نماز روزے کا پابند ہو جائے۔ ایسے شخص کو سوچنا چاہیئے کہ اگر عمل اللہ کی طرف سے عطا ہے تو پھر تکبر کیسا؟ ایسے صوفی یا ولی کو چاہیئے کہ اپنی مشکلات پر نظر ڈالے اور یہ سوچے اگر میں کچھ ہوتا تو ہر مشکل میری مرضی کے مطابق آسان ہو جاتی مگر ایسا نہیں ہوتا۔ باقی رہا نماز کا ترک تو اسے یہ سوچنا چاہیئے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون افضل اور کامل ہو سکتا ہے اور جب نماز آپکو بھی معاف نہ ہوئی تو میں کون ہوں جسے نماز معاف ہو جائے (پہلے بھی بیان کیا گیا ہے کہ شیخ عبدالقادر

جیلانیؒ کی ۴۰ سال عبادت کے بعد ایک روز ان کے دل نے چاہا کہ مجھے اگر غیب سے ایک کوزہ ٹھنڈے پانی کا مل جائے تو میں سمجھونگا کہ مجھے خاص مقام میسر ہوگیا ہے، چنانچہ دیکھا کہ بادل آئے ٹھنڈی ہوا چلی اور کوزہ بھی حاضر کر دیا گیا۔ اتنے میں آواز آئی کہ " اے شیخ ہم تمہاری عبادت سے بہت خوش ہوئے ہیں اس لئے آج کے بعد تمہیں عبادت معاف کی جارہی ہے "۔ آپ نے لاحول پڑھا اور فرمایا" اِدْفَعْ یَا لَعِیْن " اے لعنتی دور ہو جا۔ ابلیس نے کہا کہ " اے شیخ تم اپنے علم کی وجہ سے بچ گئے ہو ورنہ میں نے اس مقام پر بے شمار ولیوں کو گمراہ کیا ہے "۔ آپ نے فرمایا کہ اے لعین میرے علم نے نہیں بلکہ مجھے اللہ کے فضل نے بچا لیا ہے "۔

پیغمبری کا دعویٰ بھی شیطان اُس وقت کرواتا ہے جب کسی عابد اور زاہد شخص کے سر پر کسی کامل راہبر اور راہنما کا سایہ نہ ہو۔ حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ جب تک کسی سالک کی شیخ سے بیعت نہ ہو تو اُس کا دین خطرے میں رہتا ہے اور کسی وقت بھی شیطان گمراہ کر سکتا ہے خواجہ معین الدین چشتیؒ کا قول " من کان لا شیخ لہٗ فان الشیطان شیخہٗ یعنی جس کا کوئی پیر نہیں اسکا شیطان پیر ہوتا ہے " امداد السلوک میں بھی تحریر کیا گیا ہے۔

درج بالا بیان سے واضح ہوا کہ تکبر کا پیدا ہونا ہر عاملِ باعمل کیلئے اسکی کاملات کے تئیں لازمی بات ہوتی ہے اور اس سے بچنا اُسی وقت ممکن ہے کہ سالک کو ان باتوں سے آگہی ہو اور اس کے علاوہ اسکی راہنمائی کیلئے کوئی شیخ اُسکی پشت پناہی کیلئے موجود ہو ورنہ گمراہی کا خطرہ موجود رہتا ہے۔

۴۔ کبر یا شرکِ خفی میں الجھانا

شرک کے متعلق یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو خدا یا معبود تسلیم کرنا شرکِ جلی ہے اور وہ عمل جس کی تکمیل میں خدا کے علاوہ کسی اور ہستی کو بھی خدا کی طرح کارفرما سمجھ لیا جائے تو یہ شرکِ خفی کہلاتا ہے مثلاً یہ کہہ دینا کہ اگر فلاں میری مدد نہ کرتا تو میرا فلاں کام کبھی درست نہ ہوتا یا یہ کہنا کہ فلاں ٹیکے نے میری زندگی بچالی۔ ان مثالوں میں گو تصورِ عبادت نہیں لیکن خدا کے علاوہ کسی چیز اور ہستی کو کسی کام کا فاعلِ جزوی بھی ماننا شرکِ خفی ہے اصل طریقہ یہ ہے کہ یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں شخص کی وجہ سے میری مدد کی یا خدا نے فلاں ٹیکے میں میرے لئے شفا کو ظاہر کیا۔ روپے، پیسے، سونے، چاندی

کی محبت کا شرکِ خفی ہونا قرآن میں مذکور ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔
رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّ اجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ؕ سورہ ابراہیم آیت ۳۵
(الٰہی اِس شہر کو امن والا کر دے اور مجھے اور میرے بچوں کو بچا لے (اس بات سے) کہ ہم بتوں کی پوجا کرنے لگیں) کون نہیں جانتا کہ پیغمبر اور اُس کے بچوں کا بت پرستی کرنا محال ہے مگر یہاں بت پرستی سے یہی سونے چاندی کی پوجا کرنا مراد ہے اور اِسی شرک سے پناہ مانگی جا رہی ہے۔

درجِ بالا کلام کا مقصود یہ ہے کہ انسان جب علم اور عمل پر دسترس حاصل کر لے اور تکبر سے بھی بچ نکلے تو پھر ابلیس یہ چاہتا ہے کہ وہ شرکِ خفی میں دانستہ یا نادانستہ طور پر گرفتار رہے اور اس طرح سالک وصل کی آخری منزل پر نہ پہنچ سکے۔ شرکِ خفی سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر کوئی چیز مانگو تو اللہ سے امید رکھو اگرچہ اُس کا ملنا کسی ولی اللہ کی دعا سے ہی کیوں نہ ہو۔ اس حالت میں ولی اللہ کو اس عطا کا بہانہ تصور کرو۔ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو ولی اللہ بھی دعا نہ کرتا بلکہ تمہارا ولی کی طرف رجوع کرنا بھی عمل میں نہ آتا۔ لوگوں سے مدد لینا، ولیوں سے دعا کروانا ہرگز شرک نہیں۔ جب اور جس کام میں اللہ تعالیٰ کو کسی معاملہ میں شامل کیا جائے تو ایسی بات شرک میں شامل نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی کہے "یا شیخ عبد القادر جیلانی خدا کیلئے مدد کریں" تو اس کلمے میں خدا کے نام کی شمولیت کو نظر انداز کرنا مناسب نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے امتی کو بلقیس کا تخت لانے کیلئے کہا گیا تو جب وہ تخت حاضر کر دیا گیا تو فرمایا هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ یعنی یہ میرے اللہ کے فضل سے ہوا ہے لہٰذا ایسی امداد شرکِ خفی میں شامل نہیں کی جا سکتی جس میں اللہ کو شریک کیا گیا ہو۔

یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ جب شرکِ خفی بھی ذہن و عمل سے نکل جائے تو بندہ مومن واصل باللہ ہو جاتا ہے اور اُس وقت بندے اور خدا کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں رہتی۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اگر مرید پر بقا و فنا اور الہام و فراست کا راستہ کھل جائے تو مرید اپنے شیخ کے خلاف اپنے الہام پر عمل کر سکتا ہے کیونکہ مرید اب مقامِ تقلید سے آگے نکل چکا ہے۔ اس کلام سے آپکی مراد اسی مقامِ وصل کے حاصل ہونے سے ہے۔

حاصلِ کلام | درجِ بالا چار طاغوتی طاقتوں کو معلوم کرنے اور ذہن نشین کرنے کے بعد اپنے

عمل کی بنیاد ان چاروں شیطانی رکاوٹوں کے انسداد پر مرتکز کردیں یعنی علم حاصل کریں، عمل فوراً شروع کردیں کیونکہ اس میں ذراسی تاخیر کرنا بھی مہلک ثابت ہوسکتی ہے اور اس کے ساتھ ہی تکبر اور شرکِ خفی سے بچیں۔ یہ تمام باتیں کسی کامل شیخ کی مدد سے جلد اور بآسانی حاصل ہو جاتی ہیں۔

نماز جاری کرنے کے لئے نہایت ضروری نکات

راقم الحروف کو چار نکات بذریعہ القاء واضح کئے گئے کہ جو ان نکات کو ذہن میں رکھے وہ نماز کی پابندی آسانی سے حاصل کرسکے گا۔ اس طریقے کو اپنایا گیا اور اب تک ان کی مدد سے بے شمار لوگ آسانی سے پابندیٔ نماز کی سعادت حاصل کرچکے ہیں۔ یہ تمام کتاب صرف ان نکات کی وضاحت کرنے کیلئے تحریر کی گئی ہے۔ اور اس کتاب کی اشاعت کے ذریعے ان نکات کو عام کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے تاکہ جوق در جوق مسلمان اس سے مستفید ہوسکیں۔ کاش حکومت اگر راقم الحروف کی معمولی سی مدد کا وعدہ کرے تو چند سالوں میں پچاس فیصد پاکستانی آسانی سے نماز روزہ کے پابند ہوسکتے ہیں۔ ان دروس کے اہتمام کیلئے ایک شہر میں ایک ہال اور چند ایک ملازمین کی ضرورت ہے۔ خدا کرے کسی حاکمِ وقت کو اس نظام کے جاری کرنے کی سعادت حاصل ہوجائے۔

طریقہ کار یوں ہوگا کہ کسی بڑے شہر کی ایک عمارت میں ایک ہزار کے لگ بھگ افرادِ ملت کو بذریعہ اخباری اعلان جمع کیا جائیگا اور ایک ہفتے کیلئے روزانہ پون گھنٹے کا درس ہوگا۔ کورس میں شامل ہونے والوں کے ناموں کا پہلے سے ہی اندراج کیا جائیگا۔ سر دست محدود لوگوں میں یہ دروس جدید اور سائنٹیفک علوم پر مبنی نہایت دلچسپ انداز میں دیئے جاتے ہیں جس سے سننے والوں کے قلوب حیرت انگیز طور پر اثر قبول کرلیتے ہیں اور رشد و ہدایت کی راہ پر چلنے کیلئے بے قرار ہوجاتے ہیں کیونکہ اس سے پہلے اسلام کو اس انداز سے ان پر بیان ہی نہیں کیا گیا۔ یہ سلسلہ پاکستان کے دیگر شہروں میں بھی رائج کیا جاسکتا ہے نیز ٹی وی پر بھی ان درسوں سے ملتا جلتا سلسلہ شروع کیا جاسکتا ہے۔ ان درسوں میں اس کتاب میں شامل کردہ بنیادی علوم کو

شامل کیا جاتا ہے۔ ان بنیادی علوم کو بیان کرنے کے بعد حسب ذیل چار نکات نماز کو جاری کرنے کیلئے بیان کئے جاتے ہیں اگر حکومت اس کام کی سرپرستی کرے تو نتائج حیران کن ثابت ہو سکتے ہیں اس کورس کے سننے والوں کو یہ کتاب بھی مفت دی جا سکتی ہے۔

اب آپ نماز کو جاری کرنیوالے چار نکات کی تفصیل ملاحظہ کریں جسکی مدد سے انشاء اللہ ایک بے نمازی باقاعدگی سے نماز ادا کرنے لگے گا۔

۱۔ نماز کی اہمیت کو سمجھنا

ہماری تصنیف "روح نماز" کا مطالعہ کیا جائے تو نماز کی اہمیت کا بخوبی علم ہو سکتا ہے۔ اس مطالعہ کے بعد معلوم ہوگا کہ ایک بندے کیلئے نماز سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں اور اس سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں۔ اگر کسی کے عمل میں نماز نہیں تو اُسکا نہ تو دین ہی سلامت ہے اور نہ ہی دین میں کوئی حصہ ہے۔ بے نمازی کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ احادیث کی رُو سے خدا اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے سخت ناراض ہوتے ہیں اور خدانخواستہ اگر ایسی حالت میں اُسکی موت آجائے تو قبر میں جاتے ہی عذاب شروع ہو جائیگا اور قیامت کے دن اسکے ساتھ اللہ تعالیٰ نہایت سختی سے پیش آئیں گے۔ بے نمازیوں کی زندگیوں میں بھی نیک لوگوں کی علامت اُن کے چہروں سے ہٹالی جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کو عمر بھر بیماریاں اور مصائب گھیرے رہتے ہیں۔ ذرا غور سے دیکھیں تو بے نمازیوں اور معاشرتی گنہگاروں کے چہروں پر لعنت برستی نظر آئیگی، اُنکی آنکھوں میں اُنکے گناہوں کی ظلمتیں صاف نظر آئیں گی۔ اُن کی جانوں اور مالوں کی حفاظت اللہ کی طرف سے ہر وقت رہنے والے اور متعین کردہ فرشتوں کے ذریعے نہیں کی جاتی۔ اُنکو آخرت میں خدا کا دیدار نہیں ہوگا بلکہ سخت رسوا کرکے جہنم میں دھکیل دیا جائیگا۔ یہ تمام باتیں اور خدا کی ناراضگی صرف چند منٹوں کی نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے ہر بے نمازی کو درپیش آئینگی۔ اس رسوائی میں پھنسنے کی بجائے کیا یہ بہتر نہیں کہ آج ہی اس دنیا میں توبہ کر لی جائے اور نماز ادا کرنے کے ساتھ خدا کو راضی کر لیا جائے۔ غور کا مقام ہے کہ (آدھ گھنٹہ کی) نمازوں کو ترک کرنے پر خدا کی ناراضگی کو کیوں مول لیا جاتا ہے؟

نماز کی خوبیوں اور فضائل کو جاننا نہایت ضروری امر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی بہت تاکید فرمائی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرنے پر بندۂ مسلمان کو شرم آنی چاہیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا

کا فرمان ہے نماز کبھی ترک نہ کرو خواہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دئے جائیں۔ جو نماز نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں ہے چنانچہ دل میں یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ دنیا کا کوئی کام خواہ پورا ہو یا نہ ہو نماز کسی حالت میں ترک نہیں کی جا سکتی اور ویسے بھی نماز کبھی دنیا کے کاروبار میں مزاحم ہوتی ہی نہیں۔

۲۔ شیطان کی بات نہ سنو نماز کی راہ میں جو بھی دلیل (رکاوٹ یا عذر کی شکل اختیار کرتے ہوئے) دل میں آئے تو سمجھ لیں کہ یہ شیطان کی آواز ہے کیا آپ یہ جانتے ہیں کہ شیطان انسان کا دشمن کیوں ہے؟ اس کی انسان دشمنی اس لئے ہے کہ انسان کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے اسے جنت سے نکالا گیا تھا اور اب وہ اپنی اس ذلت کا بدلہ اس شکل میں لینا چاہتا ہے کہ وہ خدا کے سامنے یہ بات ثابت کر دے کہ انسانوں کی بہت بڑی اکثریت یا تو کافر ہے یا خدا کی نافرمان ہے۔ وہ یہ ثابت کرنا چاہے گا کہ جس کی خاطر اُسے جنت سے نکالا گیا وہ خود اُس سے بھی زیادہ قہرِ خدائی کا حقدار ہے۔ وہ یہ عذر پیش کرے گا کہ میں نے تو ایک سجدہ نہیں کیا اور یہ انسانوں کا گروہ ساری عمر نماز سے بھاگتا رہا ہے اور وہ مجھ سے بھی زیادہ قہرِ خدائی کا حقدار ہے (شیطان کا بیان پہلے گذر چکا ہے، اسکا غور سے مطالعہ کریں) چنانچہ اگر ذرا سی سوجھ بوجھ سے کام لیا جائے اور یہ جان لیا جائے کہ جو چیز بھی نماز کی راہ میں رکاوٹ ہے وہ یقیناً شیطان کی ان کوششوں کے سلسلے میں سے ایک کڑی ہے تو اس شیطان کے دھوکوں سے نجات مل سکتی ہے۔ شیطان کے کسی عذر کو نماز کے دوران دخل اندازنہ ہونے دیں اور فوراً دل میں لاحول پڑھ کر نماز کیلئے اٹھ جانا چاہیئے اور نماز پڑھنے کیلئے خود کو آمادہ کر لینا چاہیئے۔
یاد رہے کہ شیطان کے چند مخصوص عذر ہیں جو وہ نمازیوں کیلئے پیش کرتا ہے۔
نماز سے روکنے کیلئے عموماً وہ یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ ابھی تو بہت عمر ہے چند دنوں تک نماز شروع کر دیں گے حالانکہ زندگی کے ایک لمحے یا ایک دن کا بھی یقین نہیں ہر روز حادثات میں کتنے لوگ مرتے ہیں۔ کبھی شیطان یہ عذر پیش کرتا ہے کہ آج کپڑے پلید ہیں جب صاف کر لیں گے تو پڑھیں گے یا یہ کہتا ہے کہ ابھی فرصت نہیں اور وقت کم ہے، کبھی کہتا ہے کہ اللہ غفور رحیم ہے بغیر نماز کے بھی معاف کر دیگا (حالانکہ غفور رحیمی یہ نہیں) کبھی وہ کہتا ہے کہ ہمارا کام یا کاروبار ہی نماز ہے، کبھی یوں کہتا ہے کہ ان نمازیوں سے تو ہمارے کردار

بہتر ہیں اور ہم لوگ ایسے نمازیوں سے بے نمازی ہوتے ہوئے بھی بہتر ہیں جو نماز بھی پڑھتے ہیں اور دھوکہ بازی بھی کرتے ہیں۔ کبھی کہتا ہے کہ یہ لوگ تو دکھاوے کی نماز پڑھتے ہیں اس سے کیا فائدہ؟ غرضیکہ جو عذر نماز سے دوری کیلئے دل میں آئے تو سمجھ لو کہ وہ شیطانی خیال کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا لہذا اس کی بات کبھی نہ سنی جائے اور فوراً نماز کیلئے کھڑے ہو جانا چاہیئے۔ ایک شخص نے راقم الحروف سے کہا کہ میں اس لئے نماز نہیں پڑھتا کہ فلاں شخص نماز بھی پڑھتا ہے اور چور بھی ہے۔ اسے یہ جواب دیا گیا کہ بھئی اس حالت میں تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم نماز پڑھو اور انکو بتاؤ کہ دیکھو میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور چوری بھی نہیں کرتا اس دلیل پر وہ نماز کو ادا کرنے کیلئے رضامند ہو گیا۔

غور کا مقام ہے کہ ہر بے نمازی شیطان کے ان وسوسوں کو درست تسلیم کر کے شیطان کا ساتھی بن جاتا ہے اور کہتا ہے کہ ہاں جی ہمارا دفتر کا کام ہی لوگوں کی نماز سے بہتر ہے اور اگر کوئی بات کرے تو وہ بحث میں الجھ جاتا ہے حالانکہ ایسے لوگ محض شیطان کے مددگار ہوتے ہیں۔ وہ نہیں دیکھتے کہ علماء کرام کا ان باتوں کے متعلق کیا خیال ہے۔ بعض ناہنجار لوگ تو خود کو علماء سے بھی فائق اور اعلیٰ تصور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان مولویوں کو کیا معلوم۔ یاد رکھیں کہ اسلام کی ہر بات پر علماء اور فقہاء نے فتوے درج کئے ہیں ان کے علاوہ کسی اور کا اپنی رائے قائم کرنا اشد جہالت ہے۔ یہ لوگ امام ابوحنیفہؒ، امام غزالیؒ اور دیگر جید فقہاء کے مقام کو نہیں جانتے جنہوں نے ایک ایک بات کی چھان بین کرنے کے بعد مسائل کا حل پیش کیا ہے۔ ان مسائل میں اب بحث کی گنجائش نہیں۔

۴۔ نماز میں اختصار مدِنظر رہے

مشاہدے میں آتا ہے کہ بے نمازیوں کے دلوں میں جب کبھی کبھار نماز پڑھنے کا شوق بیدار ہوتا ہے تو وہ بڑے ذوق و شوق سے نماز پڑھنا شروع کر دیتے ہیں اور نماز کے وظائف وغیرہ کو خوب طول دیتے ہیں۔ اس طوالت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دو تین دن کے بعد ہی انکے دل میں یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ اتنی لمبی نمازوں کیلئے وقت نکالنا انکے لئے مشکل کام ہے۔ ایسے لوگ عشاء کی نماز میں لمبی لمبی سترہ رکعت ادا کرتے ہیں اور اس کے بعد وظائف اور درود شریف میں بھی کافی وقت صرف کر دیتے ہیں انکی ایسی طویل نماز ایسے نئے نمازیوں کیلئے بوجھ بن جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ انکی ایسی نماز صرف دو چار

دن تک ہی چلتی ہے اور چند دنوں کے بعد ہی پہلے کی طرح بے نمازی بن جاتے ہیں۔

راقم الحروف کے ذہن میں یہ بات ڈالی گئی ہے اور غور کے بعد یہ معلوم ہوا کہ نماز کو قطعاً ترک کر دینے سے یہ بہتر ہے کہ مختصر نماز ہی ادا کرلی جائے (یعنی فرائض، واجبات اور سنن موکدہ کو ہی ادا کرلیا جائے) ایسی مختصر نماز ادا کرنے میں بے نمازیوں کو بوجھ محسوس نہ ہوگا یعنی اگر کسی کو عشاء میں ۱۷ کی بجائے ۹ رکعت پڑھنے کو کہا جائے تو اُسے اس اختصار سے بوجھ محسوس نہیں ہوگا (گویا) پختگی حاصل کرنے تک عشاء میں ۴ فرض، دو سنت اور ۳ وتر پر کفایت کی جائے) نوافل اور سنن غیر موکدہ اگر ترک کر دیئے جائیں تو گناہ نہیں ہوتا باقی نمازیں تو ویسے ہی مختصر ہیں صرف ظہر میں دس رکعت اور عشاء میں نو رکعت والی نمازیں ہی قدرے طویل رہ جاتی ہیں مغرب میں تین فرض اور دو سنتیں ہی پڑھی جائیں تو کافی ہوں گی نتنے نئے نمازی کیلئے ضروری ہے کہ لمبی نمازیں استقامت حاصل کرنے کے بعد پڑھیں اور نماز کو زیادہ طول نہ دیا جائے تاکہ نماز کا بار محسوس نہ ہو (مگر نماز کے ارکان کی ادائیگی میں تعجیل نہ کی جائے)

مختصر نماز پڑھنے سے دل کو یہ باور کروانا مقصود ہے کہ نماز تو آسان سی بات ہے اس میں قطعاً کوئی مشکل نہیں ہے ۔ تمام نمازیں چار منٹ میں اور لمبی نمازیں دس منٹ میں ادا کی جاسکتی ہیں۔ جب پانچوں نمازوں کیلئے آدھ گھنٹے سے زیادہ وقت درکار نہیں تو پھر اتنی سی بات کیلئے خدا کو کیوں ناراض کیا جائے اور جہنم کیوں مول لیا جائے۔ پکا نمازی بن جائے تو پھر جو جی چاہے اور جس طرح چاہے لمبی نمازیں اور وظائف ادا کرے کیونکہ یہ اضافی عبادات اُس کے درجات کو بلند کریں گی۔

۴۔ جو نماز رہ جائے اُس کی قضا ضرور ادا کی جائے

یہ نقطہ پہلے بیان شدہ تین نکات سے زیادہ اہم ہے اور نمازی بننے کا دار و مدار اسی بات پر منحصر ہے۔ اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے اُس میں نماز کی پابندی کی سمت تاکید کی گئی ہے اور آخری بات یہ ہے کہ اتنی کوششوں کے باوجود اگر کوئی نماز خدانخواستہ چھوٹ جائے تو اُسے بعد میں قضا کر کے پڑھ لیا جائے مثلاً اگر کوئی ڈاکٹر اپریشن میں ہے یا کسی کو بازار میں نماز کا موقع نہ ملا اور چھوٹ گئی تو شام یا رات کو یا دوسرے

تیسرے دن گھر پر اس نماز کی قضا پڑھ لی جائے اس طرح کرنے سے نماز کبھی نہ چھوٹے گی اسی طرح اگر (چھٹی کے دن) صبح کی نماز کیلئے آنکھ نہیں کھلی تو جب بھی کوئی اٹھے رفع حاجات کے بعد نماز ادا کرلے اور پھر ناشتے کی طرف رجوع کرے۔

کمزور ارادوں کے انسان کی عادات میں سے ایک یہ ہے کہ جب وہ نیکی کی طرف چلنے لگے تو شیطان کے وسوسوں سے کبھی نہ کبھی متاثر ہونے لگتا ہے اور جب نماز کیلئے اُسکے راہ میں کوئی عذر پیش آئے تو نمازوں میں سے کسی ایک نماز کا ناغہ کر بیٹھتا ہے جب اُس سے ایک نماز کا ناغہ ہو جائے تو کچھ عرصے کے بعد شیطان زیادہ سے زیادہ ناغے کروانے کیلئے کوشاں ہوتا ہے اور نئے نئے نمازی کے دل میں یہ خیال پیدا کر دیتا ہے کہ کل اگر ایک نماز چھوٹ گئی تھی تو آج دو بھی چھوٹ جائیں تو کوئی بات نہیں۔ اِس طرح شیطان تین چار حتیٰ کہ پانچوں کی پانچوں نمازیں چھوڑنے کیلئے آمادہ کر لیتا ہے۔ اب کمزور نمازی زیادہ نمازیں چھوڑنے سے بھی نہیں گھبراتا حتیٰ کہ ایک دن ایسا بھی آتا ہے کہ ایک نمازی سب نمازیں ترک کر بیٹھتا ہے اور مکمل طور پر بے نمازی بن جاتا ہے۔ اِس کا علاج یہ تجویز کیا گیا ہے کہ اگر کوئی نماز کسی مجبوری کے باعث رہ جائے تو جلد از جلد اُسکی قضا ادا کر لی جائے۔ ایسی صورت میں بندے کو دو فائدے حاصل ہو جاتے ہیں ایک تو یہ نماز کی قضا پڑھنا چونکہ واجب ہے اِس لئے وہ بندہ اِس واجب کو ادا کر لیتا ہے اور دوسرا فائدہ یہ کہ اُسکا دل شیطان کے قبضے میں نہیں آتا، یعنی اُسے یہ کہنے کا موقع نہیں ملتا کہ چلو کل ایک یا دو ناغے ہو گئے تو اب زیادہ بھی ہو جائیں تو کیا حرج ہے، قضا نماز ادا کر لینے سے شیطان کا یہ حربہ مکمل طور پر ختم ہو جاتا ہے، اس طرح وہ نمازوں کے ناغے کرنے پر دلیر نہیں ہوتا، دکیونکہ جونہی نماز قضا ہوئی تو اُس نے قضا پڑھ لی) حقیقت یہ ہے کہ بندہ اُسی وقت شیطان سے شکست کھا جاتا ہے جب وہ کسی چھوٹی ہوئی نماز کی قضا نہ ادا کرے اور یہ سمجھے کہ ایک آدھ نماز چھوڑ لینے میں کوئی حرج

نہیں ،، اس کے برعکس ، اگر نماز کا ناغہ نہ ہوا کرے تو شیطان کامیاب نہیں ہو سکے گا ۔ اس بات کو ذہن نشین کر لیں کہ چھوٹی ہوئی نمازوں کی اگر قضا پڑھتے رہیں گے تو نمازیں ترک نہیں ہوا کریں گی ۔ اور کچھ عرصے میں بندہ شیطان کے نرغے سے نکل کر پکا نمازی بن جائیگا ۔

نمازوں کی ہمیشگی اور بہتری کیلئے مشورہ

درج بالا طریقے سے کوئی مسلمان نمازی تو بن سکتا ہے مگر ابھی اس کے لئے اس بات کا خطرہ موجود ہے کہ وہ کسی وقت بھی شیطان کے نرغے میں آ کر تارکِ نماز بن سکتا ہے ۔ مشہور ہے کہ جب کوئی بھیڑ اپنے ریوڑ سے الگ ہو جائے تو اسے بھیڑیا اچک لیتا ہے ۔ اس کا علاج یہ ہے کہ بھیڑوں کی طرح اپنے ریوڑ میں رہے (یعنی با جماعت نماز ادا کرے) اور خود کو کسی گڈریے (یعنی پیر کامل) کے سپرد کر دے ۔ شیخ کی صحبت میں رہنے سے اُس کے دل میں کیفیتِ جذب و شوق پیدا ہوتی رہیگی حتیٰ کہ ایک دن آسے ایسی باستقامت لید طریقت کے آداب سے آگہی ہو جائے گی کہ صحیح نماز ادا کرنے کے طریقے بھی سیکھ لیگا تو ایسے شخص کی نماز کا چھوٹ جانا تو قطعاً نا ممکن ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اسکی نمازوں پر خشوع خضوع ، انہماک اور عشق و محبت کا لبادہ چڑھ جائیگا ۔ ربطِ شیخ سے سالکین کو جو کچھ ملتا ہے وہ راقم الحروف کی تصنیف اسلام اور روحانیت میں ملاحظہ کریں ۔

عبادات کے ادا کرنے کا گہرا تعلق انسان کی اپنی روحانی استطاعت اور روحانی مقام کے ساتھ منسلک ہے ۔ روحانی مقام ، روحانی تربیت اور روحانی اسباق ملنے سے بلند ہوتا ہے جسکی باعث سالک میں روحانی بیداری اور بالیدگی ظہور میں آتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سلوک نے سالکوں کا راہبرِ راہ طریقت کے پاس جانا ضروری قرار دیا ہے ۔ علامہ اقبالؒ نے نمازوں کی درست ادائیگی کو بہت اہمیت دی ہے فرماتے ہیں کہ

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود ۔۔۔ ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

تیرا امام بے حضور ، تیری نماز بے سرور ۔۔۔ ایسی نماز سے گزر ایسے امام سے گذر

وہ ایک سجدہ جسے تُو گراں سمجھتا ہے ۔۔۔ ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

عجب نہیں کہ خدا تک تری رسائی ہو — تری نگہ سے ہے پوشیدہ آدمی کا مقام

تری نماز میں باقی جلال ہے نہ جمال — تری اذاں میں نہیں ہے مری سحر کا پیام

خدا نصیب کرے ہند کے اماموں کو — وہ سجدہ جس میں ہے ملت کی زندگی کا پیام!

کُشتۂ ایں عصر (اِس زمانے کے مارے ہوئے)

آج کا نوجوان جسکی آنکھوں کو مغرب کی چمک نے اندھا کر دیا ہے، دینِ اسلام سے اتنا دور جا پڑا ہے کہ اب اُسکا دوبارہ اس راہ پر آنا بظاہر ایک مشکل امر نظر آتا ہے۔ علامہؒ فرماتے ہیں اس زمانے کے مارے ہوئے بے سوز نوجوان کو کیا خبر ہے کہ جب نماز کیلئے "قد قامتِ الصّلوٰۃ" کہا جائے تو اس میں کیا قیامت پوشیدہ ہے۔ زمانہ تو اپنی کج روی سے باز نہیں آسکتا اور اگر یہ نوجوان اس زمانے کی فریب کاریوں سے بچنے کی کوشش نہ کریگا تو ابدی محرومی کا شکار ہو جائیگا۔ علامہؒ فرماتے ہیں۔

نداند کشتۂ ایں عصرِ بے سوز — قیامت ہا کہ در "قد قامت" اوست

زمانہ اپنے حوادث چھپا نہیں سکتا — ترا حجاب ہے قلب و نظر کی ناپاکی

تری سزا ہے نوائے سحر سے محرومی — مقامِ شوق و سرور و نظر سے محرومی

دلِ خود را اسیرِ رنگ و بو کرد — تہی از ذوق و شوقِ آرزو کرد

(اپنے دل کو تو نے رنگ و بو کا اسیر کر لیا ہے اور خود کو ذوق و شوقِ آرزو سے خالی کر لیا ہے)

گریباں چاک و بے فکرِ رفو زیست — نمی دانم چساں بے آرزو زیست

(یہ لوگ چاک گریباں ہیں اور رفو کی فکر نہیں رکھتے میں نہیں جانتا کہ یہ بے آرزو کسطرح زندہ ہیں)

چراغے داشتم در سینۂ خویش — فسرد اندر دو صد سالہ کہ بگذشت

(جو چراغ ہمارے سینوں میں تھا۔ گذشتہ دو سو سالوں میں سرد ہو گیا ہے)

بوذرؓ و سلمانؓ کے سجدے اب کہاں؟

علامہؒ فرماتے ہیں کہ جس مسلمان کا دل فرنگی رقص گاہوں، تماشوں، فلموں اور رنگینیوں میں الجھا ہوا ہے اُس کا دل اُس کے ہاتھوں سے نکل گیا ہے اور اب اُن سے بوذرؓ و سلمانؓ جیسے سجدوں کی امید کہاں ہو سکتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس

زمانے میں اگرچہ مروّجہ مغربی تہذیب سے کنارہ کش ہونا ممکن نہیں، لیکن یہ بات ضرور ہے کہ اگر ہم اپنے بچوں کو دینی تعلیمات سے آراستہ کرلیں تو خوف کی بات نہیں کیونکہ انکا یہ دینی تعلیم کا جوہر ان کو اسلام سے انحراف کرنے سے باز رکھے گا۔

مسلمانے کہ در بند فرنگ است　　دلش در دست اُو آسان نیاید
(جو مسلمان فرنگ کی قید میں ہے، اُس کا دل اُس کے ہاتھ میں آسانی سے نہیں آتا)

زسیمائے کہ سودم بر درِ غیر　　سجودے بوذرؓ و سلمانؓ نیاید
(وہ پیشانی جو میں نے غیر کے در پر جھکائی اُس سے بوذرؓ اور سلمانؓ جیسے سجدے ادا نہیں ہو سکتے)

جوہر میں ہو لاالٰہ تو کیا خوف　　تعلیم ہو گو فرنگیانہ!
وہ بحر ہے آدمی کہ جس کا　　ہر قطرہ ہے بحرِ بیکرانہ
حرم نہیں ہے فرنگی کرشمہ بازوں نے　　تنِ حرم میں چھپا دی ہے روحِ بتخانہ

خوگرِ غلامی سے سجدوں کی امید کہاں؟

علامہ مسلمانوں پر طنز کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرتے ہیں کہ یہ قوم جو صدیوں سے خوگرِ غلامی رہی ہے، اب اسلامی کمالات سے کلیتہً محروم ہو چکی ہے لہٰذا اب اِن لوگوں میں سجدہ ریزی کی سکت نہیں رہی اور اِنکے لئے صف آرائی نہایت گراں ہے کیونکہ طویل غلامی نے اِن کے جسم کی رگوں کو خشک کر دیا ہے۔ ان کا کمزور جسم بارِ شریعت کے اٹھانے سے قاصر ہے۔ آپ نے یہ دلیل بھی پیش کی کہ جس طرح کسی ویران اور غیر زرعی گاؤں سے خراج نہیں لیاجاتا اسی طرح اِس بیمار اور ویران دل قوم سے نماز (کے خراج) کا مطالبہ نہ فرما۔

مجو از ما نمازِ پنجگانہ　　غلاماں را صف آرائی گراں است
(الٰہی ہم سے پنج وقتی نماز طلب نہ فرما، غلاموں کیلئے صف آرائی ایک بوجھ ہے)

ز محکومی رگاں در تن چناں سُست　　کہ مارا شرع و آئیں بارِ دوش است
(محکومی کی وجہ سے جسم میں رگیں اسطرح خشک ہو گئی ہیں کہ ہم پر شرع اور آئین کا بوجھ اٹھانا دشوار ہے)

سجود از ما چہ می خواہی کہ شاہاں　　خراجے از دہِ ویراں نگیرند
(یا اللہ تُو ہم سے سجود کیا چاہتا ہے، بادشاہ لوگ تو ویران گاؤں سے خراج بھی نہیں لیتے)

علامہ فرماتے ہیں کہ جب کسی قوم کا تخیل یا اندازِ فکر ہی تباہ ہو جاتے تو ان کیلئے آنیوالے اچھے مواقع بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔

چوں شود اندیشۂ قومے خراب ناسرہ گردد بدستش سیم ناب

(جب کسی قوم کا اندازِ فکر (روش) خراب ہو جائے۔ تو اُسکے ہاتھوں پر عمدہ چاندی بھی کھوٹی ہو جاتی ہے)

علامہؒ اپنی قوم کے لوگوں کو آگاہ کر رہے ہیں کہ اگر اسی طرح مردہ دلوں کی سی زندگی بسر کی تو صفحۂ ہستی سے مٹنے کا خطرہ موجود ہے چنانچہ فرمانِ الٰہی کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالیں۔

جہاں میں لذتِ پرواز حق نہیں اُسکا وجود جس کا نہیں جذبِ خاک سے آزاد

اس قوم میں ہے شوخیٔ اندیشہ خطرناک جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد

مسلمانو! اگر اپنی ساکھ کو دنیا میں قائم کرنا چاہتے ہو تو مذہب کے بندھنوں سے خود کو آزاد نہ رکھو۔

دشمنانِ اسلام کی نمازیوں سے مخاصمت

یہ حیران کن بات ہے کہ کچھ مغرب زدہ اور اس تہذیب کے روشن دماغ لوگ نمازیوں کی ذرا ذرا سی برائیوں پر نظریں جمائے رہتے ہیں۔ یہ بات مسلم ہے کہ انبیاءِ کرام کے علاوہ ہر شخص خطاؤں کا پتلا ہے لیکن کچھ لوگ نمازیوں کی معمولی سی خطاؤں کو بھی بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں اور اپنی سخت نکتہ چینی کا ہدف بناتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی بے جا تنقید میں اس قدر تجاوز کرتے ہیں کہ جونہی ایک نمازی سے کوئی خطا سرزد ہوئی تو وہ سب نمازیوں کو اس خطا کے ساتھ منسوب کر دیتے ہیں۔ گویا اس طرح وہ نماز اور اسلام سے لوگوں کو متنفر کرنے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں۔ حقیقتاً نماز کے خلاف یہ ردِ عمل دشمنانِ اسلام کا شیوہ تھا جو رفتہ رفتہ مخالفین کی حکمتِ عملی سے اب مسلمانوں میں بھی سرایت کر گیا ہے اور آنکا یہ کردار مسلمانوں کو اسلام سے دور کرنے کا آلہ کار بن چکا ہے۔ اگر ایسے لوگوں کی زندگیوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ دنیا کے متوالے ہیں اور خود لادینیت کی زندگی بسر کرتے ہیں اور اپنی غیر اسلامی زندگی کے عیب کو چھپانے کیلئے نیک لوگوں پر کیچڑ اچھالتے ہیں۔

؎ جنہیں ہو سچ کو جھوٹا کر دکھانا — انہیں سچوں کو جھٹلانا پڑے گا

اس میں کچھ شک نہیں کہ نمازی ایسے بھی ہیں کہ جو غلط کاموں کے مرتکب ہوتے ہیں اور علامہ نے ایسے لوگوں کیلئے فرمایا کہ ابلیس نے انکی نماز کو سجود و قیام کے ثمرات سے بے بہرہ رکھا ہے اور ان کی نماز کو نماز کے مقام سے ہٹا دیا ہے۔

ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدر میں سجود — اِن کی فطرت کا تقاضا ہے نمازِ بے قیام
یہ ہماری سعیٔ پیہم کی کرامت ہے کہ آج — صوفی و ملّا ملوکیت کے بندے ہیں تمام

نمازیوں کی ایسی خطائیں قرآن کی آیت اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (بے شک نماز منع کرتی ہے بے حیائی اور گناہ سے) کے مطابق ٹھیک ٹھیک نماز پڑھنے سے کچھ عرصے کے بعد برائیاں چھوٹ بھی جاتی ہیں۔ یہاں "فحشاء" سے مراد شراب اور زنا وغیرہ ہے اور "المنکر" سے مراد منکراتِ تنزیہی اور تحریمی ہیں۔ احادیث میں ایک صحابیؓ کا ذکر آیا ہے جو نماز بھی ادا کرتا تھا اور چوری بھی کرتا تھا مگر اُن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اِنَّ الصَّلٰوۃَ سَتَنْھَاہُ" (یہ نماز اس کو ایک نہ ایک دن برائیوں سے روک دیگی۔) کچھ لوگوں کے عیوب نماز کی بدولت جلد دور ہو جاتے ہیں اور کچھ لوگ دیر کے بعد اپنی اصلاح کرتے ہیں لیکن چند اشخاص ایسے بھی ہیں جنکو انکی نماز پوری عمر میں درست نہیں کرتی کیونکہ انکی نماز کو نماز کا مقام حاصل نہیں ہوتا۔ جو لوگ اپنی نماز ٹھیک سے ادا نہیں کرتے ان کے متعلق ارشادِ گرامی ہے "من لم تنھہ صلاتہٗ عن الفحشآء والمنکر لم تزد من اللہ الاّ بُعداً ولم یزد بھا من اللہ الاّ مقتاً" (جس آدمی کو اُسکی نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے نہیں روکتی وہ نماز اُسے خدا سے دور کر دے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا نہیں بلکہ ناراضی کا سبب بنے گی) وہ لوگ جنکی اصلاح اُن کی ناقص نماز نہیں کر سکتی وہ تعداد میں بہت کم ہوتے ہیں اور انکی اصلاح کا نہ ہونا اِس آیتِ قرآنیہ کی صداقت پر اثر انداز نہیں ہوتا کیونکہ ایسے لوگوں نے تو نماز ادا ہی نہیں کی۔ کچھ بے سمجھ لوگ اس بات پر بھی بحث کرتے ہیں کہ فلاں شخص نمازی

بھی ہے اور تُرش کلام اور بد مزاج بھی ہے اور اسکی نماز نے اسکی ترش کلامی کو کیوں درست نہیں کیا۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ کیا اسکی بد مزاجی اور ترش کلامی شریعت کی حدود سے تجاوز کرتی ہے یا نہیں؟ اگر اس کی ترشی شریعت کی حدود سے متجاوز ہے تو اُس کی نماز میں ضرور کمی ہے، اسے کسوٹی پر آزمایا جائے۔

ترازوے بنہ کردارِ خود را   قیامت ہائے پیشیں رابر انگیز

(اپنے کردار کے لئے تراز و کھڑا کرو اور اپنے اسلاف کی طرح انقلاب برپا کر دو)

یہاں پر ایسے نکتہ چین حضرات کی خدمت میں یہ گذارش ہے کہ جب ہم کسی شخص سے ناراض ہوتے ہیں تو اُس کی معمولی برائیاں بھی کھٹکنے لگتی ہیں اور معترض اُس کی ہر ایسی بات پر بھی اعتراض کرنے لگتا ہے جو عام لوگوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ خطاؤں کو ڈھونڈنا کوئی بڑی بات نہیں اگر معترض کی خطاؤں کی چھان بین کی جائے تو بے شمار عیوب نظر آئیں گے لیکن جب اُنکے عیب گنوائے جائیں تو ایسے لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم تو نمازی نہیں مگر نمازیوں کو ایسی خطاؤں سے پاک ہونا ضروری ہے، باوجودیکہ بے نمازیوں میں برائیوں کی شرح فیصد زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔ نمازیوں کے متعلق ایسا بلند معیار کا مطالبہ کرنا جو ایک نبی سے متوقع ہے سراسر زیادتی ہے۔ اچھی طرح سمجھ لیں کہ خطاؤں سے پاک صرف انبیاءِ کرام ہی ہوتے ہیں۔ اولیائے کرام اور مومنین میں خطاؤں کا ہونا بعید از فہم اس نہیں۔ ہر شخص خطا کار ہو سکتا ہے مگر اسکی خطاؤں کو اچھالنا نہایت قبیح عمل ہے۔ معترضین نہیں جانتے کہ نیکیاں بدیوں کو کھا جاتی ہیں (اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ) اور اسی طرح بدیاں نیکیوں کو ضائع کر دیتی ہیں۔ کچھ لوگ کسی نمازی کو کسی برائی پر مُصر دیکھ کر اُسے اس قدر حقیر سمجھتے ہیں کہ اس کو اسلام کے درجۂ صفر پر تصور کرتے ہیں حالانکہ اس شخص میں دوسری دس اچھائیاں بھی موجود ہوتی ہیں جن کو معترض نے نظر انداز کر دیا ہے۔ یہ عین ممکن ہے کہ ایسا شخص اپنے دوسرے نیک اعمال کی بنا پر جنت کا حقدار بن جائے اور معترض اپنی لا دینیت اور بے جا نکتہ چینی کی وجہ سے موردِ عتابِ الٰہی ٹھہرے۔ یہ بات مشاہدے میں آچکی ہے کہ بے شمار لوگوں نے نماز ادا کرنا شروع کی اور انکی برائیاں دور ہو گئیں۔ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں

ایک شخص نے تہجد کی نماز ادا کی اور اپنے شیخ سے کہا کہ یہ سب لوگ کس طرح غفلت کی نیند میں سوئے ہوئے ہیں۔ آپ کے شیخ نے فرمایا کہ تم نے یہ جملہ کہتے ہوئے اتنی بڑی تعداد میں سوئے ہوئے لوگوں کی مذمت اور غیبت کی ہے اور اگر تم تہجد کی نماز ادا نہ کرتے تو یہ اس سے بہتر تھا کہ تم اس جملے میں موجود آفت سے بچ جاتے حضرت باقی باللہؒ نے فرمایا ہے کہ اگر کسی ولی اللہ سے سہواً گناہ کبیرہ صادر ہو جائے تو اُسے ولایت سے معزول نہیں کر دیا جاتا (البتہ اُس کے درجہ میں فرق ضرور آجاتا ہے) چنانچہ ایسی گفتگو کرنے سے پہلے ان تمام امور کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

مولانا رومؒ نے مثنوی میں ایک یہودی کی روایت کو نقل کیا ہے کہ اسے کسی مسلمان نے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اُس یہودی نے کہا کہ اگر اسلام وہ ہے جسے بایزید بسطامیؒ نے اپنایا ہے تو یہ میری ہمت سے باہر ہے اور اگر اسلام وہ ہے جس کا عملی نمونہ تو ہے تو اس کے مقابلے میں میں جیسا گیا گذرا انسان بھی بدرجہا بہتر ہے یہی وہ بات ہے جو یہودیوں نے لوگوں کو اسلام سے بدظن کرنے کیلئے شروع کی اور آج مسلمان بھی دیندار نمازیوں کی شان میں یہی بات کہتے ہیں کہ فلاں نمازی سے تو ایک کافر بہتر ہے۔ یاد رہے کہ کوئی کافر کسی مسلمان سے کسی صورت میں بہتر نہیں ہو سکتا کیونکہ قرآن کریم اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ کافروں کے تو نیک اعمال قبول ہی نہیں کئے جائیں گے۔ جیسا کہ فرمایا وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ۔ (اور جو تلاش کرے گا اسلام کے بغیر کوئی اور دین ہرگز قبول نہ کیا جائیگا اس سے۔ آل عمران : ۸۵) اور ایک دوسری جگہ پر فرمایا مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ (جو شخص نیک عمل کرتا ہے، خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ ایماندار ہو وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ مومن ۴۰) چنانچہ یہ کہنا بے جا ہو گا کہ فلاں نمازی سے تو فلاں کافر بہتر ہے۔

نمازیوں کے خلاف اس قسم کی نازیبا گفتگو کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ نماز کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ داڑھی کی سنت سے بھی لوگ اسی لئے انحراف کئے ہوئے ہیں کہ داڑھی کے خلاف اسی قسم کی گفتگو کی جاتی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات شریف میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اعمال کی ایک حقیقت ہوتی ہے اور ایک صورت۔ حقیقتِ اعمال کا درجہ تو بہت بلند ہے۔ فرماتے ہیں صورتِ اعمال میں اگرچہ نفسِ امارہ کی مزاحمت، اُسکی بغاوت اور سرکشی موجود ہوتی ہے مگر اس حالت میں بھی اللہ تعالیٰ

نے صورتِ عبادت کو قبول فرما کر جنت میں داخل کرنے کی خوشخبری دی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر حقیقتِ نماز میسر نہ ہو تو صورتِ نماز کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیئے لیکن افسوس ہے کہ نکتہ چین حضرات دشمنانِ اسلام کی طرح اپنی لاعلمی کی بناء پر ایسے نمازیوں سے بے نمازیوں کو بہتر قرار دیتے ہیں۔ بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ کسی میں اگر برائی دیکھے تو اُسے اچھے طریقے سے اصلاح کی راہ پر لائے۔ چہ جائے کہ مسلمانوں کی برائیوں کا ڈھنڈورا پیٹا جائے العیاذ باللہ۔

ٹھیک ٹھیک نماز ادا کرنے کا طریقہ

ہماری تصنیف "روحِ نماز" میں نماز کے متعلقات کا تفصیلی بیان شامل کر دیا گیا ہے۔ اس حصہ میں نماز کی ٹھیک ٹھیک ادا کرنے کے لئے خشوع و خضوع، ایمان و یقین، جذبہ و کیفیات، تضرّع، اخلاص، حضورِ قلب، مطالب و مقاصدِ نماز، آدابِ نماز اور حقیقتِ نماز کے متعلق بہت سی دلچسپ اور معارف سے لبریز معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں جس کا مطالعہ نماز کے ذوق و شوق کو بڑھانے میں بہت مددگار ثابت ہوگا۔ اس کے مطالعہ سے استفادہ اسی صورت میں ممکن ہوگا کہ اگر نماز کی درستی کا نصب العین ذہن میں رکھا جائے اور ان تمام باتوں پر عمل کرنے کا مصمم ارادہ ہو۔ ان تفاصیل کے مطالعہ کے علاوہ کسی عارف اور مردِ کامل کے ساتھ گاہے گاہے گفتگو بہت اعلیٰ نتائج کی حامل ہوتی ہے۔

درجِ بالا مضامین کی تفصیل کا یہاں دہرانا یا خلاصہ بیان کرنا بھی طوالت کا سبب ہوگا البتہ چند ایک نکات قارئین کیلئے پیش کئے جا رہے ہیں جو انکی نماز کی درستگی کی ضمانت دے سکتے ہیں۔

(۱) امتحانِ خویش

مذکورہ بالا نماز کی کتاب "روحِ نماز" میں علامہ اقبالؒ کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ نمازی کیلئے اپنا محاسبہ کرنا ضروری ہے اُسکو چاہیئے کہ معلوم کرے کہ اسکی نماز سے مطلوبہ مقاصد پیدا ہو رہے ہیں یا نہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ خود اپنی نظروں سے خود کا امتحان کیا جائے اور دیکھا جائے کہ کون سی برائیاں اب تک اس کی طبیعت میں موجود ہیں اور کون سی برائیوں کو ترک کیا جا چکا ہے۔ اپنے متعلق تعصب نہ کرے۔ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ ہر شخص کو اپنی برائیاں نظر نہیں آتیں اور انسان فطرتاً جھگڑالو پیدا کیا گیا ہے۔ اگر کوئی جان بوجھ کر دوسروں کو غلط اور خود کو صحیح تصور کرے تو ایسے شخص کی اصلاح ممکن نہیں۔ اپنا امتحان کر لینے کے بعد ہر نمازی کیلئے ضروری ہے کہ خود کو دوسروں کی نظر سے دیکھے اور آخر میں خود کو اللہ کی نظر سے بھی دیکھے کہ خدا کے ہاں میرا کیا مقام ہے۔ جہاں کمی ہو اُس کی کو پورا کیا جائے جو شخص تینوں امتحانوں سے گذر گیا تو سمجھ لے کہ معاملہ درست ہو گیا ہے ورنہ اصلاح کی فکر کرے۔

۲۔ نماز کے آداب کا لحاظ

نماز کے باطنی آداب اور ظاہری آداب کو ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ اسکی تفصیل کیلئے مذکورہ بالا نماز کی کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔

۳۔ حقوق العباد اور معاملات کی درستی

نماز معاملات کی اصلاح کرتی ہے محض نماز کو ادا کرنے سے تو دین کے ایک حصے کی تکمیل ہوتی ہے (وہ بھی اس حالت میں کہ اگر یہ نماز اپنے تقاضوں کو پورا کرتی ہو) لیکن نماز کی ادا کرنے کے علاوہ انسان کا دوسرے لوگوں مثلاً ماں باپ، رشتے دار، پڑوسی اور دیگر متعلقین سے معاملات کا درست ہونا بھی اسلام کی ضروریات میں سے ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کی صفائی کے متعلق لوگوں کے ایک گروہ میں سے ایک گواہ طلب کیا تو صرف ایک شخص اُٹھا اور اس نے کہا کہ وہ اُس کو جانتا ہے کہ یہ نیک آدمی ہے کیونکہ وہ اُسکے ساتھ مسجد میں نماز ادا کرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا اور کیا تم کبھی اسکی ہمسائیگی میں رہے ہو یا کبھی اس کے ساتھ معاملات کئے ہیں تو اُس نے نفی میں جواب دیا۔ اِس پر حضرت نے فرمایا کہ تمہاری گواہی قابل قبول نہیں کیونکہ تم اسکی صرف ایک بات کو جانتے ہو کہ یہ نمازی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ دوسرے لوگوں کے ساتھ معاملات کا ٹھیک ہونا مسلمان کی نماز کے معیاری ہونے کا ثبوت ہے گویا کہ اگر کسی کی عملی زندگی درست ہے تو یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ اسکی نماز بھی درست ہوگی۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ کسی جگہ انسان کی فطرت اور اس کے فانی ہونے کی گفتگو ہو رہی تھی اور میں خاموشی کے ساتھ اُسے سنتا رہا اور پھر عرض کیا کہ زندہ شخص وہ ہے کہ جب سجدہ کرے تو کائنات لرز اٹھتی ہے کیونکہ وہ جب خدا کو معبودِ حقیقی تسلیم کرنے کے بعد سر کو جھکاتا ہے تو اُس کے سر کا جھکنا ایسے ہی معنی خیز ہوتا ہے (وہ کسی غیر کے آگے سرنگوں نہیں ہوتا) اِس سے ظاہر ہوا کہ انسان کے اعمال اُسکی نماز کی کسوٹی کا کام دیتے ہیں۔

سخن یا رفت از بود و نبودم   من از خجلت لبِ خود کم کشودم

(انسان کے فانی ہونے کی بہت گفتگو گذری، لیکن میں نے شرمندگی کے باعث کم ہی لب کشائی کی)

سجودِ زندہ مرداں می شناسی   عیارِ کارِ من گیر از سجودم

(زندہ انسانوں کے سجود کو تم پہچانتے ہو، میرے کاموں کو میرے سجدوں کی کسوٹی تصور کرو)

۴۔ ناموسِ اسلام کا پاس رکھنا

ہر مسلمان کو اس بات کا احساس ہونا چاہیئے کہ وہ جہاں

کی جائے اسلام کا ایک نمونہ تصور کیا جاتا ہے پکی ہوئی دیگ کا ایک چاول دیکھنے سے پوری دیگ کی کیفیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ مختلف جگہوں اور مقامات پر جانے والے مسلمان اگر کوئی معیوب حرکت کریں تو یہ پورے ملک کی بدنامی کا باعث بنتا ہے۔ مسلم ممالک میں بھی دوسرے ملکوں کے لوگ ان کے کردار کا معائنہ کرتے ہیں اور ان کی کہانیوں کو اپنے ملکوں میں لے جا کر سناتے ہیں اور رفتہ رفتہ تجارتی، فنی اور علمی ماحول میں مسلمانوں کی ساکھ خراب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح نمازیوں کو بھی محتاط ہونے کی ضرورت ہے کیونکہ جب کبھی کسی نمازی سے کوئی حرکت سرزد ہو جائے تو یہ تمام نمازیوں کی بدنامی کا باعث بن جاتی ہے لہذا مسلمان کا شیوہ ہے کہ جب بھی وعدہ کرے تو اس کو پورا کرے، وقت مقرر کرے تو اس کا پابند رہے، جھوٹ نہ بولے (کیونکہ جھوٹ تو ہلاک کر دیتا ہے اور سچ سے بالآخر نجات ملتی ہے) حرام کمائی سے پرہیز کرے (کیونکہ رزق تو وہی ملے گا جو مقدر میں ہے اگر کچھ صبر سے کام لیں تو وہی حرام رزق حلال کی صورت میں ملے گا) لوگوں سے ترش اور تلخ کلامی نہ کرے (اگر کوئی جھگڑا ہو تو پیار، محبت اور خاموشی سے طے کرے، جوش میں آنے سے تو نقصان ہی ہوتا ہے) اور بدخوئی اور بدلحاظ رویّہ سے اجتناب کرے (کیونکہ بدخوئی کی عادت اخلاقِ حسنہ سے دور لے جاتی ہے)

یہ امر مسلّم ہے کہ معاملات کو سوچ سمجھ، صبر و سکون اور مدبرانہ انداز میں سلجھانے کی کوشش کی جائے تو بڑے سے بڑا مسئلہ بھی بغیر کسی تکلیف کے حل ہو جاتا ہے ورنہ غصہ، ناراضگی اور شدت اختیار کرنے سے نفرت اور دشمنی کو جنم ملتا ہے اور اس قسم کے غیر متوازن لوگوں کی عوام میں برائیاں بیان کی جانے لگتی ہیں۔ مروّت اور حسنِ اخلاق ایسی چیزیں ہیں کہ شراب خانوں کے رسیوں میں جب اس قسم کی معاملہ فہمی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کے نتیجے کے طور پر خلائق میں انکی خوبیوں کے چرچے ہونے لگتے ہیں۔ اور لوگ اُن کا خشک ملاؤں سے زیادہ احترام کرتے ہیں بقول علامہ اقبالؒ

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں   فقط یہ بات، کہ پیرِ مغاں ہے مردِ خلیق

۵- اخوت کی پاسبانی

اخوت مسلمانوں کی اہم ضروریات میں سے ہے۔ اپنے اخلاق سے یہ ثابت کیا جائے کہ پورے عالم کے مسلمان صرف رشتۂ اسلام سے پیوستہ ہیں۔ قومی، صوبائی، ملکی اور مذہبی تعصب کو ہر مسلمان کے دل سے مٹا دینا چاہیئے تاکہ بین المسلمین عناد کے بیج جو دشمنانِ اسلام نے بوئے تھے رفتہ رفتہ نابود ہو جائیں

اور مسلمان پوری دنیا میں قرونِ اولیٰ کی طرح ایک جماعت کی شکل میں نظر آئیں ۔ اُمتِ مسلمہ کو جس قدر نقصان قومی تعصب سے پہنچا ہے وہ شاید ہی کسی اور بُرائی سے پہنچا ہو ۔ ایک مسلمان اُسی وقت صحیح مانا تسلیم کیا جا سکتا ہے جب اُس کی زبان اور ہاتھ سے سب مسلمان محفوظ رہیں (اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَ یَدِہٖ) اس سلسلے میں چند احادیثِ نبویہ کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں ۔

" مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہوتے ہیں ۔ مسلمان کی مثال ایک جسم کی طرح ہے کہ جب کسی حصہ میں درد ہو تو تمام جسم کے حصے شب بھر جاگتے اور درد سہنے میں اس کا ساتھ دیتے ہیں " فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ بخدا وہ شخص مومن نہیں جس کا ہمسایہ اس کے شر سے محفوظ نہیں ۔ مومن تو آپس میں رحیم اور کریم ہوتے ہیں ، مومن ایک دیوار کی طرح ہوتا ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کے ساتھ مل کر قوت پکڑتا ہے ، بخدا تم اُس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتے جب تک تم اپنے بھائی کیلئے بھی وہی کچھ پسند نہ کرنے لگو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ حج میں فرمایا کہ تمہارے خون ، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تم پر آج کے دن (یوم حج) اس مہینے (ذی الحج) اور اس مقام (مکہ) کی طرح تم پر حرام ہیں مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہوتے ہیں ۔

پابندیٔ صوم

پابندیٔ صلوٰۃ کا ذکر زیادہ تفصیل کے ساتھ کیا جا چکا ہے کیونکہ یہ اسلام کا اہم ترین رکن ہے ۔ نماز کی پابندی کر لینے کے بعد باقی تمام عبادتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اسلام کے چوتھے رکن جس کی احادیث اور اہمیت کا ذکر اگرچہ بہت طوالت طلب ہے مگر یہاں

تنگیٔ قرطاس کی وجہ سے صوم کے چند روشن پہلوؤں کو اختصار کے ساتھ بیان کیا جائے گا تاکہ قارئین کو کم وقت میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل ہو سکیں۔ سورۃ البقرہ میں ارشاد ہے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ۔ (اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں)

صیام کے معنی: ۱۔ صیام جمع ہے صوم کی تفسیر ضیاء القرآن میں ہے کہ صوم کے معنی الامساك عما تنازع اليه النفس کے ہیں یعنی اس چیز سے باز رہنا جس کی طرف نفس کشش کرتا ہو۔ شریعت میں صوم یہ ہے کہ انسان عبادت کی نیت سے صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور عمل زوجیت سے رُکا رہے۔

۲۔ امام راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ اَلصَّوْمُ کے اصلی معنی کسی کام سے رُک جانا اور باز رہنا کے ہیں خواہ اس کا تعلق کھانے پینے، یا چلنے پھرنے اور گفتگو کرنے سے ہی کیوں نہ ہو چنانچہ اگر گھوڑا چلنے سے رُک جائے یا چارہ نہ کھائے تو اسے بھی صَائِمٌ کہا جاتا ہے۔ اپنے تھان پر کھڑے ہوئے گھوڑے جو میدانِ جنگ میں نہ جا سکیں انہیں بھی خَیْلٌ صِیَامٌ کہا جاتا ہے۔ اگر ہوا رُک جائے تو صَامَتِ الرِّیْحُ کہا جاتا ہے، خاموش رہنے کو بھی اَصْمَتْ کہا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا۔ اَصْمَتْ امر کا صیغہ ہے جس کا مطلب ہے کہ خاموش رہو، دوپہر کے وقت جب آفتاب وسطِ آسمان پر ٹھہر جاتا ہے تو کہا جاتا ہے۔ صَامَ النَّھَارُ، (دن ٹھہر گیا)۔

ماہِ رمضان: ۱۔ رمضان کا مہینہ بڑا مبارک مہینہ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی رحمتوں، برکتوں، بخششوں اور سعادتوں کا حامل ہے۔ جس طرح دنوں میں جمعۃ المبارك کا دن افضل ہے اسی طرح سال کے مہینوں میں یہ مہینہ افضل ہے۔ بعض لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے اعتبار سے ربیع اوّل کو افضل ترین مہینہ شمار کرتے ہیں۔ ماہِ رمضان کو مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کو "ماہِ صبر" بھی کہتے ہیں کہ اس میں خواہشات اور لذات سے رُکنا ہے۔ اس مہینے کو "ماہِ مواسات" بھی کہا جاتا ہے۔ مواسات کے معنی بھلائی کرنا ہے۔ چونکہ اس مہینے میں مسلمانوں سے اور اہلِ قرابت سے بھلائی کرنا زیادہ ثواب ہے اس لئے اسے ماہِ مواسات کہتے ہیں۔ اس مہینے کو "ماہِ وسعتِ رزق" بھی کہا

جاتا ہے کیونکہ اس میں رزق کی فراوانی کردی جاتی ہے اور غربا بھی نعمتیں کھا لیتے ہیں۔

رمضان کی وجہ تسمیہ

لغت :۔ رمضان کا لفظ رَمَضٌ سے مشتق ہے جس کے معنی سورج کی سخت تپش کے ہیں۔ رمضان کے متعلق فقہاء کے نظریات کو حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

(۱) رَمَضَا :۔ موسم خریف کی بارش کو کہتے ہیں جس سے زمین دھل جاتی ہے اور کھیتی ہری بھری رہتی ہے۔ چونکہ رمضان بدن سے گناہ بالکل دھو ڈالتا ہے اور دل کو پاک کر دیتا ہے، جیسے بارش سے چیزیں دھل کر پاک ہو جاتی ہیں اس لئے اس کو رمضان کہا گیا ہے۔

(۲) رَمَضٌ :۔ کے معنی گرمی یا جلنا ہے۔ چونکہ مسلمان بھوک، پیاس اور تپش برداشت کرتے ہیں جو گناہوں کو جلا ڈالتے ہیں اس لئے اس ماہ کو رمضان کہا گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چونکہ پہلا رمضان سخت گرمیوں میں آیا اس لئے اسے رمضان کہا گیا۔

بعض نے فرمایا کہ مہینوں کا نام موسم کے اعتبار سے رکھا جاتا ہے چنانچہ جو مہینہ گرمی میں تھا اُسے رمضان کہہ دیا گیا اور موسم بہار والے کو ربیع الاوّل اور سردی والے کو جمادی الاوّل کہتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ اس ماہ میں نصیحت اور آخرت کی فکر کی گرمی سے دل اس طرح متاثر ہوتا ہے۔ جیسے ریت اور پتھر گرمی سے متاثر ہوتے ہیں اس لئے اس کا نام رمضان ہوا۔

(۳) رمضان اللہ کا نام ہے :۔ علما کا خیال ہے کہ رحمان کی طرح رمضان بھی اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ اسی لئے حدیث پاک میں ہے کہ یہ نہ کہو کہ رمضان آیا ہے بلکہ یہ کہو کہ ماہِ رمضان آیا ہے (اللہ کا مہینہ)، چونکہ اس مہینے میں رات دن اللہ کی عبادت ہوتی ہے اسی لئے اس کو اللہ کا مہینہ کہا جاتا ہے۔ باقی مہینوں میں بھی تمام عبادات اگرچہ اللہ کے لئے ہی ہوتی ہیں لیکن روزے کی حالت میں نوکری، کاروبار تجارت اور ہر فعل ہر وقت اللہ ہی کے کام میں شمار کئے جاتے ہیں اس لئے اسے ماہِ رمضان کہا گیا ہے۔

شہر کی وجہ تسمیہ :۔ شہر کے معنی ہیں ظاہر ہونا چنانچہ شہرت، مشہور اور اشتہار اسی سے بنے ہیں۔ چونکہ رمضان کا چاند دیکھتے ہی اس

مہینے کی شہرت دور دور تک ہو جاتی ہے اسی لئے ایسے شہر رمضان کہا جاتا ہے۔ غالباً بڑی بستیوں کو فارسی میں شہر اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ دیہاتوں میں مشہور ہوتی ہیں۔

عظمتِ رمضان:۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے روایت کی ہے کہ شعبان کے آخری دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا: "اے لوگو! ایک عظیم المرتبت اور برکتوں والا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے جس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار راتوں سے افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مہینے میں روزے فرض کئے ہیں اور اس مہینے کی راتوں میں عبادت کو افضل قرار دیا ہے۔ اس مہینے میں جس شخص نے ایک نیکی کی یا ایک فرض ادا کیا اس کا اجر اس شخص کی طرح ہوگا جس نے دوسرے مہینے میں ستر" فرض ادا کیئے۔

ابو سعید خدریؓ سے منقول ہے کہ جو بندہ رمضان کی راتوں کو نمازیں پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایک سجدے کے عوض ایک ہزار سات سو نیکیاں لکھتا ہے اور اس کے لئے جنت میں سرخ یاقوت کا مکان تعمیر فرماتا ہے"۔

رمضان میں پانچ حروف ہیں "ر" سے مراد رحمت الٰہی "م" سے مراد محبت الٰہی، "ض" سے مراد ضمانِ الٰہی (ضمانت ہونا)، "ا" سے ایمان الٰہی اور "ن" سے مراد نورِ الٰہی۔ رمضان میں عبادتیں بھی پانچ ہیں یعنی روزہ، تراویح تلاوت قرآن، اعتکاف اور شب قدر۔

قرآن میں ماہِ رمضان کے احکامات:۔ روزوں کی فرضیت اور ماہِ رمضان میں قرآن کے نازل ہونے کا ذکر سورۃ البقرہ میں کیا گیا ہے۔ اس سورہ کی درج ذیل آیات میں ماہِ رمضان کی اہمیت اور سفر و بیماری میں روزے کی شرعی حیثیت کو بھی یوں بیان کیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (البقرہ۔ ۱۸۵-۱۸۳)

اے ایمان والو! فرض کیے گئے ہیں تم پر روزے جیسے فرض کیے گئے تھے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے کہ کہیں تم پرہیزگار بن جاؤ یہ گنتی کے چند روز ہیں پھر جو تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں رکھ لے اور جو لوگ انہیں بہت مشکل سے ادا کرسکیں اُن کے ذمہ فدیہ ہے ایک مسکین کا کھانا اور جو خوشی سے زیادہ نیکی کرے تو وہ اس کے لیے زیادہ بہتر ہے اور تمہارا روزہ رکھنا ہی بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم جانتے ہو۔ ماہِ رمضان المبارک جس میں اُتارا گیا قرآن اس حال میں کہ یہ راہِ حق دکھاتا ہے لوگوں کو اور (اس میں) روشن دلیلیں ہیں ہدایت کی اور حق و باطل میں تمیز کرنے کی۔ سو جو کوئی پائے تم میں سے اس مہینہ کو تو وہ یہ مہینہ روزے رکھے۔ اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں رکھ لے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تمہارے لیے سہولت اور نہیں چاہتا تمہارے لیے دشواری اور چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کرلیا کرو۔ اور اللہ کی بڑائی بیان کیا کرو اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور تاکہ تم شکر گزاری کیا کرو۔

سابقہ اُمتوں کے روزے تفسیر نعیمی میں ہے کہ حضرت نوحؑ ہمیشہ روزے رکھتے تھے اور آپ کی امت ہر ماہ میں تین روزے رکھتی تھی داؤد علیہ السلام ایک روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔ موسیٰؑ نے کوہ طور پر چالیس دن روزے رکھے۔ قریش مکہ زمانۂ کفر میں دس محرم کا روزہ رکھتے تھے کیونکہ اُس دن وہ خانہ کعبہ کا غلاف چڑھاتے تھے۔ تاریخ میں یوں بھی ہے کہ بدھ اور چین کے مذاہب نے بھی ترکِ لذات کے لئے فاقہ کشی کی۔ بدھ مذہب میں یہ ترکِ طعام ۵۰۰ سال قبل مسیح سے رائج ہوا۔ ایک دور ایسا بھی آیا کہ کچھ جابر اور قاہر لوگوں نے یا سرداروں نے ترکِ طعام کو سزا کے طور پر اختیار کیا اور جن لوگوں کو سزا دی جاتی اُن کو پنجروں میں بند کر دیا جاتا۔

حضرت آدمؑ جب زمین پر اترے تو اُن پر ایامِ بیض کے روزے (چاند کی تیرھویں چودھویں اور پندرھویں) نافذ کئے گئے۔ کہتے ہیں کہ آدمؑ جب جنت سے اُتارے گئے تو اُن کا جسم حرارتِ آفتاب سے سیاہ پڑ گیا۔ جبرائیلؑ نے پوچھا کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا جسم سفید ہو جائے تو آپ نے فرمایا ہاں پھر آپ کو تین دن روزے رکھنے کا حکم دیا گیا۔ پہلا روزہ رکھنے سے تہائی جسم سفید ہو گیا دوسرے سے دو تہائی اور تیسرے سے مکمل جسم سفید ہو گیا (غنیۃ الطالبین)

اسلام میں روزہ کی ابتداء اسلام میں روزہ نبوت کے پندرھویں سال دس شوال سنہ ۲ھ میں فرض ہوا (خزائن العرفان، درمختار و خازن) اولاً صرف عاشورے کا روزہ فرض ہوا شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ بعد میں چاند کی تیرھویں چودھویں اور پندرھویں کے روزے فرض ہوئے اور پھر جنگ بدر سے ایک ماہ اور چند دن قبل پورے ماہ رمضان میں روزے رکھنے کا حکم ہوا لیکن اِس بات کا اختیار دیا گیا کہ اگر چاہے تو روزہ رکھیں ورنہ آدھا صاع فدیہ ہی ادا کر دیا جائے۔ پھر یہ اختیار منسوخ ہو گیا اور ۲ ہجری میں روزے رکھنا لازم قرار دیئے گئے۔

اِس حالت میں بھی رات کو سونے کے بعد کھانے پینے کی ممانعت تھی حضرت صرمہ رضؓ کا واقعہ پیش آنے پر صبح تک کھانے کا اختیار دیا گیا مگر جماع پھر بھی حرام رہا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ پیش آنے پر ماہِ رمضان کی راتوں میں حلال کر دیا گیا۔

اسلام کے پانچ ارکان کی ترتیب یوں ہوئی کہ اوّل کلمہ پڑھنا فرض ہوا۔ پھر نماز، پھر زکوٰۃ، پھر روزے، اور پھر حج۔ (روح البیان)۔

نماز کے ہر وقت میں دو رکعتیں فرض تھیں، بعد ازاں سفر میں دو اور اقامت (حضر) میں چار یا تین کر دی گئیں۔

روزے کی غایت تقویٰ ہے :- سورۃ البقرہ کی آیت ۱۸۳ میں، صیام رمضان کی فرضیت کے بعد روزے کی حکمت یوں بیان فرمائی گئی ہے کہ اس سے تم متقی بن جاؤ گے فقہاء کا قول ہے کہ روزے کی عبادت اختیار کرنے کے بغیر تقویٰ کا حصول ممکن ہی نہیں اِس آیت کا منشا یہ ہے کہ چونکہ روزے کی عبادت سے انسان میں، نفس کی قوت دب جاتی ہے اور گناہوں کی طرف رغبت بھی کم ہو جاتی ہے اس لئے جہنم کی آگ سے بچ جاتا ہے لہٰذا اِن حالات میں اُس کو پرہیزگاری حاصل ہو جائے گی۔ یہاں مناسب ہو گا کہ تقوٰے کی کچھ وضاحت کر دی جائے۔

اَلتَّقْوٰی :- اس کے اصل معنی نفس کو ہر اُس چیز سے بچانے کے ہیں جس سے گزند پہنچنے کا اندیشہ ہو مگر کبھی کبھی تقوای اور خوف ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں نفس کو ہر اُس چیز سے بچانے کا نام تقوای ہے جو گناہ کا موجب ہو اور یہ بات ممنوعاتِ شرعیہ کے ترک کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ مگر اس میں درجۂ کمال حاصل کرنے کے لئے مباحات کو بھی ترک کرنا پڑتا ہے (یعنی اُن باتوں کا ترک جن کا کرنا شریعت کی رُو سے ممنوع نہیں اور نہ ہی ان کے کرنے سے کوئی ثواب ملتا ہے)۔ یوں تو مشتبہ، چیزوں کا ترک کرنا اباحت میں شامل ہے لیکن ورع کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں

بھی ترک کر دیا جائے۔ تقویٰ کے بہت سے مدارج ہیں۔

ماہ رمضان میں حلال اور مباح چیزوں کا استعمال بند کرنے سے مراد یہ ہے کہ ویسے تو عام دقتوں میں بھی ایک مسلمان کو کارِ حرام اور مکروہات سے حد درجہ پرہیز لازمی ہے لیکن اس مہینے میں مباحات کو ترک کرنے سے اُس کی روحانی کیفیات اعلیٰ معیار تک پہنچ جائیں اور دائمی تقوے کی صورت پیدا ہو جائے۔ اس میں ایک لطیف بات یہ ہے کہ ماموراتِ اسلام کے مطابق حرام کا ترک تو لازم اور واجب ہے لہٰذا حرام کے ترک میں کوئی تقویٰ نہیں ہے البتہ تقویٰ تو رمضان کے مطلوبہ ترک مباحات سے ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ روزے میں تقویٰ اس لئے بھی پیدا ہوتا ہے کہ روزہ ایک ایسی عبادت ہے کہ اس میں دکھاوا نہیں حتیٰ کہ فرشتے کو بھی اس کا علم نہیں ہوتا۔ روزہ تو بندہ اور خدا کے درمیان ایک مخفی راز ہے صوفیہ کا قول ہے کہ اولیائے کرام کی صحبت سے بھی تقویٰ حاصل ہوتا ہے کیونکہ اس میں ایسے عجیب احوال اور راز منکشف ہوتے ہیں جو تقویٰ کے حصول کا باعث بنتے ہیں صوفیائے کرام تقویٰ کی مثال اس طرح دیتے ہیں کہ جیسے کوئی شخص خار دار جھاڑیوں میں گزرنے لگے تو اپنے کپڑوں کو سمیٹتا ہوا نکل جاتا ہے۔ اسی طرح اس دنیا کے چمن زار میں سے اِس کی رنگینیوں، بُرائیوں اور مکروہات کے کانٹوں سے بچ کر نکل جانا بھی تقویٰ میں شامل ہوگا۔

روزے کی سخت ریاضتوں کا ثمر: روزے کی ریاضتوں کا مقصد یہ ہے کہ تم متقی بن جاؤ۔ اس سے مراد محض خورد و نوش وغیرہ سے پرہیز نہیں بلکہ نفس کی اصلاح اور اخلاقِ رذیلہ کا دور کرنا ہے۔ زندگی کی تمام آسائشوں اور ماکولات اور مشروبات کی موجودگی میں روزے دار ان سے محظوظ نہیں ہو سکتا۔ روزے دار سب سے چھپ کر غسل خانے میں جاکر پانی بھی پی سکتا ہے اور اگر وہ نہ پیئے تو وہ محض اپنے رب کے حکم کی پابندی کرتا ہے۔ روزہ ایک ایسی عبادت ہے کہ اِس کی حقیقت کا اظہار کسی اور پر نہیں ہو سکتا۔ اور انسان کی اِس عبادت کو فقط روزے

۔دار اور اس کا رب ہی جانتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ "روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دونگا" ایک دوسری حدیث میں ہے کہ میں نے اپنے روزے دار بندے کے لئے ایسا اجر متعین کر رکھا ہے جس کو کوئی نہیں جانتا۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ	پس کوئی شخص نہیں جانتا جو نعمتیں چھپا کر رکھی گئی ہیں
لَہُمْ مِّنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ جَزَآءً	ان کے لئے جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ یہ صلہ
بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝	ہے ان (اعمال حسنہ) کا جو وہ کیا کرتے تھے۔

اُخروی نعمتوں کے علاوہ روزے دار کو اس جہاں میں بھی بہت سے انعامات سے سرفراز کیا جاتا ہے جنکا ذکر آئندہ صفحات پر کیا جا رہا ہے۔ غور کا مقام ہے کہ جب ماہِ رمضان میں حلال چیزوں سے روکا جاتا ہے تو پھر روزے دار حرام چیزوں (چوری رشوت، بددیانتی، زنا وغیرہ) کے نزدیک کیسے بھٹک سکے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس ماہِ مبارک میں اس قدر تقویٰ اور پرہیزگاری کی تلقین کی جاتی ہے کہ روزے دار باقی ماندہ گیارہ مہینوں میں بھی اللہ سے ڈرتا رہے اور بُرائی کے نزدیک نہ جائے۔ جو لوگ روزہ تو رکھ لیتے ہیں مگر غیبت، نظر بازی، چوری وغیرہ سے باز نہیں رہتے تو اُن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ۔

مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَ	جو شخص روزہ رکھ کر جھوٹ بولنا اور
الْعَمَلَ بِہٖ فَلَیْسَ لِلّٰہِ حَاجَۃٌ فِیْ	اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑتا اور اگر اس نے
اَنْ یَّدَعَ طَعَامَہٗ وَشَرَابَہٗ	کھانا پینا ترک کر دیا ہے تو اللہ کے قریب

(بخاری۔ بروایت ابوہریرہؓ) اس کی کوئی قدر نہیں

وہ رحمتیں جو فقط ماہِ رمضان کا خاصہ ہیں

ماہِ رمضان سراپا رحمتوں کا خزینہ ہے۔ رمضان کا چاند نکلتے ہی رحمتوں کے نزول کا شروع ہو جانا اہلِ بصیرت سے پوشیدہ نہیں۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے

ماہِ رمضان کے روزے فرض کئے اور اس کی رات میں قیام کرنا تطوع یعنی نفل قرار دیا...... آپ نے فرمایا کہ اِس مہینے میں رزق بڑھایا جاتا ہے۔ جو اِس میں روزے دار کو افطار کرائے تو اُسے گناہوں کے لئے مغفرت ہے اور اُس کی گردن دوزخ سے آزاد کی جائے گی۔ اِس مہینے میں افطار کرانے والے کو اتنا ہی ثواب ملے گا جیساکہ روزہ رکھنے والے کو ملتا ہے بغیر اِس کے کہ اُس کے ثواب میں کوئی کمی واقع ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اِس مہینے کا ابتدائی (پہلا) حصہ رحمت اس کا درمیانی حصہ مغفرت اور اس کا آخری حصہ جہنم سے آزادی ہے۔ اس مہینے میں نازل ہونے والی چند برکات کا ذکر نیچے کیا جا رہا ہے۔

۱۔ نزولِ قرآن :۔ سورہ بقرہ کی آیت ۱۸۵ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے کہ جس میں قرآن نازل کیا گیا، گویا رمضان کی جملہ فضیلتوں میں سے جو الگ الگ بیان ہوئیں ایک یہ بھی ہے کہ اِس میں قرآن کا نزول وقوع پذیر ہوا۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ماہِ رمضان کو عبادات کے لئے، اِس لئے مخصوص کیا گیا کہ اس میں قرآن کا نزول شروع ہوا اور قرآن بھی وہ جو ھُدًی لِّلنَّاسِ ہے یعنی۔ جمیع بنی نوع انسان کے لئے ہدایت ہے اور اُن کے لئے ہادی و مرشد کا کام دیتا ہے اس قرآن میں وہ احکام ہیں جن سے حق اور باطل کھل جاتے ہیں چنانچہ اِس عظیم نعمت کا شکر ادا کرنا اِس ماہ میں رکھا گیا تاکہ اِس کا ایک ایک لمحہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے لگا دیا جائے۔ ان معانی کا اشارہ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ سے ظاہر ہے۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ میں شہود سے مراد دیکھنا اور صحیح جاننا دونوں ہیں یعنی ان دونوں میں سے ایک بھی ہو تو روزہ فرض ہو جاتا ہے اگر دُور دراز علاقوں میں چاند دیکھا جائے تو اُس کا اعتبار نہ ہوگا۔

صوفیہ کا قول ہے کہ یہ رمضان المبارک کا ہی مہینہ ہے کہ جس کی شان و شرافت میں قرآن پاک نازل ہوا۔ اور نزول کی ابتداء اسی مہینے میں ہوئی۔ یہ قرآن بتمامہ

رمضان مبارک کی شب قدر میں لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کی طرف اُتارا گیا اور بَیْتُ الْعِزَّتْ میں رہا جو اسی آسمان پر ایک مقام ہے۔ اور یہاں سے وقتاً فوقتاً، حسب اقتضائے حکمت جتنا جتنا منظورِ الٰہی ہوا، جبرئیل امین لاتے رہے۔ یہ نزول ۲۳ سال پانچ ماہ کے عرصے میں پورا ہوا۔

غنیۃ الطالبین (صفحہ ۲۵۳) میں ہے کہ شہاب بن طارق نے بروایت ابوذر غفاریؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ پر رمضان کی تین راتوں میں صحیفے نازل ہوئے۔ حضرت موسیٰؑ پر تورات بھی ماہِ رمضان میں جمعہ کی راتوں میں نازل ہوئی اور حضرت داؤدؑ پر زبور ۱۸ رمضان کی شب میں نازل ہوئی حضرت عیسیٰؑ پر انجیل ۱۳ رمضان کو نازل ہوئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن ۲۷ یا ۲۴ رمضان المبارک کو نازل ہوا۔

۲- <u>لیلۃ القدر کا وقوع</u> :۔ روایات میں ہے کہ پچھلی امتوں میں لوگوں کی عمریں بہت طویل ہوا کرتی تھیں اور کچھ لوگ ایک ہزار سال تک مسلسل جہاد میں شرکت کرتے رہے۔ صحابہ کرامؓ کو اس بات کی فکر دامن گیر ہوئی کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص شمعون اور اسی طرح دوسری امتوں کے کچھ لوگ طوالت عمر کے باعث، سینکڑوں سال جہاد اور دیگر عبادات میں مصروف رہنے کے سبب صحابہ کرام سے نیکیوں میں سبقت لے گئے ہیں۔ صحابہ کرام کا یہ خیال درست بھی تھا کیونکہ پہلے زمانے کے لوگوں کی عمریں ہزار سال سے بھی تجاوز کر جاتیں اور صحابہ کے زمانے میں عمریں سو سال سے شاید اور بایدہی تجاوز کرتیں۔ ایکدن اِس بات کا ذکر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور کیا گیا تو سورہ القدر نازل ہوئی جس میں آپ کی اُمت کو لیلۃ القدر عطا فرمائی گئی۔ احمد، نسائی اور مشکوٰۃ میں ہے کہ رمضان کی اِس ایک رات کی عبادت ایسی ہے جس کو ایک ہزار مہینوں سے بہتر قرار دیا گیا۔ (یعنی ۸۳ سال کی عبادت سے بڑھ کر) جو اس کی برکتوں سے محروم ہے وہ بے شک محروم ہے۔ اِس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت نیک اعمال کے اَجر میں باقی اُمتوں سے فائز تر کر دی گئی اور یہ سب رمضان

المبارک کی اِس ایک رات کی برکت ہے۔

مقامِ غور ہے کہ رمضان المبارک کو اس قدر شرف اس لئے ملا ہے کہ اس میں قرآن کو نازل کیا گیا اور جس رات قرآن نازل ہوا وہ ایک ہزار مہینوں سے بھی افضل قرار پائی لیکن وہ ذات جس پر قرآن نازل کیا گیا اور جس کی خاطر سب کچھ پیدا کیا گیا تو اس کی شان کس قدر بلند ہو گی؟ افسوس کی بات ہے کہ آپ کی شان اس قدر بلند ہونے کے باوجود آپ کی اُمت کے ہی کچھ افراد آپ کی شان میں اس قدر نازیبا کلمات کہہ جاتے ہیں کہ جو وہ اپنے کسی معمولی بزرگ کے متعلق بھی کہنا روا نہیں رکھتے۔

۳۔ رمضان میں مغفرتوں کا ہجوم حضرت ابوھریرہؓ کی روایت میں ہے کہ جس نے ایمان اور احتساب کے ساتھ روزے رکھے اس کے سب گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ بندوں کا استغفار پڑھنا تو ویسے بھی اللہ تعالیٰ کو بہت مرغوب ہے لیکن ماہِ رمضان میں تو حق تعالیٰ کا اندازِ مغفرت ہی جداگانہ ہوتا ہے۔

حضرت سلمان فارسیؓ سے مروی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان کا ابتدائی حصّہ رحمت ہے درمیانی حصّہ مغفرت اور اس کا آخری حصّہ جہنم سے آزادی ہے یعنی ماہِ رمضان سراسر بخششوں کا مہینہ ہے۔ احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ رمضان کی آخری رات میں اُمت کی مغفرت ہوتی ہے۔

راقم الحروف کا خیال ہے کہ اگر مسلمانوں کے اجتماعی افعال کو دیکھا جائے تو یہ قوم عتابِ الٰہی سے مقہور ہو جانے کے لائق تھی، مگر چونکہ ہر سال رمضان میں اللہ تعالیٰ اپنی مغفرت کو زیادہ فراخ کر دیتا ہے لہٰذا اس اُمت سے عتابِ الٰہی کو ٹال دیا جاتا ہے۔

اسکی وجہ غالباً یہ ہو سکتی ہے کہ بیشتر غفلت زدہ مسلمان بھی ماہ رمضان میں نماز و روزے کے پابند ہو جاتے ہیں اور اُن کے اِس والہانہ جذبے کو دیکھ کر غضبِ الٰہی سرد پڑ جاتا ہے۔

احادیث میں ہے کہ صلوٰۃِ تراویح کے بعد تسبیح اور رمضان کی راتوں میں درج ذیل استغفار پڑھنا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت پسندیدہ ہے لہٰذا اس استغفار کی خوب

کثرت کرنا چاہیئے۔ اگر وہ تین ہزار بار اس کو پڑھا جائے تو اس ماہ کی حرمت کے لائق ہوگا۔ وہ استغفار یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ	اے اللہ! تو درگزر کرنے والا ہے اور درگزر کرنے
الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنَّا یَا غَفُوْرُ	کو پسند کرتا ہے۔ اے درگزر کرنے والے
یَا غَفُوْرُ یَا غَفُوْرُ۔	اے درگزر کرنے والے اے درگزر کرنے والے

۴۔ اعتکاف کا عشرہ ماہِ رمضان کی ۲۱ ویں شب تا آخر رمضان کے عرصہ میں اعتکاف کرنا سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے (یعنی ایک محلہ میں اگر ایک شخص بھی مسجد میں اعتکاف کرلے تو سب کی طرف سے اس سنت کی ادائیگی ہو جائیگی۔) اعتکاف کے اوقات میں میں گذرا ہوا ہر ایک لمحہ عبادت میں شمار ہوتا ہے۔ اعتکاف کا بیان اس قدر طویل ہے کہ جس کا اس جگہ بیان کرنا ممکن نہیں لہٰذا اس کے لئے امام غزالی کی کتاب کیمیائے سعادت یا دوسری کسی کتاب کا مطالعہ کیا جائے۔

اعتکاف کے متعلق مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ روحانی کیفیات کی بلندی، ذکر و فکر کی تقویت اور خیالات کی یکسوئی اور فنا کی کیفیات کی مشق کرنے کیلئے اعتکاف ایک بلند مرتبہ عبادت ہے۔ اس سے حکمت اور معرفت الٰہی کے چشمے پھوٹنے لگتے ہیں، معتکف پر جلال خداوندی کے انوار نمودار ہونے لگتے ہیں، تصرف میں اضافہ اور قوتِ مشاہدہ میں ترقی ہونے لگتی ہے۔ بہت سے اسرار کا انکشاف ہونا بھی اعتکاف کی خصوصیات میں سے ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اعتکاف کرنیوالے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ادائے سُنّت کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ آپ بسا اوقات غارِ حرا میں کئی کئی دنوں تک اعتکاف فرمایا کرتے تھے کوئی بزرگ ایسا نہیں ہوگزرا جس نے طویل عرصے تک یا کئی کئی اعتکاف نہ کئے ہوں۔ اعتکاف کی اصل وہ آیت ہے جو سورہ مزمل میں نازل ہوئی ارشاد باری تعالیٰ ہے، وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا۔ یعنی سب کچھ چھوڑ کر اللہ سے لو لگا لو۔ ایسے کام کے لئے ہر کوئی جگہ مناسب نہیں ہوا کرتی کیونکہ شہروں میں لوگوں کی بداعمالیاں اور بدگفتاریاں پورے ماحول کو پراگندہ کر دیتی ہیں اور ان کے جسموں اور

کلام و کردار سے نکلی ہوئی شعاعیں ہر جگہ پہنچ چکی ہوتی ہیں۔ اِن سے صرف چند مقامات قدرے محفوظ ہوتے ہیں چنانچہ اعتکاف (اللہ سے لو لگانے) کیلئے مناسب مقامات وہ ہیں جو آبادیوں سے کچھ دور فاصلے پر ہوں لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے مگر آج کل مجبوری کی حالت میں محلہ کی مسجدوں کو بھی غنیمت سمجھا جاتا ہے کیونکہ یہ مسجدیں بھی کسی حد تک لوگوں کے شور و غوغا سے محفوظ ہوتی ہیں معتکف کو اعتکاف سے باہر جانے سے اسی لئے منع کیا جاتا ہے کہ معتکف باہر کے ماحول کے اثرات سے محفوظ رہ سکے۔

اعتکاف میں، گناہوں سے توبہ، استغفار کی کثرت، دنیا سے خلوت، خلوص میں اضافہ، راتوں کو آہ و زاری کا موقعہ، خوابوں اور عالمِ واقعہ میں بزرگوں سے ملاقاتوں کا اتفاق، مراقبہ کی پختگی، سیرِ آفاقی اور انفسی کے نوادرات، عروج و نزول کی مشقیں، حیرت اور محویت کی سعادتیں، تجلیاتِ الٰہی کا ورود، لیلۃ القدر کو پانے کے مواقع، سفر در وطن، خلوت در انجمن کی سعادتیں لوٹنے کے لئے حالات نہایت سازگار ہوتے ہیں۔ یہ تمام باتیں جنکا ذکر ہوا، ان کی حقیقت اولیائے کرام سے پوشیدہ نہیں لہذا خواہشمند حضرات اِن کی تفصیل کیلئے کسی کامل اور کامل راہ دان مرشد سے رجوع کریں کیونکہ اِنکا بیان طویل وضاحتوں کا طالب ہے۔

۵۔ جو ماہِ رمضان میں گناہ نہ بخشوائے بدبخت ہے حضرت کعب بن عجرہؓ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر کی پہلی سیڑھی پہ قدم رکھا تو فرمایا آمین۔ جب دوسری پر قدم رکھا تو فرمایا آمین اِسی طرح تیسری پر بھی آمین کہا۔ خطبے کے بعد صحابۂ کرام کے دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا اُس وقت جبرائیلؑ میرے سامنے آئے تھے تو اُنہوں نے کہا کہ "ہلاک ہو جائے وہ شخص جس نے رمضان کا مہینہ پایا پر اُس کی مغفرت نہ ہوئی میں نے کہا آمین۔ پھر اُنہوں نے کہا کہ ہلاک ہو جائے وہ شخص جس کے سامنے اُس کے والدین یا اُن میں سے کوئی ایک بڑھاپے میں ہو اور اُن کی خدمت سے جنت میں داخل نہ ہو سکے۔ میں نے کہا

آمین اور پھر اسی طرح فرمایا کہ ہلاک ہو جائے وہ شخص جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنا اور درود نہ پڑھا۔ میں نے کہا آمین۔

۶۔ قرآن اور رمضان روزِ قیامت شفاعت کریں گے: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلصِّیَامُ وَ الْقُرْآنُ یَشْفَعَانِ روزہ اور قرآن بندے کے لئے شفاعت کریں گے۔ روزہ کہے گا کہ اے رب میں نے اِسے دن میں کھانے اور رغبت کی چیزوں سے روکے رکھا۔ پس تو میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما قرآن کہے گا کہ میں نے اِسے رات کو سونے سے منع کیے رکھا تو میری سفارش قبول کر۔ فَیُشَفَّعَانِ پس دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی۔

روزے میں مخفی حکمتیں: روزے میں بے شمار حکمتیں پوشیدہ ہیں یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے میں ہر قوم پر روزے کی عبادت کو فرض قرار دیا گیا۔ روزے سے بے پناہ باطنی کیفیات اور روحانی مشاہدات حاصل ہوتے ہیں اور معرفت الٰہی کے حصول کے علاوہ اخلاق میں پاکیزگی اور طہارت پیدا ہوتی ہے روزے کا سب سے بڑا اعجاز یہ ہے کہ یہ روح اور جسم پر ایسے اثرات مرتب کرتا ہے کہ جن کی وجہ سے مسلمان کو بلند روحانی مقامات پر فائز کر دیا جاتا ہے۔ روزے کی چند اہم حکمتوں کا ذکر نیچے کیا جا رہا ہے۔

۱۔ روح جسم اور نفس کی تطہیر: عالمِ اجسام میں آنے سے پہلے، انسانوں کی روحیں کھانے، پینے، گناہوں اور برائیوں سے محفوظ تھیں جسموں کے اجزاء کا بھی یہی حال تھا مگر جب یہ دونوں اِس دنیا میں باہم مل گئے تو انسان غذاؤں کا حاجت مند ہوا۔ چنانچہ ضرورت تھی کہ پہلے کی طرح کچھ روز اُن کو غذاؤں سے محفوظ رکھا جاتا تاکہ (پہلے کی طرح) اِس دنیا میں بھی وہ گناہوں سے بچتے رہیں۔ روزہ اِس مقصد کی تکمیل میں مدد دیتا ہے۔

روزے کی ظاہری صورت تو بھوک، پیاس اور امورِ زوجیت سے رُکے

رہنا ہے۔ مگر اس کے باطنی اثرات میں خدا کی معرفت اور دیگر روحانی کمالات کا حاصل ہونا ہے۔ یہ معرفتِ حق صرف پاکیزہ ارواح کو حاصل ہوتی ہے۔ اس ضمن میں نفس اور روح کی حقیقتوں، الائشوں، بیماریوں اور بیماریوں کے علاج کا سمجھنا ایک ضروری امر ہے چنانچہ روح اور نفس کی کیفیات اور ان کی بیماریوں کی تفصیل بیان کی جارہی ہے۔

روح کی اصلیت روح کی جبلت نورانی ہے اور اس کو نورانی صفت پر پیدا کیا گیا ہے لہٰذ کی حقیقت اور اصلیت پاکیزگی، تزکیہ، تصفیہ اور طہارت پر ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ روح کی حقیقت ملائکہ جیسی صفات پر ہوتی ہے کیونکہ وہ امرِ ربیؔ (اللہ کا حکم) ہے اور اپنے خالق کو پہچانتی ہے۔ اس کا رجوع خالق کی طرف رہتا ہے وہ دنیا میں آکر جسم اور جسمانیت میں مقید ہوگئی ہے۔ اس کا اصل وطن عالمِ ارواح ہے۔ جب یہ اپنے وطن میں تھی تو ہمہ تن اپنے خالق اور پروردگار کی طرف متوجہ رہتی تھی مگر اس دنیا میں آکر یہ امورِ دنیا کی طرف متوجہ ہوگئی ہے جب یہ انسانی جسم میں آجاتی ہے تو مردہ جسم چلنے پھرنے اور بولنے لگتا ہے اور چیزوں کا ادراک کرنے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس کو نیکی اور بدی کے لئے موزوں کیا ہے۔ اور اِسے نیکی اور بدی پر اختیار حاصل ہوتا ہے۔

نفس کی کیفیت :۔ اللہ تعالیٰ نے دوسری مخلوقات کے برعکس نفس کو انسانی جبلت میں شامل کیا ہے اور انسان کو اسی نفس کی وجہ سے دوسری مخلوقات پر فضیلت عطا فرمائی۔ فرشتوں کے درجات میں ترقی اس لئے رُونما نہیں ہوتی کہ انہیں نفسانی خواہشات سے محروم رکھا گیا ہے۔ جس قدر نفس کی مخالفت کی جائے گی اُسی قدر انسانوں کے درجات بلند کیئے جائیں گے۔ راقم الحروف کی ایک تصنیف "اسلام اور روحانیت" میں "مقامِ آدم" کا ایک مضمون شامل کیا گیا ہے جس میں بنی نوع انسان کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے۔ راقم الحروف کی ایک اور کتاب "تہذیبِ نفس" میں نفس کی حقیقتوں اور اس کے احوال پر ایک مبسوط

بیان شامل کر دیا گیا ہے لہذا اگر تفصیل مطلوب ہو تو اُن کتب سے رجوع کیا جائے۔
یہاں پر خلاصہ کے طور پر کچھ معلومات بہم پہنچائی جا رہی ہیں۔

صوفیائے کرام اور مفسرین قرآن نے لکھا ہے کہ جب روح حیوانی اور روح انسانی کا تسویہ (دونوں کو باہم) کیا گیا تو جسم انسانی میں نفس پیدا ہوگیا اور اس کا جسم انسانی میں ایک مقام مقرر کر دیا گیا جسے مقام نفس کہتے ہیں اس نفس کی اصل نجاست اور خباثت پر ہے۔ تاریکی اس کی ذات کی صفت ہے۔ یہ انسان کو خواہشات کی پیروی کے لئے آمادہ کرنے کی قوی طاقت رکھتا ہے۔ اور یہ نفس ہی خواہشات کی آماجگاہ ہے۔ جسم چاہتا ہے کہ اسے کھلایا پلایا جائے اور دنیاوی عیش و عشرت اس کو میسّر ہوں۔ روح چاہتی ہے کہ وہ دنیا میں بھی عالم امر کی طرح اللہ کی طرف متوجہ رہے اور اُس کو پہچانے۔ اُس کی یہی خواہش رہتی ہے کہ وہ ہر وقت اطاعتِ الٰہی میں اُسی طرح سرگرداں رہے کہ جیسے کہ وہ بدن سے متعلق ہونے سے پہلے تھی۔ وہ بدن اور نفس کو اپنے تابع رکھنا اور جسم پر حکمرانی کرنا چاہتی ہے۔

حضرت مجدّد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ افسوس کا مقام ہے کہ روح نفس کی کمینگی سے متاثر ہو کر اور اُس کی ہمسائیگی میں رہ کر اس سے مغلوب ہو جاتی ہے اور جسمانی تقاضوں اور خواہشوں کے حصول میں لگ جاتی ہے۔ درحقیقت یہ روح کی بیماری ہے اور اس کا علاج نفس کی خواہشات کی مخالفت میں ہے۔ روح کی یہ مغلوبیت اور جسم کی خواہشات کی تکمیل میں کوشش کرنا یادِ الٰہی اور عبادت سے غفلت کا باعث بنتی ہے۔ روح کی یہ غفلت اُس کو اللہ کے قرب کے بجائے بُعد اور دوری میں لے جاتی ہے تاوقتیکہ وہ قلب کی ریاست کے تحت رہ کر اتباعِ الٰہی اور محض اتباعِ سنت کی عادی بن کر اطاعتِ باری تعالیٰ کی عادت پیدا نہ کرلے۔

<u>روزے میں روح کا علاج</u>:۔ حضرت مجدّد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

کہ یہ ریاضت دینیہ، مجاہدات شاقہ، شریعت کے احکام کی بجاآوری اور ذکر الٰہی کی تپش، روح کے علاج کا سبب بنتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ روزے کو عبادات میں ایک پُراثر مقام حاصل ہے اور حقیقت یہ ہے کہ روح کی اصلاح کرنا ہی روزے کی اصل حکمت ہے کیونکہ روزہ بھوک اور پیاس کے ہونے اور نفسانی خواہشوں کی نفی سے مخصوص ہے۔ اِس سے انسان کی روح کو تقویت پہنچتی ہے نفس کمزور ہوتا ہے اور عقل قوی ہو جاتی ہے۔ اِس کے ساتھ ہی روزے میں طمع اور لالچ بھی کم ہو جاتی ہے یہ روزہ روح کی بہترین غذاؤں میں ایک غذا ہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ روح جتنی عبادات اور ذکر الٰہی میں مشغولیت رکھے گی۔ اُتنی ہی زیادہ اِس میں قوت پیدا ہو گی اور لطافت بڑھے گی آپ نے فرمایا ہے کہ ایسا کرنے سے اُتنا ہی روح کا عالم امر سے تعلق بڑھ جائے گا۔ عالم امر لطیف مقامات میں سے ہے اور اِن مقامات میں روح کی پرواز اُسی وقت ہو گی جب یہ بھی عبادت اور مجاہدات سے لطافت حاصل کرلے گی۔ اِس عروج کے باعث اُس کو رفعت نصیب ہو گی اور اسرارِ الٰہی اُس پر منکشف ہو جائیں گے۔ وہ روحانی قوت جو ذکر و فکر اور عبادات میں انہماک سے پیدا ہوتی ہے نفس پر آسانی سے غالب آجاتی ہے کیونکہ روح کی قوت کے مقابلے میں نفس بہت کمزور اور لاغر نظر آتا ہے۔ اِس کے برعکس جب عبادات میں غفلت ہو جائے تو نفسانی قوت زور پکڑ جاتی ہے اور انسان کو شیطانی کاموں میں پھنسا دیتی ہے۔ پھر بدن کی طرح روح بھی اِن کاموں میں خوشی اور مسرت محسوس کرنے لگتا ہے اور انسان گناہوں میں اُلجھ جاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ سے بہت دُور جا بھٹکتا ہے۔

روزے میں نفس کا علاج روزے میں اعتدال مدِنظر رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ میانہ روی نفس کے لئے بہت موزوں ہے۔ نفس کو نہ تو مار دینا ممکن ہے اور نہ ہی اُس کو شتر بے مہار کی طرح چھوڑنا درست ہے۔ نفس کو جب

زیادہ تکلیف پہنچے یا زیادہ راحت وسکون میسر ہو تو دونوں حالتوں میں انسان کو گمراہ کردیتا ہے۔ اس لئے اسلام میں نفس پر نہ تو زیادہ سختی کی جاتی ہے اور نہ اس کو شُترِ بے مہار کی طرح چھوڑا جاتا ہے۔ نفس کے فساد کی صورت اس وقت رونما ہوتی ہے جب اُس کی ناجائز خواہشات پوری کی جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ہر جگہ پر حدُود مقرر کی ہیں۔ نفس کی ایک خواہش پوری ہو جائے تو یہ بڑی لمبی فہرست تیار کرلیتا ہے جو گمراہی کے گڑھے میں اُس کو لے ڈوبتی ہے۔ نفس کی خواہشات میں سے جنسی لذات، تونگری کی خواہش بڑائی کی تمنا۔ تکبر۔ حسد۔ کینہ۔ بغض، خودپسندی، ریاکاری وغیرہ ہیں اور اِن کا بہترین علاج روزہ کی ریاضت اور مشقت میں ہے۔ جب اِس کی اصلاح ہو جائے تو یہ نفس ایسے گھوڑے کا کام دیتا ہے کہ جس پر سالکینِ راہِ خدا سوار ہو کر بلند روحانی منزلوں کو طے کرلیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فرشتے نفس کی محرومی کے باعث اپنے درجات میں بلندیوں کو حاصل نہیں کرپاتے

۲۔ **روزوں کی بھوک میں بے بہا کمالات کا ہونا:** بھوک میں مخفی حکمتوں کا بیان "تہذیبِ نفس" میں تفصیل کے ساتھ شامل کردیا گیا ہے۔ یہاں بھوک سے متعلق چند ضروری نکات بیان کیئے جارہے ہیں۔

روزے میں کھانے پینے سے ممانعت کی گئی ہے اور روزے دار کو بھوکا، پیاسا رہنے پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ یہ بھوک پیاس نفس کے خلاف بہت بڑا جہاد ہے اور اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کو کوئی اور عمل محبوب نہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ کھانے پینے کی کثرت سے اپنے دلوں کو نہ مارو کیونکہ زیادہ کھانے پینے سے دل مر جاتا ہے جس طرح پانی کی کثرت سے کھیتی مرجاتی ہے آپ نے فرمایا کہ افعالِ نیک کی سردار بھوک ہے۔ پرانا کپڑا پہننا اور آدھا پیٹ خالی رکھنا خاصۂ پیغمبری ہے۔ جب غذاؤں سے پرورش نہ ہو تو خواہشات ضعیف ہو جاتی ہیں، عقلی قوت بڑھ جاتی ہے، نفس کا تصرّف وزور، ٹوٹ جاتا ہے، خواہشات فنا ہونے لگتی ہیں اور مرید کی تمام مرادیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ شیطان بنی آدم میں خون کی طرح چلتا ہے اس لئے فاقہ کے ذریعے اس کے بہاؤ کو تنگ کرو۔ حضرت داتا گنج بخش ؒ نے ایک حدیث کو کشف المحجوب میں نقل کیا ہے جسے قارئین کے ذوق کیلئے پیش کیا جا رہا ہے۔

جیعوا بطونکم۔ دعوا الحرص	اپنے پیٹوں کو بھوکا رکھو۔ حرص چھوڑ
واعروا اجسادکم۔ قصروا الامل	دو۔ بدن ننگے رکھو۔ امیدیں کم کرو
واظمئوا اکبادکم۔ دعوا الدنیا۔	اپنے جگروں کو پیاسا رکھو۔ دنیا کو چھوڑ
لعلکم ترون اللہ بقلوبکم	دو۔ تاکہ تم اللہ کو دل کی آنکھوں سے
(حدیث)	دیکھ سکو۔

یہاں پر دنیا کو چھوڑنے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا صرف ہاتھوں میں رہے اور دل میں نہ رہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنی دعا میں یہی فرمایا کرتے تھے حضرت داتا گنج بخش ؒ نے لکھا ہے کہ بھوک کو بہت شرف حاصل ہے اور تمام امتوں میں پسندیدہ ہے آپ نے لکھا ہے :۔

الجوع للنفس خضوع وللقلب خشوع۔	بھوک نفس کے لئے خضوع اور قلب کے لئے خشوع ہے۔

ایک حدیث شریف میں لکھا ہے کہ بھوکا پیٹ اللہ تعالیٰ کو ستر عابد عاقلوں سے زیادہ پیارا ہے۔ (البطن جائع احب الی اللہ تعالیٰ من سبعین عابد عاقل) صوفیا کا قول ہے کہ بھوک صدیقین کا طعام اور مریدین کا مسلک اور شیاطین کو قید کرنے والی چیز ہے (الجوع طعام الصدیقین ومسلک المریدین وقید الشیاطین)۔ حضرت معروف کرخی ؒ نے فرمایا کہ جب تو روزہ رکھے تو اس بات کا خیال رکھ کہ کس چیز سے افطار کرتا ہے کس کے پاس افطار کرتا ہے اور کس کے کھانے سے افطار کرتا ہے کیونکہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک خراب لقمہ سے دل کی کیفیت خراب ہو جاتی ہے اور پھر ساری عمر وہ اپنی اصلی حالت پر نہیں آسکتا۔ کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک خراب لقمہ پیٹ میں جانے سے ایک سال کے عرصے تک انسان تہجد کی نماز ادا کرنے سے محروم

ہو جاتا ہے اور کبھی ایک غلط نظر ڈالنے پر بندہ ایک عرصہ تک تلاوتِ قرآن پاک سے محروم ہو جاتا ہے۔

صوفیاء کا قول ہے کہ بھوک سے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے عبادت میں لذت ملتی ہے جبکہ شکم سیری سے دل میں سختی پیدا ہو جاتی ہے حضرت عبدالواحد بن زیدؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو دوست نہیں بنایا سوا اس کے جو بھوکا رہا ہو اور کوئی شخص پانی پر نہ چل سکا سوا اس کے جو بھوکا رہا ہو اور کوئی شخص (اڑ کر) زمین کو طے نہ کر سکا سوا اس کے جو بھوکا رہا ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ وہ چالیس ایام جن میں حضرت موسیٰؑ اللہ سے ہم کلام رہے بھوکے رہے۔ اسی لئے بزرگوں نے فرمایا۔ "اَلْجُوْعُ رَأْسُ مَالِنَا" یعنی بھوک ہمارا سرمایہ ہے۔

بھوک کے سبب انسان بہت سی بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے مدینہ شریف میں ایک نووارد طبیب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جب سے اس نے مدینہ شریف میں مطب شروع کیا ہے اس نے یہاں پر مریضوں کی تعداد کو بہت کم پایا ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نحن قوم لا نا کل حتی نجوع و اذا اکلنا لا نشبع۔ — ہم ایسی قوم ہیں کہ جو کچھ نہیں کھاتے جب تک بھوک نہ لگے اور جب کھاتے ہیں تو پیٹ بھر کے نہیں کھاتے۔

۳۔ روزے میں متفرق مخفی حکمتیں: روزے کے دیگر مخفی حکمتوں کو اختصار کے ساتھ نیچے دیا جا رہا ہے:

۱۔ روزے سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان میں تقویت ہوتی ہے، خوفِ خدا بڑھتا ہے جبھی تو روزے دار تنہائی میں ہر حلال چیز سے بھی بچتا ہے۔

۲۔ روزے سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے اور روزے دار ہر اس بری چیز سے بچتا ہے جس سے روزہ ٹوٹ جائے اس طرح وہ مقربِ الٰہی بن جاتا ہے۔

۳۔ روزہ پابندیٔ اوقات کا سبق دیتا ہے احتیاط کے ساتھ کھانا دانے

میں خون کا دباؤ کم کر دیتا ہے اور حافظہ اچھی طرح کام کرنا شروع کر دیتا ہے۔

۴۔ چھ چیزوں کا جواب صرف روزے میں موجود ہے۔ ۱۔ بدن کی شفا اور صحت کی حفاظت (۲) حافظے کی قوت کے لئے۔ بہترین چیز ہونا کہ جس سے علم ذہن میں محفوظ رہے (۳) دنیا کی لذتوں سے بے رغبتی کے لئے کارآمد ہونا۔(۴) جو چیز عقل کو زیادہ کرے (۵) جو چیز عبادت کی طرف مائل کرے (۶) وہ عمدہ چیز جو کھانے کو لذیذ سے لذیذ تر بنا دے۔

۵۔ گناہوں کے خوگر شخص کو روزے کی بھٹی کی ضرورت ہوتی ہے جس سے اس کی یہ آلائشیں دور ہو جاتی ہیں۔

۶۔ روزہ بدن کی زکوٰۃ ہے اور نصف صبر ہے۔

۷۔ نفلی روزے سے بے انتہا ثواب ملتا ہے اور فرض روزے کے اجر کا اندازہ تو قیامت کے دن ہی ہو سکتا ہے۔

۸۔ درج ذیل پانچ چیزیں صرف امتِ محمدیہ کو عطا کی گئیں۔

(ا)۔ پہلی رمضان کی رات کو اللہ تعالیٰ روزہ رکھنے والوں کی طرف خاص نظر کرتا ہے اور جس پر وہ نظر فرمائے تو اُسے عذاب نہیں ہوتا۔

(ب) روزے دار کے مُنہ کی بو اللہ کے نزدیک مُشک اور عنبر سے بھی زیادہ عزیز ہے۔

(ج) فرشتے روزے داروں کے لئے استغفار کرتے ہیں۔

(د) جنت کو روزے دار کے لئے مزیّن کیا جاتا ہے۔

(ح) آخری رات میں اللہ تعالیٰ روزے داروں کے گناہوں کی مغفرت فرما دیتا ہے۔

۹۔ عیدالفطر کی رات جسے لیلۃ الجائزہ کہتے ہیں، میں اللہ تعالیٰ روزے داروں کو اُن کی عبادات قبول ہونے یا نہ ہونے کا انعام کرتا ہے اس صورت میں جبکہ روزے دار اللہ تعالیٰ کی طرف مراقب ہوتے ہیں۔ (عید رات

میں عشاء کے بعد مراقبہ کرے اور اللہ سے اپنی عبادات کے متعلق دریافت کرے تو خواب میں یا عالم واقعہ میں اس کو جواب ملتا ہے ۔)

۱۰۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین آدمیوں کی دعا رد نہیں ہوتی، ایک روزہ دار کی افطار کے وقت دوسرے عادل بادشاہ کی تیسرے مظلوم کی دعا جس کو حق تعالیٰ بادلوں سے اوپر اٹھا لیتا ہے اور آسمان کے دروازے اس کے لئے کھول دیئے جاتے ہیں ۔

۱۱۔ روزہ انسان کو دوزخ سے ڈھال کی طرح بچائے گا ۔

۱۲۔ روزہ دار کے لئے دو فرحتیں ہیں ایک افطاری کے وقت اور ایک اپنے رب سے ملاقات کے وقت (کیونکہ اطاعت خداوندی کے باعث اسے اللہ کی لقاء حاصل ہوتی ہے)

ماہِ رمضان کے چند امتیازات جو کچھ اس باب میں بیان ہو چکا ہے اس کا ہر حرف ماہِ رمضان کی خصوصیت اور امتیازی شان کو ظاہر کر رہا ہے ۔ لیلۃ المبارک کا پایا جانا، قرآن مبارک کا نازل ہونا اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور مغفرتوں کی افراط کا ہونا کوئی معمولی بات نہیں اللہ تعالیٰ کی ان عنایات پر سارا سال بھی شکر ادا کیا جائے تب بھی ان نعمتوں کا حق ادا نہیں ہو سکتا ۔ مزید چند نکات کو قارئین کی نذر کیا جا رہا ہے ۔

۱۔ ماہِ رمضان میں دوزخ کے دروازے بند اور جنت کے دروازے کھلنا ۔

احادیث میں ہے کہ اس ماہ میں دوزخ کے دروازے بند اور اللہ کی رحمت کے وہ دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جو تمام سال بند رہتے ہیں یاد رہے کہ کچھ دروازے تو ہر وقت کھلے رہتے ہیں اور کچھ کبھی کبھی اور خاص وقتوں میں کھولے جاتے ہیں جن میں سے تجلیات، انوار، رزاقی جوہر اور آسمانی مخلوق کا زمین پر نازل ہونا قابل ذکر ہے ۔ سورۃ القدر میں ملائکہ اور روح کا نازل ہونا انہی بند دروازوں سے مراد ہے اولیاء کرام ان دروازوں کا مشاہدہ بھی کرتے ہیں ۔

جنت کے دروازے کھولنے سے مُراد رحمت کا پے در پے بھیجا جانا اور بغیر کسی رکاوٹ کے اعمال کا بارگاہِ الٰہی میں پہنچنا اور دعاؤں کا قبول ہونا بھی ہے۔
احادیث میں ہے کہ اس ماہ میں جنت کو آراستہ کیا جاتا ہے اور درج بالا بند دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اِن دروازوں کے کھلنے سے مراد نیک اعمال کی توفیق ہونا ہے اور دوزخ کے دروازے بند ہونے کا مطلب گناہوں پر اُکسانے والی چیزوں سے نجات پانا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں ان میں سے ایک "الریّان" ہے جس میں سے روزے دار کے علاوہ اور کوئی نہیں گزر سکتا۔

۳- **ابلیس کا قید ہونا** اِس ماہ میں ابلیس کو قید کر لیا جاتا ہے۔ اور اس ماہ میں جو گناہ کئے جاتے ہیں وہ نفسِ اَمّارہ یا انسان کے ساتھی شیطان (قرین) کے بہکانے سے ہوتے ہیں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ گزشتہ ایّام میں اثر انداز ہونے والی شیاطین کی صحبت لوگوں کے دل و دماغ پر منقّش ہو جانے کی وجہ سے انسان اِس ماہ میں بھی بُرائیوں پر آمادہ رہتا ہے۔ اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے۔ کہ آٹا پیسنے والی "۔ ن۔ (چکی") میں برقی رو کو بند کر دینے کے بعد بھی اُس کا پٹہ کچھ دیر تک حرکت میں رہتا ہے۔

۴- **اعمال کے اجر میں بے پناہ اضافہ ہونا** احادیثِ صحیحہ سے یہ بات ثابت ہے کہ رمضان المبارک میں ادا ہونے والے نوافل کا ثواب عام مہینوں میں ادا ہونے والے فرائض کے برابر ہوتا ہے اور ایک فرض کی ادا کرنے کا ثواب دوسرے مہینوں میں ادا ہونے والے ستر "فرائض کے برابر ہوتا ہے لہٰذا لوگ کوشش کرتے ہیں کہ اِس ماہِ مبارک میں زیادہ سے زیادہ وقت عبادات میں گزارا جائے۔

۵- **قبولیتِ دُعا** رمضان المبارک میں لیلۃ القدر اور آخری تہائی حصّہ کی طاق راتیں قبولیتِ دُعا کے لئے مشہور ہیں۔ ویسے بھی ماہِ رمضان میں عام طور پر قبولیتِ دعا کے امکانات زیادہ روشن ہوتے ہیں۔ احادیث میں ہے کہ سحری کے بعد اور افطاری کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔

۶- **ماہ رمضان وہ رحمت ہے جو گھر گھر دستک دیتی ہے** حج اور نماز وغیرہ

کے لئے ہم خانہ کعبہ یا مسجدوں میں جاتے ہیں اور یہ مقامات ایسے ہیں کہ لوگوں کو اپنے پاس بلاکر رحمتیں بانٹتے ہیں مگر ماہِ رمضان ہر جگہ خود آتا ہے اور گھر گھر آکر اللہ کی رحمتوں کو بانٹتا ہے۔ باقی مہینوں میں چند دن متبرک اور اہمیت کے حامل ہوتے ہیں مگر یہ مہینہ پورے کا پورا فضیلت کا حامل ہے۔

۷۔ درجات میں اضافہ جس طرح بھٹی سونے کو پگھلاکر پاک صاف کر دیتی ہے اِس طرح یہ مہینہ بھی بھوک اور پیاس کی بھٹی میں لوگوں کے گناہوں کو جلاکر اُنہیں پاک کر دیتا ہے اور درجات بڑھا دیتا ہے۔

۸۔ قرآن نے صرف ماہِ رمضان کا نام صراحتاً لیا ہے قرآن میں سوائے ماہِ رمضان کے کسی دوسرے مہینے کا نام صراحتاً نہیں لیا گیا ہے جیسے عورتوں میں بی بی مریمؑ اور صحابہ میں حضرت زیدؓ کا نام لیا گیا ہے۔

مسائل روزہ مسائل روزہ کے لئے کتب متعلقہ کا مطالعہ کریں۔ یہاں صرف چند مسائل بیان کئے جا رہے ہیں۔

ا۔ وہ چیزیں جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے :۔ جن باتوں سے روزہ ٹوٹ جائے اور اس کے ٹوٹنے پر کفارہ لازم ہوتا ہے وہ یہ ہیں

i۔ قصداً کھانے پینے اور جماع سے۔

ii۔ بغیر شرعی عذر کے روزہ توڑ دینا۔

iii۔ پان یا ذائقہ دار چیز کو منہ میں ڈالنا۔

iv۔ حقہ اور سگریٹ پینا۔

v۔ دانتوں سے زیادہ خون نکلنا اور اس کا حلق تک چلے جانا۔

vi۔ روزہ رکھ کر دانت نکلوانا۔

vii۔ کان میں پانی ڈالنا (خود بخود پانی چلا جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا)۔

viii۔ قے آنا۔

ix۔ گہرے زخم پر دوائی کا لگانا۔ (اگر جلد پر کم گہرا زخم ہو تو کوئی حرج نہیں)

۷۔ سوتے میں کسی چیز کا اندر چلا جانا مثلاً سوتے میں کوئی منہ میں پانی ڈالے یا بارش کا پانی اندر چلا جائے۔

کفارہ۔ قصداً روزہ توڑنے کا کفارہ ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا ہے ورنہ ۲ ماہ مسلسل (پے درپے) روزے رکھے اور اگر طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلائے یا ساٹھ دن تک ایک مسکین کو دو وقت کھانا کھلائے۔

(ب) سفر میں روزہ کا حکم :۔ سفر اور مرض میں روزہ قضا کیا جا سکتا ہے۔ احناف کے نزدیک سفر سے مراد تین روز کا سفر ہے جس کا اندازہ ۴۸ میل ہے خواہ یہ مسافت ایک گھنٹہ میں طے کر لیں۔ ایسے سفر میں افطار کی اجازت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں کبھی روزہ رکھا کبھی نہیں رکھا۔ سفر جہاد میں روزہ کے افطار کا حکم ہے فتح مکہ کے موقع پر آپ نے اصحابؓ کو فرمایا "آج جنگ کا دن ہے روزہ افطار کر لو"۔

ج۔ مریض اور روزہ :۔ مریض ظن سے روزہ نہ چھوڑے جب تک اسے معلوم نہ ہو کہ اس حالت میں اس کو تکلیف ہوتی ہے البتہ اگر طبیب کہہ دے کہ روزہ رکھنے سے نقصان ہوگا تب چھوڑ سکتا ہے۔ مریض وہ ہے جسے روزہ رکھنے سے ہلاکت یا مرض بڑھنے کا خطرہ ہو۔ شیخ فانی بھی روزہ نہ رکھے تو حرج نہیں۔

شیخ فانی :۔ فقہ میں شیخ فانی وہ ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو اور آئندہ قوت حاصل ہونے کی امید بھی نہ ہو تو اسے فدیہ (دو وقت کا کھانا) دینا چاہیئے۔

(د) بچے والی عورت کا روزہ عورت کو بچے کی جان یا اس کے بیمار ہونے کا اندیشہ ہو تو افطار کر سکتی ہے اسی طرح بوڑھا، دائم المریض، حاملہ عورت، دودھ پلانے والی عورت کے لئے رعایت ہے (مگر اس صورت میں حاملہ اور دودھ پلانے والی کو روزے قضا کرنے کا حکم ہے)۔

(ح) روزے کی قضا :۔ بیمار جب تندرست ہو جائے عورت حیض کے بعد اور مسافر سفر کے بعد ترک شدہ روزوں کی قضا کرے۔ دونوں عیدیں،

(عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ) اور ذوالحج کی گیارہویں، بارھویں اور تیرھویں تاریخوں کو قصداً روزے رکھنے منع ہیں۔

(د) روزہ قضا ہو جانے کی صورتیں :- غیر ارادی طور پر یا شرعی عذر سے روزہ توڑ دیا جائے یا ٹوٹ جائے تو اس ایک روزے کے بدلے ایک روزہ ماہِ رمضان کے بعد رکھ لیا جائے۔ لیکن رمضان کے بعد اگرچہ کتنے ہی روزے رکھ لئے جائیں رمضان میں ترک ہونے والے ایک روزے کے برابر نہیں ہو سکتے۔ ایسی صورتیں جن پر صرف قضا واجب ہے حسب ذیل ہیں :-

۱۔ غسل میں یا وضو میں غیر ارادی طور پر پانی حلق کے نیچے اتر جانے سے۔
۲۔ حالتِ مجبوری میں اگر کسی چیز کا ذائقہ چکھے اور وہ حلق سے نیچے اتر جائے (لیکن اگر حلق میں جانے سے پہلے تھوک دے تو حرج نہیں)
۳۔ کوئی حادثہ ہو جائے اور لوگ منہ میں پانی ڈال دیں۔
۴۔ کوئی اگر بھول کر کھالے یا احتلام ہونے پر یہ سمجھ کر روزہ ٹوٹ گیا اور کھانے پینے لگے۔
۵۔ بے علمی میں سحری کے وقت دیر تک کھاتا رہا حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔
۶۔ غلطی سے قبل از وقت افطار کرنے سے۔
۷۔ جابر شخص اگر زبردستی روزہ تڑوا دے یا جان بچانے کیلئے توڑنا پڑے۔
۸۔ حقنہ کرے، ناک میں دوا چڑھانے اور کان میں تیل یا دوا ڈالنے سے
۹۔ حیض و نفاس کیوجہ سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

(ذ) روزہ نہ ٹوٹنے کی صورتیں :- جن باتوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا وہ حسب ذیل ہیں :-

۱۔ بھول کر کھانا۔
۲۔ خود بخود قے آنا (قصداً قے کر لینے سے روزہ کی قضا واجب ہے (ترمذی ابوداؤد)۔

۴۔ سرمہ لگانا۔ (۵) نہانا اور سر پر پانی ڈالنا۔ ۵۔ خوشبو لگانا۔ ۶۔ بالوں اور جسم پر تیل لگانا۔ ۷۔ احتلام ہونا۔ ۸۔ مسواک کرنا۔ ۹۔ تھوک نگلنا۔ ۱۰۔ دانتوں میں پھنسی ہوئی معمولی چیز کا حلق میں جانا۔ ۱۱۔ گرد و غبار یا مکھی کا حلق میں چلا جانا۔ ۱۲۔ مسواک کے دوران خون نکلنے سے اگر خون کم ہو اور ذائقہ محسوس نہ ہو، خواہ حلق میں چلا جائے۔ ۱۳۔ بیوی کے ساتھ قربت کرنے سے اگر انزال نہ ہو۔

(ک) سحری اور افطار کی دعائیں :۔

سحری کی دعا :۔ وَبِصَوْمِ غَدٍ نَّوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ ۔

افطار کی دعا : اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ لَكَ صُمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ ۔

پابندیِ صوم کیلئے چند نکات

اس بیان سے قبل پابندیِ صلوٰۃ کے آسان طریقوں کا ذکر ہوا اور اس میں پیش کردہ نکات پر عمل کرنے سے ہزاروں مسلمان نماز کی پابندی سے متمتع ہو چکے ہیں۔ یہاں پر پابندیِ صوم کے کچھ نکات پیش کئے جا رہے ہیں تاکہ لوگ اس سے بھی فائدہ حاصل کر سکیں۔

ایک حقیقت :۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ماہِ رمضان میں اللہ تعالیٰ کے انوار اور رحمتوں کی کچھ ایسی بارش ہوا کرتی ہے کہ سوائے چند نہایت بدقسمت لوگوں کے باقی ہر شخص روزے رکھنے کے لئے بے چین ہو جاتا ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ تقریباً ۸۰ یا ۹۰ فیصد لوگ پہلا روزہ تو ضرور رکھ لیتے ہیں، کچھ لوگ تیسرے یا چوتھے روزے کے بعد فرار اختیار کر لیتے ہیں۔ اس سے یہ بات کھلتی ہے کہ روزے کی ترغیب اور لگن تو ہر دل میں ہوتی ہی ہے مگر کم ہمتی کے آثار دیکھنے کے بعد کچھ لوگ روزے سے متعلق عذر پیش کرنے لگتے ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ روزہ رکھنے کے شوق کو ابھارا جائے اور اس کی راہ

میں حائل رکاوٹوں کا جائزہ لیکر انکا علاج کیا جائے - اِن دونوں باتوں کا خاطرخواہ حل نیچے دیا جارہا ہے -

اپنے ذوقِ عبادت کی پرورش کریں | انسان کی روح کا یہ خاصہ ہے کہ اس کی زندگی خواہ کتنی ہی سیاہ بخت کیوں نہ ہو جائے مگر اُس کی روح بُرے کاموں پر ملامت اور اچھے کاموں کیلئے خواہشمند رہتی ہے - یہ اس لئے کہ عالم ارواح میں روحیں ہمہ تن اور ہمہ وقت مشاہدۂ الٰہی میں مشغول رہتی تھیں اور نورانی صفت ہونے کی وجہ سے وہ پاکیزگی، طہارت اور رغبت الی اللہ کے سوا کچھ نہیں چاہتی تھیں مگر اس دنیا میں آکر نفس کے اثرات سے وہ دنیاوی آلائشوں میں گرفتار ہو گئی ہیں چنانچہ یہ دیکھا گیا ہے کہ جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا ہے اور روح کو انوار الٰہی سے سیرابی ہوتی ہے تو ہر مسلمان نماز اور روزہ کی طرف مائل ہو جاتا ہے - یہ حقیقت ہے کہ بہت سے لوگ رمضان کے انوار سے متاثر ہونے کے بعد پابندیٔ صوم وصلوٰۃ کو ترک نہیں کرتے اور بیشتر لوگ رمضان المبارک کی برکت سے ہی پکے نمازی بن جاتے ہیں اس ذوق وشوق کی پرورش کیلئے حسب ذیل باتوں کی طرف توجہ دینے کی سفارش کی جاتی ہے -

۱ - معلوماتِ دینیہ میں اضافہ :- راقم الحروف کا ایمان ہے کہ اگر کوئی شخص اُن تمام بنیادی علوم کا مطالعہ کرے جو احیائے ایمان یا تقویتِ قلوب کیلئے ضروری ہیں تو حقیقتِ حال سے آگاہی کے بعد اُس کی آنکھیں کھل جاتیں ہیں اور ایسا شخص بے دینی سے کبھی سمجھوتہ نہیں کرسکتا - (اس سلسلے میں نشانِ منزل کی زیرِ نظر جلد اور "سرمایۂ ملت" "مسلمان کا علمی نصاب" اور "ملتِ اسلامیہ کا چراغ" بہت مددگار ثابت ہوسکتے ہیں -)

۲ - نیک مجلس میں حاضری | نیک مجالس میں اولیائے کرام کی صحبت سے جب روح کی بیماریوں کا علاج، علم میں اضافہ اور کشفِ اسرار حاصل ہوتا ہے تو انسان کی قسمت بدل جاتی ہے -

۳ - نیکی کی طرف مسلسل رجوع :- اس کتاب کے باب تخلیق آدم میں

"انسان کن باتوں پر قادر ہے" کے عنوان سے پیش کردہ عبارت کا مطالعہ کیا جائے اور اپنے دل میں اللہ تعالیٰ سے اِن عبادات کی طرف رغبت حاصل ہونے کی سچے دل سے خواہش کی جائے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق لازمی طور پر حاصل ہو جائیگی۔

روزے کی راہ میں رکاوٹیں اور اُن کا علاج :- روزے دار کو روزے کی راہ میں بالعموم جو رکاوٹیں محسوس ہوتی ہیں اُن کو دُور کرنا کوئی بڑی بات نہیں۔ اگر مشکلات کو دور کرنے کا ارادہ کر لیا جائے تو سالک اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ ممکنہ مشکلات پر گفتگو ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) شدتِ گرمی کا احساس :- گرمیوں کے روزے بہت سخت ، ہوتے ہیں۔ کوئی جی دار شخص ہی اِنکا اہتمام کرتا ہے۔ نازک مزاج اور کم حوصلہ لوگ پیاس اور بھوک کو برداشت کرنے کے خیال سے ہی کانپ اٹھتے ہیں۔ اس کا سدِ باب اِس طرح ہو سکتا ہے کہ دل میں روزے رکھنے کا عزم مصمم کر لیا جائے اور سچے دل سے اِس کی طلب کی جائے تو اللہ تعالیٰ اتنی توفیق عطا کر دیتے ہیں کہ سخت گرمی میں اپنی طرف سے صبر اور برداشت دل میں پیدا کر دیتے ہیں۔ اگر ارادہ مضبوط ہو اور اللہ کی طرف سے توفیق شامل ہو جائے۔ تو سخت سے سخت گرمی کی بھوک پیاس کو برداشت کرنے کی قوتِ ارادی آسانی سے حاصل ہو جاتی ہے اِس کے علاوہ یہ سوچنا چاہیئے کہ صحابہ کرام جنگ بدر میں سخت گرمیوں میں کفار سے لڑتے رہے اور روزے بھی رکھتے رہے۔ ہمارے ہاں تو اِس قدر گرمی نہیں اور پھر ہمیں طرح طرح کی سہولتیں اور آرام بھی میسر ہیں۔ افسوس ہے کہ اتنے اچھے حالات میں بھی ہم بھوک اور پیاس کو برداشت نہ کریں۔ اگر دل کو پھر بھی احساس نہ ہو تو یاد رکھیں کہ قرآن نے کہا ہے کہ جہنم کی گرمی کو جو اِس گرمی سے بہت زیادہ ہے کیسے برداشت کرو گے ؟ بہتر ہو گا کہ ابھی سے دل کو سمجھا لیا جائے اور جہنم کی گرمی سے بچنے کا سامان پیدا کر لیا جائے :-

(۲) پیاس اور بھُوک کی شدت :- کچھ لوگ ایک آدھ روزہ رکھ لیں تو

شدتِ گرمی اور بھوک و پیاس کی شکل کو دیکھ کر روزہ رکھنے کا ارادہ ترک کر دیتے ہیں اور پورا ماہِ رمضان اس کے نزدیک نہیں جاتے۔ یہ محض اس لئے ہوتا ہے کہ وہ قوت ایمان کے نہ ہونے اور نزاکتِ طبع کے باعث برداشت کی طاقت سے محروم ہوتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ خوراک کا کم یا زیادہ کھانا انسان کی ارادی قوت پر منحصر ہے۔ حضرت داتا گنج بخش ؒ نے کشف المحجوب میں لکھا ہے کہ کچھ لوگ تین دن کے بعد اور کچھ پندرہ دن کے بعد کھانا تناول فرماتے ہیں۔ آپ نے لکھا ہے کہ کچھ لوگ تو سالوں تک بھی کچھ تناول نہیں فرماتے۔ راقم الحروف اپنے اوائل عمری میں رمضان کے دنوں میں سحری میں زیادہ سے زیادہ اشیائے خورد و نوش اسلئے تناول کرتا کہ دن کو بھوک محسوس نہ ہو لیکن کچھ عرصے بعد جب اس بات کی حقیقت افشا ہوئی تو یہ بات مشاہدے میں آئی کہ ہمارے کچھ ساتھی افسر صرف ایک پیالی چائے پر روزہ رکھ لیتے تھے چنانچہ راقم الحروف کی سحری کی نوبت صرف نصف چپاتی تک پہنچ گئی اس وقت یہ بات بہت عجیب معلوم ہوئی کہ کم کھانے سے بہت سی تکالیف کا احساس کم ہو گیا اور روزہ رکھنا زیادہ آسان ہو گیا۔

جہاں تک بھوک کا تعلق ہے، مذکورہ بالا صبر کی عادت اور اللہ کی طرف سے توفیق کا عطا ہونا رمضان میں روزے دار کے لئے خدا کی طرف سے بہت بڑی مدد ہے اور اگر یہ بات میسر ہو جائے تو انسان کسی قسم کی تکلیف محسوس ہی نہیں کرتا۔ اِس بات کا مشاہدہ ہو چکا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ توفیق دے دے تو کئی کئی دنوں تک بلغیر کھانے پینے کے گزر اوقات ہو سکتی ہے اور کام بھی ہوتا رہتا ہے مگر اس کے لئے روحانی کیفیت پہلے سے حاصل ہونا نہایت ضروری ہے۔ جو کسی درویش یا مرشد کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

۱۱۱۔ روزے میں آسانیاں مہیا کرو : بہتر کام وہ ہیں جو اوسط درجے کی مطابقت سے ادا کیئے جائیں (خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا) جب کوئی روزے رکھنے کی ابتدا کرے تو خیال رکھے کہ غذا پوری کھائے، گرمی میں زیادہ مشقت کا کام نہ کرے، جن باتوں سے تکلیف کا خوف ہو ان میں نرمی پیدا کرے۔ کچھ لوگ سونے

میں اچھا وقت گذار لیتے ہیں اور کچھ لوگ مصروفیت میں روزے کو محسوس نہیں کرتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بار بار نہانے سے گرمی کم محسوس ہوتی ہے لہذا ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ۔ اگر اپنا کام یا کاروبار آہستگی سے کرے تو بھی روزہ محسوس نہیں ہوتا۔ روزہ دار کو چاہیئے کہ اگر دھوپ میں جائے تو سر پر کپڑا رکھ لے اس طرح تکلیف کم محسوس ہوتی ہے ۔

۱۷۔ **بزرگوں کی صحبت سے استفادہ :** اوپر جو لکھا گیا ہے وہ فقط راہ دکھانے کی بات ہے حقیقت تو یہ ہے کہ کسی اللہ کے بندے کے ساتھ ہو جاؤ وہ حالات کے مطابق آپ کی راہنمائی کریگا۔ اُن کی کوششوں سے اگر اللہ تعالیٰ عزم اور ارادہ میں پختگی عطا فرمادے تو کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی ایسا عزم پیدا کرنا بزرگوں کی صحبت میں رہ کر ہی میسّر ہوتا ہے ۔ اس سلسلے میں راقم الحروف کی کتاب "اسلام اور روحانیت" کا مطالعہ بہت فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے ۔

نہ دیا نشانِ منزل مجھے اے حکیم تو نے
مجھے کیا گلہ ہو تجھ سے تو نہ رہ نشیں نہ راہی

(اقبالؒ)

اُمّتِ مسلمہ کی اصلاح کی طرف مثبت اقدام

بڑے پیمانے پر اصلاحِ عوام ہر (تجاویز حکومت اور دردمندانِ ملت کے نام)

راقم الحروف کے کامیاب تجربے کی ایماء پر اور عصرِ حاضر میں لوگوں کے پریشان کن حالات کے پیشِ نظر وسیع پیمانے پر عوام کی اصلاح صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہر بڑے شہر میں درج ذیل سفارشات کے مطابق ہفتہ وار تربیتی کورس کا اہتمام کیا جائے۔

۱۔ حکومت کی طرف سے مراکزِ ابلاغ

سب سے بہتر زود اثر اور کامیاب طریقہ ابلاغ یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے ہر بڑے شہر میں ۵۰۰ سے لیکر ۱۰۰۰ نشست کی وسعت رکھنے والا ایک ہال مہیا کیا جائے تاکہ گزشتہ صفحات پر بیان کردہ درسوں کا انتظام جاری ہو سکے۔ یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ محض آٹھ دنوں میں دیئے جانے والے درسوں میں حصہ لینے والے اکثر لوگ نماز روزہ کے پابند ہو سکتے ہیں۔ یہ درس محض ۱½ گھنٹہ روزانہ اور صرف سات یوم کی مدت کے لئے ہوں گے۔ حکومت کے بااختیار افسران کی خدمت میں عرض ہے کہ ایک شہر میں ایک بار اس طریقہ کو آزمائش کے طور پر جاری کیا جائے اور اگر اس کے نتائج حوصلہ افزاء رونما ہوں تو ان درسوں کی توسیع چند دوسرے شہروں میں بھی کر دی جائے ورنہ بے شک بند کر دیا جائے۔

اس طریق ابلاغ میں ایک درسگاہ کے قائم کرنے پر کوئی زیادہ خرچ نہیں ہوگا اور اگر سپیکر کرسیوں کا بندوبست ہو جائے تو عملے کی تنخواہ کا خرچ پندرہ بیس ہزار روپے ماہانہ سے زیادہ نہیں ہوگا۔ اخباروں میں اشتہارات کا خرچ یا تو حکومت کی ذمہ داری میں دیا جا سکتا ہے یا اخبارات اس کام کو قومی ضروریات کے تحت معمولی رقم لے کر اس ذمہ داری کو قبول کریں۔

۲۔ متمول حضرات کی شرکت سے مراکز ابلاغ | اگر حکومت اِس کار تبلیغ کو اتنے معمولی خرچ پر بھی اپنی توجہ کے قابل نہ سمجھے تو کوئی ایک اہل ثروت تاجر یا چند تاجروں کی جماعت مل کر اس خرچہ کو برداشت کریں تاکہ یہ عظیم خدمت بروکار آئے ؎

با کریماں کارہا دشوار نیست

زندگی کے حقائق کو پہچانیئے (تاکہ بند راہیں کھل جائیں)

اللہ دلوں کو اپنی طرف پھیر تا ہے | اللہ کا قانون ہے کہ جو جس چیز سے آرام پکڑتا ہے اُس کو اُس کے لئے بلا گردانتا ہے تاکہ انسان اپنی پسندیدہ چیز کو ترک کر کے اللہ کے دروازے کا ہو کر رہ جائے۔ چنانچہ آدم علیہ السلام نے جنت سے قرار پکڑا تو دنیا میں بھیجا جہاں ان کے لئے سوائے اللہ کی یاد کے اور کوئی شغل نہ رہا اور کہا کہ یہاں اِس دنیا میں آرام سے نہ بیٹھنا اور نہ ہی کسی شے کے ساتھ قرار حاصل کرنا۔

غور فرمائیں کہ آدم علیہ السلام نے صرف جنت کے ایک درخت کو چکھا جس کے لئے معمولی حکم ہی تھا کہ اُس درخت کے قریب نہ جانا آپ نے درخت کا پھل اِس لئے کھا لیا کہ اس کو حرام یا مکروہ نہیں فرمایا گیا تھا اور اُن کا یہ عمل قابل مواخذہ یا عذاب بھی نہ تھا، لیکن پھر بھی اتنے بڑے پیغمبر کے لئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ آپ کا اس درخت سے قرار پکڑنا اللہ کے نزدیک درست نہ تھا کیونکہ مقربین الٰہی ہوتے ہوئے آپ سے یہی توقع تھی جیسا کہ فرمایا حَسَنٰتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْن (نیک لوگوں کی نیکیاں بسا اوقات مقربینِ بارگاہِ الٰہی کے لئے بُرائیوں میں شمار کی جاتی ہیں) چنانچہ خواص کے لئے ترک اُولیٰ پر بھی مواخذہ ہوتا ہے جیسا کہ مولانا روم نے فرمایا۔

؎ بود آدم دیدۂ نورِ قدیم — موئے در دیدہ بود کوہِ عظیم

(آدم علیہ السلام نورِ قدیم اللہ کی آنکھ تھے اور آنکھ میں اگر ایک بال بھی پڑ جائے تو پہاڑ لگتا ہے)

آدم علیہ السلام کی اس ذرا سی بات کے متعلق ابن عربی لکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی زندگی کا عیش و آرام (جو جنت میں اُن کو میسر تھا) خاک میں ملا دیا۔ راحت اور آرام کی جگہ مشقت اور محنت مقدر میں لکھ دی گئی۔ آدم علیہ السلام کے اس قصے سے اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو یہ سبق دیا کہ جب تم میرے بندے ہو تو تمہیں کسی سے سکون حاصل کرنا مناسب نہیں (بلکہ عاشقوں کے لئے تو یہ سکون حرام ہے) کیونکہ اُن کو تو اللہ کے ذکر اور محبت سے ہی سکون ملتا ہے (اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ) یاد رکھو کہ صرف اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو سکون حاصل ہوتا ہے ــــ (الرعد۔ ۲۸)

مولانا رومؒ نے مثنوی میں اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے مجنوں کی ایک کیفیت کو نظم کیا ہے ؎

دید مجنوں را یکے صحرا نورد ۔۔۔ در بیابانِ غمش بہ نشستہ فرد

(مجنوں کو کسی صحرا نورد نے دیکھا کہ بیابان غم میں رتن تنہا بیٹھا ہوا ہے)

ریگ کاغذ بود و انگشتاں قلم ۔۔۔ می نمودے بہرکس نامہ رقم

(ریت کو کاغذ اور انگلیوں کو قلم بنائے ہوئے تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی کو خط لکھ رہا ہے)

گفت اے مجنونِ شیدا چیست ایں؟ ۔۔۔ می نویسی نامہ بہر کیست ایں؟

(پوچھا اے عاشق زار مجنوں یہ کیا ہے یہ خط تو کس کو لکھ رہا ہے)

گفت مشقِ نام لیلیٰ می کنم ۔۔۔ خاطر خود را تسلی می دہم

ترجمہ (کہا کہ میں لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں اس طرح اپنے دل کو تسلی دے رہا ہوں)

اس مثال سے مولانا نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ اللہ کے عاشقوں کو خدا کی یاد کے سوا کسی شے میں سکون نہیں ملتا۔

اللہ تعالیٰ کی اس سنت کی اور بھی سیکڑوں مثالیں دی جا سکتی ہیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام سے قرار پکڑا تو فراق آیا اور یوسف علیہ السلام کو ایک طویل مدت کے لئے اُن کی آنکھوں سے اوجھل کر دیا چنانچہ آپ اُن کے فراق میں سوائے گریہ و زاری اور اللہ کی یاد کے اور کچھ نہ کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم ادہمؒ نے جب حکومت چھوڑی تو

ایک بچہ بھی چھوڑا۔ بچہ جس وقت جوان ہوا تو حضرت کی تلاش میں آیا آپ سے ملاقات ہوئی تو اُسے گلے سے لگایا فوراً ارشادِ ربانی ہوا کہ دعویٰ محبت کا کرتے ہو اور دوستی غیروں سے کرتے ہو۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ الٰہی میری مدد فرما، یا میری جان لے لے، چنانچہ بچہ زمین پر گرا اور روحِ قفسِ عنصری سے نکل گئی۔ اسی طرح فرشتوں نے خلافت حاصل کرنی چاہی اور کہا کہ۔ اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا (اے خدا! تو دنیا میں انسان کو خلیفہ بنانا چاہتا ہے جو اس میں فساد کھڑا کرے گا۔ البقرہ ۳۰) تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو خلافت سے محروم کر دیا۔ شیطان نے خود کو پسند کیا اور آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تو اُس کو جنت ہی نہیں بلکہ ایمان سے بھی خارج کر دیا۔

درج بالا تمام واقعات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے غلاموں کے دلوں کو صرف اپنی ہی طرف متوجہ رکھنا چاہتے ہیں اور جہاں کسی نے غیر اللہ کی طرف قرار پکڑا تو اُس کو دنیا میں ذلیل و خوار کر دیا ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو بھی یہی حکم دیا ہے کہ جو میری طرف آئے، تو اُس کی غلام بن جا اور جو تیری طلب میں رہے تو اُس کو تھکا دے۔ یہ مصائب اور شدائد محض اسی لئے دیئے جاتے ہیں کہ شاید انسان اللہ کی طرف رجوع کرے اور اپنے دل کو اسکی طرف پھیر دے۔

چند اسرار کی کشود سورۃ انفطار آیت ۶ میں اللہ تعالیٰ انسان کو جھنجھوڑ کر یہ بات دریافت فرماتے ہیں کہ اے انسان کس چیز نے تجھے اپنے رب کریم کے بارے میں دھوکے میں رکھا (یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ) خدا نے اس قدر عظیم نعمتیں تجھے عطا فرمائیں مگر تو کس عیار کے دام فریب میں آکر خدا کے خلاف عظیم بغاوت کر رہا ہے۔ اگر تو خود کسی پر احسان کرے اور وہ تجھ کو اسکا بدلہ سرکشی اور بغاوت سے دے تو کیا تو اُسے پسند کرے گا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تیری پیدائش اور ساخت کو بگاڑ دیتا تو کیا تجھے وہ کمی ناپسند نہ ہوتی؟ تمہارے انکار سے قیامت کا پروگرام منسوخ تو نہیں ہو جائے گا۔ قیامت کے دن ہمارے دیانتدار فرشتے تمہارے کارناموں کو حرف بحرف پیش کریں گے تو پھر تم کس طرح جھٹلا سکو گے یاد رکھو قیامت کے دن خدا کے حکم کے خلاف کوئی دم نہ مار سکے گا

اُس روز تمہارا کیا حشر ہوگا؟ اس بات کا احساس آج کرو۔ آج ہی درج ذیل باتوں پر غور فرمائیں کہ شاید اِس کے پڑھنے سے عاقبت سدھر جائے۔

۱۔ کیا انسان کو سب سے اعلیٰ مخلوق نہیں بنایا

بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ملائکہ پر فضیلت دی۔ اُن کو مسجودِ ملائکہ بنایا مسجود ساجد سے لامحالہ بہتر ہوتا ہے۔ ذرا غور کرو کہ کیا فرشتوں کو آدمیوں کا خادم نہیں بنایا؟ نیز ملائکہ کو مقامِ بندگی سے آگے ترقی نہیں دی اور ان کو اپنا دوست، محبوب، روح اللہ، کلیم اللہ، ذبیح اللہ اور خلیل اللہ کہہ کر نہیں پکارا۔ فرشتوں اور دیگر مخلوق کے لئے قرآن میں اللہ کی رحمتوں فضائل اور اکرام کا ذکر نہیں لیکن انسان کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی بے شمار نوازشوں کا اظہار کیا ہے، تو پھر ہم اُس کی نعمتوں کا شکر کیوں نہ کریں۔

۲۔ خدا نے انسان کو اپنی محبت کے لائق سمجھا ہے

جب اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالم میں فقط انسان کی طرف اپنی کتابیں اور رسول بھیجے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کی نگاہوں میں اُس کی محبت کے قابل ہیں ورنہ وہ یہ کلام نہ بھیجتا۔ یہ دیکھ کر اولیاء اللہ خود کو عبادتِ الٰہی پر باندھ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اتنا ہی فخر کافی ہے کہ تو نے ہم کو اپنے امر (حکم) کے قابل سمجھا۔

۳۔ بندے کو خدا سے وفا کے بغیر چارہ نہیں

بندہ غلام کو کہتے ہیں کیونکہ بندہ قیدی ہے اور بندھا ہوا یعنی بستہ ہے جس کے ہر دو پاؤں حلقۂ زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں سو نہ تو قدم آگے رکھ سکتا ہے اور نہ ہی پیچھے۔ اُس کو اللہ نے وعدہ وعید دیا ہے۔ عام لوگ تو اللہ کے وعدہ وعید کی وجہ سے عبادت کرتے ہیں مگر خاصانِ حق نے اس کی پرواہ نہیں کی تاکہ وہ اُس بندے کی طرح نہ بنیں جو لاٹھی کے بغیر نہیں چلتا۔ اگر اللہ کی طرف سے وعدہ وعید نہ ہوتا تب بھی مالک کے ساتھ وفا کے علاوہ چارہ نہ تھا۔ حضرت شبلیؒ نے فرمایا کہ اے اللہ! اپنی پوشیدگی میں جنت اور دوزخ کو پوشیدہ کر دے تاکہ بے واسطہ پوجا جائے۔ طمع کی پوجا تو اپنی ہی پوجا کرنے کے برابر ہے۔

اگر اللہ سب کو دوزخ میں ڈالتا اور کہتا کہ میری پوجا کرو تو اُس کی اطاعت

کے بغیر کیا چارہ تھا جب بزرگوں نے یہ سوچا تو طمع کو نکال کر اُس کی اطاعت کرنے لگے۔ حضرت سری سقطیؒ فرمایا کرتے تھے کہ الٰہی تو اپنی طرف سے جو بھی عذاب دے مجھے گوارہ ہے مگر حجاب کے عذاب میں مبتلا نہ کر کیونکہ حجاب نہ ہو تو ہر عذاب کو تیرے ذکر اور مشاہدے کے ذریعے برداشت کرنا آسان ہے اور اگر حجاب ہے تو تیرا کرم بھی عذاب سے کم نہیں جہنم کا عذاب اسی لئے عذاب ہے کہ وہاں تیرا دیدار نہیں اور اگر جہنم میں تیرا دیدار ہو تو اہل جہنم کبھی جنت کی خواہش نہ کریں۔

۴۔ ایک قدم بغیر اطاعت دروغ گوئی ہے

عاشق لوگ تو جب اللہ کا وصال پاتے ہیں تو طمع نہیں رکھتے اور اس کے دروازے کو پکڑے رہتے ہیں۔ اگر بچے کو والدین مار کر گھر سے باہر نکال دیں تو وہ پھر بھی گھر کی طرف ہی آتا ہے کیونکہ وہ کہتا ہے کہ تمہارے جیسا میرا کوئی دوسرا نہیں ہے تو پھر میں کہاں جاؤں؟ ماں بچے کو مارتی ہے تو وہ ماں کی ٹانگوں سے ہی لپٹ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عاشق (بندہ) معشوق (خدا) کی ہر بات مانتا اور برداشت کرتا ہے۔ اگر مخلوق کی محبت کا یہ حال ہے تو اللہ کی محبت میں تو ایک سانس بھی بغیر اطاعت کے گزارنا اور ایک قدم بھی پیچھے رہنا دروغ گوئی کی علامت ہوگی۔

بہ افرنگی بتاں دل باختم من   ز تاب دیریاں بگداختم من

(فرنگی حسینوں کے لئے میں نے دل کی بازی لگا دی ہے۔ ان بت پرستوں کی شان و شوکت پر میرا دل پگھل گیا ہے)

چناں از خویشتن بیگانہ بودم   چو دیدم خویش را نشناختم من

(میں یعنی پوری قوم) خود سے اس طرح بیگانہ ہوں۔ کہ جب میں خود کو دیکھتا ہوں تو شناخت نہیں کر سکتا)

علامہ قوم سے فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! اس لادین مغربی قوموں کی تہذیب سے گریز کرو کیونکہ یہ لوگ اسلام کے دشمن ہیں یا دیدہ دلیری تم اُن کی دشمنی سے آگاہ ہو پھر بھی ایسی قوم کی تہذیب کے کیوں مداح بن گئے ہو۔

لیکن از تہذیب لا دینے گریز   زانکہ اُو با اہلِ حق دارد ستیز

(اس لادین کی تہذیب سے گریز کرو ۔ کیونکہ وہ اہل حق سے جنگ آزما ہے)

فتنہ ہا ایں فتنہ پرداز آورد   لاتِ و عزیٰ درحرم باز آورد

(اس فتنہ پرور نے کئی فتنے پیدا کئے ہیں۔ لات و عزیٰ جیسے بت پھر سے حرم میں داخل کر دیئے ہیں)

۵۔ دنیاوی عیش کی خاطر خدا سے منہ موڑ لیتے ہو اس دارِ فانی میں آنے والے ہر شخص کی سوچ کا انداز تقریباً ایک ہی معیارِ زندگی کے ارد گرد گھومتا ہے۔ ہر کوئی چاہتا ہے کہ وہ خود اور اس کی اولاد، اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد، اعلیٰ معیار کی ملازمت یا کاروبار کے ذریعے اس دنیا میں عزت اور وقار حاصل کر سکے خواہ اِس کی خاطر خدا کی یاد سے انحراف ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

اِس کی وجہ غالباً یہی ہے کہ اِس جہان میں ایسے لوگوں کو ہی خوش قسمت تصور کیا جاتا ہے جو صاحبِ اختیار ہوں اور جن کو زندگی میں ہر قسم کی سہولت میسر ہو۔ اِس طرزِ زندگی کا متمنی ہر شخص ہے خواہ وہ یہود، نصاریٰ، ہندو سکھ یا بدھ مت سے ہی تعلق کیوں نہ رکھتا ہو۔ مال و زندگی کی چمک اور دمک نے ہر ایک کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ اِس مال و زر کی چاہت اور بہتات کی دوڑ کا نقشہ "ملتِ اسلامیہ کے چراغ" کے بیان میں "تصحیدِ رد" کے عنوان سے پیش کیا جا چکا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ ہم میں سے تقریباً ہر شخص شیطان کے اثر سے رُونما ہونے والے حالات سے کم و بیش متاثر ہو چکا ہے اور فرامینِ الٰہی سے قطعاً غافل ہو گیا ہے۔ پوری قوم الّا ماشاء اللہ مغربی تہذیب کی پرستار ہو چکی ہے۔

ان حالات میں گرفتار شدہ لوگوں کا مال و زر کی پوجا سے باہر نکالنا ایک بہت مشکل امر ہے۔ جب پورا معاشرہ بد اخلاقیوں کے سیلاب کی زد میں آ جائے تو پوری قوم کا اِس سے باہر نکالنا کسی نبی یا جلیل القدر مجدد کی اسلاف آمیز انتھک کوششوں کا محتاج ہوتا ہے۔ اِس قحط الرجال کے زمانے میں آج بھی خال خال لوگ ایسے نظر آتے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ اِس دنیا کا عیش اور آرام ایک مسلمان کو کسی طرح زیب نہیں دیتا، اوّلاً تو اِس لئے کہ یہ دنیا مسلمان کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے اور عیش و عشرت کا مقام تو جنت ہے اس دنیا میں عیش متصور نہیں ثانیاً جب پوری قوم غربت، ذلت اور قعرِ مذلت میں غرق ہو تو ایک غیرت مند مسلمان کے لئے عیش و عشرت کا تصور کرنا بھی جائز نہیں بلکہ ہمارے لئے ایسی رغبت کا ہونا تو ماتم کا مقام ہے۔ ثالثاً یہ کہ قرآن نے سائل اور محروم کو ہمارے مالوں میں حق دیا ہے (دیکھئے سورہ الذاریات آیت ۱۹) اور ہمارے متمول طبقے پر یہ فرض عائد کیا ہے کہ ایسا نظام قائم کرے کہ جس میں تنگ حال اور اہلِ عسرت کو اُن کے

قدموں پر کھڑا کیا جائے اور بہ زائد از ضرورت مال اس تنظیم کو چلانے پر صرف کیا جائے۔
رابعاً یہ کہ جائز ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے بعد عیش و عشرت کی زندگی پر مال صرف کرنا مسلمان کی شان کے شایاں نہیں۔ ایک مسلمان کو مستعد، صاحب فن، مجاہد، چاک و چوبند اور قوم و ملک کا معمار ہونا چاہیے۔ شاہی ٹھاٹھ سے زندگی بسر کرنا تو اس کے لئے کارِ ذلت ہے۔
خامساً یہ کہ ہر مسلمان یہ سوچے کہ اس کی عیش و عشرت کی زندگی اس کو کہاں لے جائے گی۔ ظاہر ہے عیاش لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ جو لوگ اپنے دین کو بھلا کر محض عیش و عشرت میں مبتلا ہیں ان کا حشر تو قرآن اور حدیث سے واضح ہے لیکن وہ اہل ثروت لوگ جو خدا کی یاد سے غافل نہیں اور وہ "وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ" کو پیش نظر رکھتے ہیں (یعنی ان کا اجتماعی عمل ایسا ہے کہ وہ محروم لوگوں کی محرومیت کو ختم کرنا چاہتے) وہ اس گروہ سے خارج ہیں۔

ع کس نہ گردد در جہاں محتاجِ کس نقطۂ شرعِ مبیں این است و بس

(کوئی شخص دنیا میں کسی کا محتاج نہ ہو شرعِ مبین میں ایک ہی نقطہ پنہاں ہے)

مال و دولت کا حق ادا کرنا اور اس کو صحیح جگہ پر صرف کرنا اور مال کی آفات سے بچنے کے لئے ایک باب اس کتاب کے دوسرے حصے میں "دنیا اور اس کی آفات" میں ملاحظہ فرمائیں احادیث میں ہے کہ ایسے مالدار جو مال کا حق ادا نہ کرتے تھے قیامت کے دن اپنا منہ چھپاتے پھریں گے اہل عقل کے لئے لازم ہے کہ چند ٹکوں کے حاصل کرنے کے لئے نماز و روزہ جیسی عظیم عبادتوں کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

۶۔ جو خدا کو بھلا دے خدا اس کو بھلا دیتا ہے

قرآن بار بار اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اگر تم اس دنیا میں خدا کو بھلا دو گے تو خدا تمہیں اپنی نظروں سے گرا دے گا اور تمہاری طرف اس کی نظر کرم نہ اٹھے گی۔
(دیکھئے سورۂ اعراف آیت ۵۱ اور سورہ طٰہٰ آیات ۱۲۴ تا ۱۲۶) سورہ الاعراف (آیت ۴۰) میں ہے کہ جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور تکبّر کیا، ان کے لئے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ اور وہ جنت میں داخل نہ ہو سکیں گے جب تک اونٹ سوئی کے ناکے سے گذر نہ سکے گا۔ اسی سورہ کی آیت ۵۱ میں ہے کہ جن لوگوں کو اس دنیا نے فریب

میں مبتلا کر دیا تھا اور انہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا لیا تھا سو آج (قیامت کے دن) ہم فراموش کر دیں گے۔ سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۷۲ میں ہے کہ جو شخص اس دنیا میں اندھا بنا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی ہوگا اور اس کی طرف نظر التفات نہ کی جائے گی۔

جن لوگوں کی طرف قیامت کے روز خدا کی نظر عنایت نہ ہوگی اُن پر خدا کے قہر کا عذاب ہوگا لہٰذا اس رسوائی کا سامنا کرنے سے بہتر یہی ہے کہ آج اس دنیا میں نماز کے لئے آدھ گھنٹہ روزانہ مخصوص کرتے ہوئے پانچ وقت کی نماز پڑھی جائے نماز اس لئے اہم ہے کہ رفتہ رفتہ یہی نماز باقی تمام فرائض اور واجبات کی طرف لیجانے والی سیڑھی بن جائے گی جو انسان کو نہایت بلند مقام پر کھڑا کر دیتی ہے۔

اگر پیر مغاں درد لا الہ دارد کجا نگاہ کہ برندہ تر ز لو آدامت

(اگر پیر مغاں لا الہ کا درد رکھتا ہے تو کہاں ہے وہ نگاہ جو ایسی نگاہ سے زیادہ تیز ہو)

۷۔ **قیامت کے ہولناک منظر سے بچاؤ** قرآن اور احادیث متعلقہ کا اس جگہ نقل کرنا ممکن نہیں البتہ خلاصے کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال جتنا طویل ہوگا لیکن نیک مسلمان کے لئے یہ وقفہ ایسے گزر جائے گا جیسے کہ اس نے چار رکعت نماز کی نیت کی ہو اور نماز کے ختم ہونے تک اس کے لئے وہ دن بھی ختم ہو جائیگا۔

اگرچہ قیامت کے روز سخت گرمی کا دن ہوگا اور اس دن سوائے خدا کے اور کوئی چیز سایہ فگن نہ ہوگی لوگ سخت پریشان ہوں گے لیکن نو قسم کے لوگ اُس روز بھی اللہ کے سائے میں ہوں گے جن میں سے ایک قسم ان نمازیوں کی ہے جو ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرتے ہیں اور دوسری قسم ان لوگوں کی ہوگی جو اللہ کی عبادت میں اپنی جوانی خرچ کرتے ہیں غور فرمائیں کہ (ایک دن میں صرف آدھ گھنٹے کے لئے) نماز ادا کرنے پر کیا مقام دیا جا رہا ہے۔

احادیث میں ہے کہ کچھ لوگ قیامت کے دن جب اُٹھیں گے تو اُن کی قبروں پر نہایت تیز رفتار براق کھڑے ہوں گے اور وہ اس پر بیٹھ کر جنت میں پہنچ جائیں گے جبکہ باقی لوگ ابھی حساب کتاب میں مشغول ہوں گے۔ فرشتے ایسے لوگوں سے پوچھیں گے کہ تمہارا حساب مکمل ہو گیا اور تم پلصراط سے گزر آئے ہو؟ وہ کہیں گے کہ ہم نے نہ تو پل صراط ہی کو دیکھا ہے

اور نہ ہی حساب کتاب دیکھا ہے فرشتے دریافت کریں گے کہ تم کون لوگ ہو اور کیا عمل کرتے تھے وہ کہیں گے کہ ہم اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں اور ہم وہ لوگ ہیں جو دنیاوی زندگی میں اپنے ہر حال میں شکرگزار رہتے اور خلوت اور جلوت میں ایک جیسے عمل کرتے تھے (شکرگزار کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی نعمتوں کا اُس کی اطاعت گزاری سے شکر کرتے تھے۔ اور ان کے اعمال خلوت اور جلوت میں ایک جیسے ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے لئے عمل کرتے تھے نہ کہ دکھلاوے کے لئے)

مسلمانو! ذرا سوچو کہ اتنی بڑی سعادت محض ذراسی اطاعت الٰہی کے عوض میں دی جا رہی ہے اور ہم اس کو حاصل کرنے کے لئے دن بھر میں آدھ گھنٹہ بھی نمازوں کے لئے وقت مخصوص نہیں کر سکتے حالانکہ لغو اور فضول کاموں پر روزانہ گھنٹوں صرف کر دیتے ہیں۔

اس سے زیادہ بدبختی اور کیا ہوگی؟

۱۔ کہ اللہ تعالیٰ تو نماز قائم کرنے والے کی ہر شے کو اپنی ذمہ داری میں تحویل کرنے کا وعدہ کرے اور ہم پھر بھی نماز ادا کرنے کی پرواہ نہ کریں۔

۲۔ کہ اللہ تعالیٰ تو باقاعدگی سے نماز ادا کرنے والے کے لئے رزق، عمر اور مال میں برکت عطا کرنے کا وعدہ کرے اور ہم پھر بھی اس کی پرواہ نہ کریں حالانکہ اس انکار کی وجہ سے ہم ان برکات سے محروم رہتے اور سخت تکالیف میں مبتلا رہتے ہیں۔

۳۔ کہ اللہ تعالیٰ تو نماز قائم کرنے والوں کو مصائب، آفات، بلاؤں، امراض سے چھٹکارا دینا چاہے لیکن ہم ان آفات اور بلاؤں میں گرفتار ہونے پر واویلا بھی کرتے رہیں مگر نماز ادا کرنے کی طرف دھیان بھی نہ کریں۔ یہ بات پہلے کئی بار بیان ہو چکی ہے کہ ان مصائب میں صرف وہی لوگ گرفتار رہتے ہیں جو خدا کے احکام سے بغاوت کرتے ہیں۔ راقم الحروف کے پاس جس قدر

بیمار یا مصیبت زدہ لوگ آتے ہیں اُن میں سے ۹۸ فیصد لوگ بے نمازی پائے جاتے ہیں اور جونہی وہ نماز روزے کا اہتمام شروع کرتے ہیں تو اُن کے تمام مصائب دُور ہو جاتے ہیں۔

۴۔ کہ احادیث میں نمازیوں کے لئے تنگدستی کے دُور ہونے، قبر کا عذاب ہٹا لینے قیامت کے دن اعمالنامے کا دائیں ہاتھ میں دیئے جانے، پُل صراط پر سے آسانی سے گزرنے اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہونے کا وعدہ کیا گیا ہے لیکن ہم اِن تمام انعامات کو ٹھکراتے ہوئے نماز ادا کرنے کی طرف اپنی توجہ مبذول نہیں کرتے۔

؎ مرد بے حوصلہ کرتا ہے زمانے کا گلہ　　بندۂ حُر کے لئے نشتر تقدیر ہے نوشِ ناخوشگوار چیز

۵۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس کی نماز نہیں اُس کا کوئی دین نہیں اور نہ ہی اُس کا اسلام میں کوئی حصہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز کو ترک نہ کرنا خواہ حالات دشوار گزار ہی کر دیئے جائیں کیونکہ جو نماز کو ترک کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اُس سے اپنی ذمہ داری ہٹا لیتا ہے اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اُس سے غضبناک ہوتا ہے۔ لیکن یہ سب معلوم ہوتے ہوئے بھی ہم خدا اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام باتوں کی پرواہ نہیں کرتے اور اُن کے کلام کو جھٹلا دیتے ہیں۔

۶۔ کہ ہم جانتے ہیں کہ بے نمازی کو قبر میں سانپ، کیڑے مکوڑوں اور آگ کا عذاب دیا جائے گا حساب کتاب سختی سے لیا جائے گا، قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کے متعلق سوال کیا جائے گا بے نمازی کو ذلیل و رسوا کر کے جہنم میں دھکیل دیا جائے گا پھر بھی ہم خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ان باتوں پر یقین نہیں رکھتے اور (پورے دن میں آدھ گھنٹہ) پانچ نمازوں کے لئے وقت نکالنا پسند نہیں کرتے کیا خبر ہے کہ جان کب نکل جائے اور شاید آج کا دن ہی تمہارا آخری دن ہو اور شاید توبہ اور رجوع کی نوبت ہی نہ ملے اسلئے آج سے توبہ کرو۔

مسلمانوں ذرا سوچو تو سہی کہ تم کس قدر خسارے کے سودے میں مبتلا ہو اور ان نعمتوں کو ٹھکرا کر دنیا اور آخرت کے عذاب میں مبتلا ہونے کے لئے بخوشی رضا مند ہو۔ کاش اگر تم ذرا غور سے سوچو تو اس سے زیادہ خسارے کا سودا کوئی اور نہیں ہو سکتا کہ اس چند سالہ زندگی کے آرام کی خاطر تم خدا کے غضب کو دعوت دے رہے ہو اور آخرت کی ہمیشہ ہمیشہ

رہنے والی زندگی کو داؤ پر لگا رہے ہو۔

۷۔ کہ ہم جانتے ہیں کہ بے نمازی کا جسم قبر میں پہنچنے کے چند دنوں بعد پھٹ جاتا، گل سڑ جاتا ہے اور آخر کچھ سالوں کے بعد ہڈیاں بھی قبر سے باہر نکال کر پھینک دی جاتی ہیں لیکن پھر بھی، ہم نماز کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتے ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ نیک اور نمازی مسلمانوں کا جسم ہزاروں سال تک بھی قبر میں جوں کا توں سلامت رہتا ہے، اس کی قبر کو کشادہ کر دیا جاتا ہے اور جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنا دی جاتی ہے مگر افسوس ہے اُس شخص پر جو اللہ کے اِن انعامات کی پرواہ نہیں کرتا اور اِس کے برعکس اِس بات پر رضامند ہے کہ بے شک اُس کے جسم کو کیڑے کھا جائیں یا ہڈیاں چور ہو جائیں لیکن وہ نماز نہیں ادا کرے گا۔

۸۔ کہ جو لوگ نماز ادا کرتے ہیں اُن کے چہرے قیامت کے دن روشن ہوں گے اور بے نمازیوں کے چہروں پر، ذلت، رسوائی اور خدائی قہر کی ظلمت ہوگی اور پھر بھی ہم نماز کے لئے دن میں آدھ گھنٹہ بھی نکالنا پسند نہیں کرتے۔

۹۔ کہ جو لوگ ٹھیک ٹھیک نماز ادا کرتے ہیں اور کبائر سے بچتے ہیں وہ اللہ کے دوست ہیں نماز میں خدا اُن کے سامنے آجاتا ہے، فرشتے اُن کو گھیرے میں لے لیتے ہیں، اُن پر نہ دنیا میں عذاب ہوگا نہ آخرت میں، وہ خدا کے ولیوں اور عاشقوں میں اپنے اعمال کے معیار کے مطابق شمار کئے جائیں گے خدا اُن پر فخر کرے گا، خدا کی طرف سے اُن پر سلام بھیجا جائے گا، دنیا اور آخرت میں فرشتے اُن کے خادم ہوں گے، معرفت الٰہی کی مشعل اُن کے ہاتھوں میں ہوگی، دنیا میں اِن کی نماز انکو شیطانی ہتھکنڈوں سے محفوظ رکھے گی، نماز قبر میں اُن کے لئے روشنی کا ذریعہ اور دل کا نور بنے گی، قبر میں قیامت تک اُن کی غمخوار بنے گی اور پل صراط کے لئے پروانۂ راہداری بنے گی، اور بالآخر اُن کو جنت میں داخل کرے گی مگر یہ سب کچھ معلوم ہوتے ہوئے بھی مسلمانوں کی بھاری اکثریت نماز سے بے خبر بلکہ بیزاری کا اظہار کرتی ہے۔

مسلمانو! نماز اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کی محض برکات اور فضائل کو ہماری تصنیف "روحِ نماز" میں ساڑھے سات سو صفحات کی ضخامت میں بیان کیا گیا ہے۔ خدا کے لئے اِس کی قدر کرو اور نماز سے اپنی دنیا اور دین کو

مزین کرو۔ ذرا غور کرو کہ جس کو یہ تمام فضائل (دن بھر میں صرف آدھ گھنٹہ) نماز میں مل جائیں تو اُس کے لئے اِس سے بڑا اور کیا شرف ہو سکتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا بھر کا مال و دولت بھی عطا کر دے تو اُس کے مقابلے میں ایک مسلمان کے لئے دو نوافل کا ادا کرنا بدرجہا بہتر ہے۔ کاش اِس غیر مخفی راز پر مسلمان غور کریں کوئی یہ نہ خیال کرے کہ ہم دیندار ہو گئے تو دنیا جاتی رہے گی۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ دنیا تو قدموں میں چلی آتی ہے۔ اگر ہم اپنے اسلاف پر نظر کرتے ہیں تو کیا اِس حقیقت سے مطمئن نہیں ہو جاتے کہ واقعی ساری دنیا اُن کے قدموں تلے چلی آئی تھی۔

ایک اچھے مسلمان کی صفات

جفاکشی مسلمان کی شان ہے۔ اگر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی حاصل کرنے کی راہ میں کچھ مشکلات پیدا ہو جائیں تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ ان مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کیا جائے۔ آپ کی نظر اُن لوگوں پر ہونی چاہیئے جو بہت بڑے عہدوں پر فائز ہو کر بھی حرام مال کو اپنے گھر میں داخل نہیں ہونے دیتے۔ اگرچہ وہ تنگی اور عسرت سے گزارہ کر لیتے ہیں لیکن اپنے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کو حاصل کئے ہوئے ہیں اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا (اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم مانتا ہے تو وہی شخص حاصل کرتا ہے بہت بڑی کامیابی الاحزاب ۷۱)

۱۔ **جھوٹی شان و شوکت سے بے نیازی** کا رویّہ اختیار کیا جائے کیونکہ اس میں نہ تو کوئی عزت ہے اور نہ شان و تمکنت ہمارا مقصود خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی ہے اگر ان کو راضی کر لیا جائے تو اس کے مقابلے میں لوگوں کی آراء کی کیا حیثیت ہے؟ عظیم لوگوں نے کبھی عارضی شان کو اہمیت نہیں دی اور اپنے کام کی طرف اپنی توجہات کو مرکوز رکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھٹے پُرانے اور چیتھڑوں میں ملبوس ہوتے مگر اُن کی شان یہ تھی کہ قیصر و کسریٰ کے شہنشاہ بھی آپ کو دیکھ کر کانپتے تھے۔ کسی کا رعب لباس سے نہیں بلکہ کردار سے ہوتا ہے۔ لباس کا رعب تو مصنوعی اور کچھ دیر کے لئے ہوتا ہے۔

ع مومن کی اِسی میں ہے امیری اللہ سے مانگ یہ فقیری

یاد رکھیں کہ جو اللہ کا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اُس کا ہو جاتا ہے۔

۲۔ **قومی وقار کا تحفظ**۔ یہ تحفظ اُسی وقت ممکن ہے کہ اگر ہر فرد اُن تمام حرکات سے اجتناب کرے جو قوم، ملک اور اسلام کی تذلیل اور تحقیر کا باعث ہو۔ یاد رکھیں کہ ایک مچھلی سارے جل کو گندا کرتی ہے جو لوگ چند ٹکوں کی خاطر غلط اندازِ امور میں اُلجھ جاتے ہیں وہ اسلام کے نام پر ایک کاری ضرب لگاتے ہیں۔

لازم ہے ہر شخص خود کو اسلام کا مبلغ اور دین کا سپاہی تصور کرے اور اپنے دائرۂ اقتدار کے مطابق نسل پرستی، ملک پرستی اور مطلب پرستی کے خلاف حسبِ توفیق جہاد کرے اور رفاعی اداروں میں شرکت کرے تاکہ عوام کی حالت کے بدلنے میں بھرپور کردار ادا کر سکے۔

۳۔ **نیک لوگوں کی صحبت** کا اختیار کرنا نیک کردار کا ضامن ہے خوش گپیوں میں وقت ضائع کرنے کی بجائے دینِ اسلام اور مفید علوم کی کتابوں کا مطالعہ کریں اور نیک لوگوں کی صحبت سے نیک علوم حاصل کریں۔

دل ز دیں سرچشمۂ ہر قوت است　　دیں ہمہ از معجزات صحبت است

(دین کے سبب دل ہر طاقت کے لئے ایک چشمہ ہے دین سارے کا سارا صحبت کا ہی کرشمہ ہے)

۴۔ **علم و فن کی کما حقہٗ خدمت** میں قوموں کی عظمت اور عروج کے راز پنہاں ہیں۔ کسبِ کمال کُن کہ عزیزِ جہاں شوی کے مصداق ہر شخص اپنے دائرۂ فن میں کمال حاصل کرنے کی سعی کرتا ہے قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے دنیائے علوم میں جو راہنمائی کی ہے اُس کی مثال اب تک نہیں ملتی۔ ہر سطح کا مسلمان اپنے دائرۂ فن میں تحقیقاتی جائزے پیش کرے۔ یہاں تک کہ اس سے پوری دنیا کے لوگوں کی خدمت میں اپنی مثال قائم کرے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں ؎

غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ و دو میں　　پہناتی ہے درویش کو تاجِ سرِ دارا

افراد کے ہاتھوں میں اقوام کی تقدیر　　ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت　　ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارا

تقدیرِ اُمم کیا ہے؟ کوئی کہہ نہیں سکتا　　مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارہ

آیئے ذرا دنیا کی حقیقت پر غور کریں

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور اولیاءِ عظام کا اظہارِ خیال)

معلوم ہونا چاہیئے کہ دنیا یہ ہے کہ کوئی خدا اور اس کے احکام سے غافل زندگی بسر کرے نہ کہ بال بچوں کا پالنا اور ان کے لئے رزق کمانا۔ مسلمان اگر تابع فرمانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے تو اس کا ہر عمل عبادت ہے اور اگر آپ کی اتباع سے غافل ہے تو اس کا کوئی نیک عمل بھی قابلِ قبول نہیں۔ ایک ہاتھ میں دین اور ایک ہاتھ میں امورِ دنیا کو لے کر چلنا عین مردانگی ہے اور اسلام ہم سے اسی بات کا تقاضا کرتا ہے۔ لہٰذا مناسب ہوگا کہ ہم معلوم کر سکیں کہ دنیا کی حقیقت کیا ہے اور اولیائے اسلام نے اِس دنیا میں اپنی زندگیوں کو کس انداز سے گزارا۔ چند نکات پیشِ خدمت ہیں۔

۱۔ انسانی فطرت بہتات کو چاہتی ہے

اِس ضمن میں قرآن کی بہت سی آیات قابلِ غور ہیں لیکن اگر صرف سورۃ التکاثر کا ہی مطالعہ کر لیں تو معلوم ہوگا کہ انسان پیدا ہونے سے لیکر مرتے دم تک مال کی کثرت اور بہتات کی مرض میں گرفتار رہتا ہے اور آخر کار اس کی زد میں آنے والے لوگ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنا لیتے ہیں۔ گو آج ان کو جہنم میں جانے کا خیال نہ آتا ہوگا مگر مرنے کے بعد وہ جہنم کو یقین کی آنکھ سے دیکھ لیں گے۔ غور کا مقام ہے کہ اگر دنیا کے کاموں کو ہم عبادت کے ساتھ مکمل کریں تو بجائے جہنم میں جانے کے ہم انعاماتِ خداوندی کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ ملک الموت جب مسلمانوں کی روح قبض کرتا ہے تو وہ خدا کو جا کر کہتا ہے کہ یا اللہ مجھے مسلمانوں کی روح قبض کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے کیونکہ ان کے پلے میں کوئی عمل نہیں ہوتا۔ اِس سے زیادہ ملک الموت کو اس بات پر افسوس ہوتا ہے کہ خود مسلمان کو اس بات پر شرم محسوس نہیں ہوتی کہ وہ ساری عمر کوئی عمل پیش نہیں کر سکا۔

ع شنیدم مرگ با یزداں چنیں گفت   کہ چہ بے نم چشم آں کف گل بر آید

(میں نے سنا ہے کہ ملک الموت اللہ سے اسطرح کہتا ہے کہ اس مٹی کے پتلے کی آنکھیں کتنی بے نم ہیں (بیچیا)

۶ چوں جانِ او بگیرم شرمسارم — ولے او را ز مُردن عار نآید

(جب اُس کی روح قبض کرتا ہوں تو شرمندہ ہوتا ہوں لیکن اُس کو مرتے دم بھی شرم نہیں آئی)

۲- حقیقت دُنیا مجدّد الف ثانیؒ کی نظر میں

حضرت مجدّد الف ثانیؒ نے مکتوبات شریف میں فرمایا ہے "دُنیا آرائش اور ابتلاء و آزمائش کا مقام ہے۔ اِس کے ظاہر کو مختلف ملمّع سازیوں اور زینتوں سے آراستہ کیا گیا ہے۔ اِس کی صورت کو موہوم خال و خط اور زلف و رخسار سے خوبصورت کیا ہے۔ اِسے دیکھنے میں شیرینی، طراوت اور تازگی کا خیال آتا ہے لیکن حقیقت میں عطر لگا ہوا مُردار، مکھیوں اور کیڑوں سے بھرا ہوا نجس خانہ اور زہر سے لبریز شکر ہے اس کا باطن سراسر خراب اور ابتر ہے۔ اس کے معاملے کی گندگی جتنا تم خیال کر سکتے ہو، اس سے بھی بدتر ہے اس دنیا پر فریفتہ دیوانہ اور مسحور ہے۔ اِس کا گرفتار مجنون اور فریب خوردہ ہے، جو اس کے ظاہر پر فریفتہ ہو گیا وہ نقصانِ ابدی کے ساتھ داغدار ہو گیا جس نے اِس کی حلاوت کے اوپر نظر کی، دائمی ندامت اور شرمندگی اُس کے حصّے میں آئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا اور آخرت دو سوکنوں کی طرح ہیں، اگر ایک راضی ہو جائے تو دوسری ناراض ہے۔"

حضرت مجدّد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ دُنیا وہ ہے جو تجھے خدا سے دُور کر دیتی ہے، بیوی بچے، مال و جاہ و سرداری اور لہو و لعب میں خدا کی یاد کو ترک کر کے مشغول ہونا سب دنیا میں داخل ہے، اگر خدا سے غفلت نہ ہو تو بیوی بچے اور کسبِ معاش عین عبادات ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بندے کے اعراض کرنے کی علامت یہ ہے کہ بندہ لایعنی کاموں میں مشغول ہو جائے، دُنیا کی چیزوں کو صرف ضروریات کی حد تک اہمیت دینا چاہیئے۔ انسان اللہ کے احکام کی بجا آوری کا پابند رہے۔ اُسے شتر بے مہار کی طرح کھلا نہیں چھوڑا گیا ہے کہ جو دل آئے کرے، غور و فکر سے کام لینا چاہیئے ورنہ کل قیامت کو سوائے خسارے کچھ بھی ہاتھ نہ آئے گا۔ کام کرنے کا وقت جوانی ہے اور جوانمردی یہی ہے کہ اپنی جوانی کا وقت ضائع نہ کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے اقلل من الدّنیا و تعش حرًّا۔ (دُنیا کے مال و متاع سے تھوڑی چیز حاصل کرو اور ایک آزاد مرد کی طرح زندگی بسر کرو)۔

مختلف احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی اچھا ہو تو مال بھی اچھی چیز ہے۔ مال کا بالکل نہ ہونا یا بہت کم ہونے پر انسان اللہ تعالیٰ سے شکوے کرتا اور بعض حالات میں گناہوں پر دلیر ہو جاتا ہے اور کفر کی حالت تک پہنچ جاتا ہے۔ مفلسی سے بوئے کفر آتی ہے سوائے اُن کے جن کا ایمان مستحکم ہو۔ فرمایا درہم اور دینار کا غلام نگوں سار ہوتا ہے اور جو شخص جس کی بندِ غلامی میں ہو وہی چیز گویا اُس کی خدا ہے (مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ) فرمایا دُنیا مردار اور اس کا طالب کتا ہے۔ جس کو صبح سویرے آنکھ کھلتے ہی دنیا کی دُھن سوار ہو جائے اُس کا شمار مردانِ خدا میں نہیں ہوتا۔ اہل مال و دولت (عیاش) آپؐ کے بدترین اُمتی ہیں۔ اُن کا پیٹ تھوڑے سے نہیں بھرتا اور بہت پر بھی قانع رہنا محال ہوگا۔ فرمایا اِنَّ الْاَمَارَةَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَلنَّدَامَةُ (بیشک امارت سے روزِ قیامت بجز ندامت کے اور کچھ حاصل نہیں یعنی جس نے مال غلط جگہ خرچ کیا۔ فرمایا دنیا کی محبت اور اللہ کی محبت اور دینی حلاوت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتی۔ عبادت کا نچوڑ یہ ہے کہ ذکرِ الٰہی قلبِ انسان پر غالب ہو جائے اور ماسوی اللہ سے بے نیاز ہو جائے اور یہ مالدار کے لئے ناممکن ہے۔ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ فقراء امراء سے پانچسو سال پہلے جنت کے ایسے مقامات میں پہنچیں گے جو صرف پیغمبر، درویش، مومن درویش اور شہید درویش کو ملتا ہے اور فقیر کا ایک بار تسبیح پڑھنا امیر کی ایسی ہی تسبیح کے ساتھ دس ہزار دینار صدقہ دینے سے بھی زیادہ ثواب اور درجہ رکھتا ہے۔ ہماری تصنیف "تہذیبِ نفس" میں زیادہ دستی کے خلاف کافی تفصیل شامل کر دی گئی ہے۔

۳- اپنی بساط سے زیادہ کی اُمنگ

مسلمانوں کی اسلام سے دوری کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہر چھوٹا بڑا اور امیر و غریب اپنا معیارِ زندگی اپنی بساط سے بلند سطح پر برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ لباس، رہائش اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں بڑھ چڑھ کر خرچ کرنا عام انسانوں کی اُمنگ ہے۔ جب کوئی برائی عام ہو جائے تو یہ کسی ملک کے معاشرے میں شامل ہو جاتی ہے اور طوعاً و کرہاً ہر گروہ کے لوگوں کیلئے ضروریاتِ زندگی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ ایسی بندشوں کو توڑنا قومی انقلاب لانے کا درجہ رکھتا ہے۔ مثلاً جہیز ایک ایسی لعنت ہے جس کو ختم کرنا ایک بہت بڑے مجدد یا عظیم مُصلح کے علاوہ

کسی کے بس کی بات نہیں۔ یہ ناجائز اخراجات ہزاروں قومی بُرائیوں کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ ایسی غیر ضروری رسوم کو پورا کرنے کے لئے لوگ رات دن جائز و ناجائز پیسہ کمانے کی مہم میں مصروف رہتے ہیں اور آخر کار اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چند ٹکوں کی خاطر نماز اور روزہ جیسی عبادتوں کو بھی خیر باد کہہ دیا جاتا ہے۔

ایسے اخراجات کو جو ہمارے معاشرے کا حصّہ بن گئے ہیں قطعاً ترک کرنا تو صرف صاحب ہمت اور اہلِ عزم کا حصّہ ہے البتہ عام سطح کا انسان ان رسوم کی ادائیگی میں تخفیف ضرور کر سکتا ہے۔ ایسی جرأت مندانہ تخفیف رفتہ رفتہ اِن رسوم کی بیخ کنی کا سبب بن سکتی ہے۔ جہاں تک ہو سکے سادگی کو اپنایا جائے اور لوگوں کو یہ سمجھایا جائے کہ یہ تمام باتیں جھوٹی وقار اور جھوٹی عزت سے متعلق ہیں جنہیں خیرباد کہنا ہی قرینِ عقل ہے۔

اپنے اسلاف سے کچھ تو سیکھیں!

(تم نے مغربیت سے اپنی آنکھوں کو خیرہ کیا ہے تو خوشی سے ابھرنے والے سورج کو بھی دیکھو)

اسلام ایک ایسا قابلِ عمل مذہب ہے جو ہر ملک، وقت اور حال کیلئے نمونہ پیش کرتا ہے۔ ہمارے بزرگوں نے اپنی زندگیوں کو اس انداز سے بسر کیا ہے کہ جس پر چل کر دونوں جہانوں کی فلاح ممکن ہے لیکن افسوس ہے کہ آج کا مسلمان اپنے اسلاف کی زندگیوں کا مطالعہ نہیں کرتا بلکہ یہود و نصاریٰ کے اسلوب زندگی پر نظریں جمائے ہوئے ہے، یہی وجہ ہے کہ آج ایک معمولی اور کم آمدنی والا شخص بھی خود کو ایک لارڈ کی حیثیت میں دیکھنا چاہتا ہے اور اپنی اس خواہش کی تکمیل کیلئے ہمہ تن حصولِ دنیا میں مشغول نظر آتا ہے۔ ان لوگوں کی بدنصیبی کی انتہا یہ ہے کہ یہ مغرب زدہ مسلمان اِس حصولِ دنیا کی دوڑ میں اپنے دین کو فراموش کر چکا ہے۔ مگر پھر بھی حصولِ مراد میں کامیاب نہیں ہوا۔ ایسے لوگوں کی مثال ایسی ہے کہ انکو نہ تو دنیا ہی ملتی ہے اور نہ خدا کو منہ دکھانے کے قابل رہ جاتے ہیں۔ آج کے مسلمان کی تمام مہمات کا حل صرف اِسی بات میں ہے کہ اللہ کے ساتھ اپنے تعاون کو استوار کرلے اور اُس کی مدد سے تمام مہماتِ زمانہ کو خدا کے بتائے ہوئے طریقوں سے مسخر کرے جیسا کہ علامہ اقبالؒ

نے مومن کی شان میں کہا ہے ؎

از قمِ او خیزد اندر گور تن مردہ جان ہا چو صنوبر در چمن

(اُس کے لفظ قُم سے قبر سے مردہ اٹھ جاتا ہے اور مردہ جانوں کو ایسے کر دیتا ہے جیسے چمن میں صنوبر کا درخت)

آزماید صاحبِ قلبِ سلیم زورِ خود را از مہماتِ عظیم

(ایسے قلبِ سلیم والا شخص اپنے زور کو آزماتا ہے، بڑی بڑی مہمات کے سر کرنے سے)

اسلاف کی ایک مثال ہمارے اسلاف کی زندگیاں ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں اگر اپنی نیت اور طریقۂ کار کو درست کر لیا جائے تو ان بزرگوں کی زندگیوں سے راہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اگر ہم حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی کے متعلق غور کریں تو معلوم ہو گا کہ آپ کے دورِ حکومت میں پورا عرب شام، عراق، مصر، ایران، افریقہ کا کچھ حصہ، ترکی اور یونان کی حدود تک اسلامی پرچم لہرا رہا تھا۔ روم کے بادشاہ آپ کی ہیبت سے کانپ جاتے اور کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ تھی۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کی ذاتِ مبارکہ ایسی مملکت کی سربراہ تھی جیسے کوئی دنیا کی سپر پاور کی طرح ہو۔ ان کے مقابلہ میں دوسری مملکتوں کے سربراہ کوئی وقعت نہ رکھتے تھے۔ مستند کتابوں میں بے شمار روایات اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ مشرق نے تمام دنیا کی راہنمائی کی ہے اور تمام مشہور و معروف علم و ہنر مشرق کی سرزمین سے اٹھے اور یہ تمام محققین اسلام سے ہی متعلق تھے۔ ؎

ہم ہنر، ہم دیں، ز خاکِ خاور است رشکِ گردوں خاکِ پاکِ خاور است

(علم و ہنر اور ادیان مشرق کی خاک کے طفیل ہیں مشرق کی پاکیزہ خاک آسمانوں کیلئے بھی قابلِ رشک ہے)

علامہ اقبالؒ اپنی قوم کے مسلمانوں سے اپنے اسلاف جیسے کردار پیدا کرنے کی تعلیم دیتے ہیں۔

؎ گرمیٔ ہنگامۂ ہم می باید ش تا نخستیں رنگ و بو باز آیدش

(انکو انقلاب پیدا کرنے والی گرمی کی ضرورت ہے تاکہ وہ پہلے والی شان و شوکت پھر پیدا ہو۔)

اے ز خود پوشیدہ خود را باز یاب در مسلمانی حرام است ایں حجاب

(اے وہ شخص جو اپنی قوتوں سے لاعلم ہے خود کو دوبارہ تلاش کر، ایسے حجاب میں رہنا اسلام میں حرام ہے)

پیشِ فرعوناں بگو حرفِ کلیم تا کند ضربِ تو دریا را دو نیم

(فرعون جیسے حاکموں کے سامنے موسیٰ علیہ السلام جیسی بات کہو تاکہ تیری ضرب سے دریائے نیل دو ٹکڑے ہو جائے)

مردِ حُرّ محکم زوردِ لَاتَخَفْ ما بمیداں سربجیب اُو سربکف (مثنوی)

(آزاد مرد تو وِردِ لَاتَخَفْ سے مضبوط ہوتا ہے میدانِ جنگ میں ہماری گردنیں تو سر پہ ہوتی ہیں مگر وہ ہتھیلی پر اپنی گردنیں لے کر نکلتے ہیں۔)

سِرِّ دیں مارا خبر، اُورا نظر! اُو درونِ خانہ، ما بیرونِ در

(دین کا بھید ہمارے لئے تو سنی سنائی بات ہے حقیقت ہے جبکہ انکو مشاہدہ حاصل ہوتا ہے وہ خانۂ خدا کے اندر پہنچ گئے مگر ہم ابھی دروازے پر ہیں۔)

روایات تصدیق کرتی ہیں کہ بیشتر اوقات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پہننے کیلئے صرف ایک ہی کپڑے کا جوڑا ہوتا تھا۔ آپ کھجور کی چٹائی پر ہی سو جاتے۔ آپکے گھر میں مٹی کے چند ایک برتنوں کے علاوہ پسِ مرگ بھی کچھ نہ نکلا۔ آپ کا لباس نہایت سخت اور تکلیف دہ تھا۔ جب آپ نے اس دنیا سے نقل مکانی فرمائی تو یہی سامان آپکے گھر سے نکلا اور آپکی وصیت کے مطابق آپکو اُسی ایک جوڑے میں دفن کر دیا گیا جو آپکے جسم پر تھا۔ آپکا طعام بھی ایسا تھا کہ جو عام اور غریب انسان کھاتا۔ آپ کے کُرتے پر اسی (۸۰) پیوند بھی لگے ہوئے دیکھے گئے۔ (یہ سب تفصیل بہت طوالت طلب ہے) قابلِ غور بات یہ ہے کہ آپکے زمانے میں بھی عیش و عشرت کے تمام سامان موجود تھے اور مروّج تھے۔ اعلیٰ لباسوں کے علاوہ محلات میں اعلیٰ زیب و زینت کے اسباب، شراب خوری، راگ و رنگ اور دیگر سامانِ تعیش کی کوئی کمی نہ تھی اور آپ جو چاہتے حاضرِ خدمت ہوسکتا تھا مگر آپ نے صرف اُس قسم کی زندگی بسر کرنا پسند فرمائی جس کا نمونہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا تھا۔

مقامِ غور ہے کہ اِس قدر بڑی شان و شوکت، دبدبہ و جلال اور صاحبِ تمکنت شخصیت رکھنے والے امیرالمؤمنین کا تو یہ حال ہو اور ہمارے وقتوں کا ایک بے حیثیت آدمی دنیا بھر کے عیش و عشرت کا سامان اکٹھا کرنے کا خواہاں ہو اور رات دن اِس کوشش میں ہو کہ اعلیٰ مکانات لباس، سواری، فرنیچر، کلر ٹی وی۔ وغیرہ اس کو جلد از جلد میسر ہو جائیں۔ ایسا ہر شخص اپنے سامانِ تعیش کے حصول کیلئے حرام اور حلال کی کمائی میں تمیز نہیں رکھتا۔ ہمارے لئے یہ سوچنا ضروری ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر بے شمار صحابہ کرامؓ نے عیش و عشرت کی استطاعت رکھنے کے باوجود ایسی

آرام و آسائش کی زندگیوں کو کیوں نہیں اپنایا۔ اس کا جواب صرف یہی ہے کہ اولاً تو ایک غیور قوم کے لئے ایسا سامانِ تعیش نہ صرف مخرّبِ الاخلاق ہے بلکہ موت کا پیغام ہے اور ثانیاً یہ کہ ایسا سامانِ تعیش ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنائے گئے اسلوبِ زندگی کے مخالف اور منافی ہے چنانچہ غیر ضروری اور بے معنی ہے۔

اس تحریر سے مراد یہ نہیں کہ ہم سب اپنے آپکو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے معیار تک لے آئیں بلکہ ہمیں اُن جیسی سادگی کو اپنانے کی طرف حتی الامکان کوشش کرنا چاہیئے ہمارے لئے اگر ایسی مجاہدانہ زندگی ممکن نہیں تو نہ سہی۔ زندگی کے سامانِ تعیش میں کچھ تو کمی کردیں یا کم از کم بے دینی کی زندگی تو نہ گزاریں۔ اس کمزور ایمان کے ہوتے ہوئے اگر ہم شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ اور اعلیٰ معیار والی زندگی کو خیرباد نہیں کہہ سکتے تو کم از کم نماز روزہ کی پابندی تو کرلیں آخر قیامت کے دن خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھلائیں گے۔ موجودہ بے دینی کی حالت میں ہم نہ تو کامیاب زندگی بسر کرسکتے ہیں اور نہ ہی آخرت میں فضلِ خداوندی کے لائق ہیں۔ یعنی نہ خدا ہی ملا اور نہ وصالِ صنم۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت

ایک روایت جس کو امام غزالی نے "احیاء العلوم" میں نقل کیا ہے قارئین کیلئے نذر پیش کی جارہی ہے "حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ ابا جان! جب مختلف مقامات سے مالِ غنیمت آئے تو آپ اس میں سے نرم اور ملائم لباس چن کر زیبِ تن فرمایا کریں اور عمدہ لذیذ کھانے خود بھی اور اپنے اہلِ خانہ کو بھی کھلایا کریں آپ نے جواب دیا "اے حفصہ رضی اللہ عنہا! بیوی سے زیادہ تو شوہر کے مال و متاع کی کسی کو خبر نہیں ہوتی اور تم تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حال سے مکمل آگاہی رکھتی ہو تمہیں قسم ہے خدا کی ذرا بتاؤ تو سہی کہ اتنے سارے سال جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت میں گزارے تو کیا یہ امرِ واقعہ نہیں کہ آپ اور آپکے اہل صبح کو سیر ہو کر کھاتے تو شام کو فاقے سے رہتے اور اگر شام کو روٹی مل جاتی تو صبح کو بھوکا رہنا پڑتا تھا۔ تم بتاؤ کہ کیا فتح خیبر تک آپکو سیر ہو کر خرمے کھائے ہوئے کئی سال نہ گزر چکے تھے؟ کیا تم اس حقیقت سے واقف نہیں ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جب سوتے تو کملی کی دو تہیں کر کے اسی پر لیٹ جاتے تھے اور ایک دن کملی کی چار تہیں کرنے سے وہ زیادہ نرم سی ہوگئی تو دوسرے دن فرمایا کہ اس کی نرمی نے مجھے نمازِ شب سے محروم

رکھا اور پھر ہمیشہ وہ تہبیں ہی کیا کرتے تھے۔ تمہیں قسم ہے خدا کی بتاؤ کہ کیا تم نہیں جانتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کپڑے دھوتے اور ادھر بلالؓ اذان دیتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کپڑے خشک ہونے تک باہر نہ نکل سکتے تھے کیونکہ آپکے پاس وہی ایک جوڑا ہوتا تھا؟ اور کیا تمہیں یاد نہیں کہ بنی ظفر کی ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ایک چادر اور تہبند بُن رہی تھیں اور وہ دونوں کو مکمل کرنے سے پہلے ایک ہی کو ختم کر کے آپکی خدمت میں بھیج دیا تھا کیونکہ آپ کے پاس پہننے کیلئے کچھ بھی نہ تھا۔ حضرت حفصہؓ نے کہا کہ مجھے ان میں سے ایک ایک بات یاد ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ زار و قطار رونے لگے اور ساتھ ہی حفصہؓ کی آنکھوں میں آنسوؤں کا تانتا بندھ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو روتے روتے بے ہوش ہو گئے اور جب ہوش آیا تو فرمایا کہ میرے دو محبوب دوست مجھ سے پہلے جا چکے ہیں (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) اگر میں انہی کی راہ پر چلوں تبھی اُن تک پہنچ سکوں گا ورنہ مجھے کسی اور راہ پر ڈال دیں گے (چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں جگہ ملی۔ ذرا اندازہ کریں کہ اس اعتبار سے ہماری جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام سے کتنی دور ہو گی۔) علامہ اقبالؒ ان صحابہؓ کی پیروی کا حکم دیتے ہیں ۔

تازہ کن پیمانِ صدیقؓ و عمرؓ
(تو بھی صدیقؓ اور عمرؓ جیسا انداز تازہ کر

چوں صبا بر لالۂ صحرا گذر
صبا کی طرح صحرا میں کھلے ہوئے لالہ سے گزر جاؤ)

عصرِ خود را بنگر اے صاحب نظر
(اے صاحبِ نظر مسلمان اپنے زمانے کا جائزہ لے

در بدن باز آفریں رُوحِ عمرؓ
اور بدن میں عمرؓ جیسی روح پیدا کر)

ز شام ما بروں آور سحر را
(ہماری شام سے سحر کو پیدا کر

بہ قرآں باز خواں اہلِ نظر را
پھر قرآں سے اہلِ نظر کو متاثر کر)

تو می دانی کہ سوزِ قراتِ تو
(تو جانتی ہے کہ تیرے سوزِ قرات نے

دگر گوں کرد تقدیرِ عمرؓ را
حضرت عمرؓ کی تقدیر بدل دی تھی)

مسلمان کیلئے قرآن سے فراغ ممکن نہیں

اسلام نے مسلمانوں کو الہامی ضابطۂ حیات دیا ہے جس میں کوئی کمی یا کجی نہیں اور اگر یہ قوم زندہ رہنا چاہتی ہے تو بقول علامہ اقبالؒ "نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن" یعنی اسلام کے بغیر یہ زندگی ممکن نہیں ہے، بلکہ مومن کے لئے تو علامہؒ نے فرمایا ہے کہ "یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن، قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن" یعنی جس طرح قرآن ہدایت، فلاح اور رحمت کی راہیں کھولتا ہے اسی طرح مومن بھی انہی راہوں کو اجاگر کرتا ہے اور قرآن کی طرح مومن بھی لوگوں کو ہدایت دیتا ہے اسی لئے مومن کو چلتا پھرتا قرآن کہا جاتا ہے مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ گھاس کھانے والے جانور تو ذبح لئے جاتے ہیں لیکن نورِ حق (ہدایت قرآن) سے مستفید ہونیوالے قرآن کی طرح ہی ہر زمانے میں زندہ رہتے ہیں۔

ہر کہ کاہ و جو خورد قرباں شود — ہر کہ نورِ حق خورد قرآں شود

(جو بھی گھاس اور جو کھاتا ہے قربانی کا بکرا بن جاتا ہے اور جو نورِ حق کھاتا ہے قرآن بن جاتا ہے)

علامہ اقبالؒ نے جو قرآن کے متعلق ارشادات قلمبند فرمائے ہیں وہ قوم کی آنکھوں کو روشن کرتے ہیں چنانچہ قرآن کی حکمت اور اسرار کے متعلق ایک روح افزا بیان ہماری تصنیف "سرمایۂ ملت" میں شامل کر دیا گیا ہے۔ یہاں صرف چند اشعار ہی پیش کرنے پر اکتفا کی جا رہی ہے۔

تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو — کتاب خواں ہے مگر صاحبِ کتاب نہیں
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن — قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن
قرآں میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان — اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار
ز قرآں پیش خود آئینہ آویز — دگرگوں گشتۂ از خویشتن بگریز

(اپنے سامنے قرآن کا آئینہ رکھ۔ اے بدحال مسلمان! اپنی حالت سے چھٹکارا حاصل کر)

ترازوئے بنہ کردارِ خود را — قیامت ہائے پیشیں را برانگیز

(کے سامنے شریعت کا ترازو رکھو اور اسلام کے زمانے کی سی قیامتیں برپا کرو)

تو اگر خواہی مسلمان زیستن　　　　نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن
(اگر تم ایک مسلمان کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو قرآن کے بغیر ایسا کرنا ممکن نہیں)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ کوئی چیز ایسی نہیں کہ جس کو میں قرآن کی مدد سے تلاش نہ کرسکوں۔ قرآن میں ہے کہ ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ (کائنات کی کوئی ایسی خشک اور تر چیز نہیں مگر روشن کتاب (لوح محفوظ) میں موجود نہ ہو۔ الانعام: ۵۹) کچھ بزرگ قرآن میں ہر چیز کا موجود ہونا بھی فرماتے ہیں۔ علامہ نے فرمایا۔

صد جہاں باقیست در قرآں ہنوز　　　　اندر آیاتش یکے خود را بسوز
(ابھی بھی قرآن میں سینکڑوں جہان (مخفی) ہیں اس کی آیات میں اپنے آپ کو مکمل طور پر پگھلا دو)

اے کہ می نازی بہ قرآن عظیم　　　　تاکجا در حجرہ می باشی مقیم
(اے مسلمان تو قرآن پہ ناز تو کرتا ہے لیکن کب تک حجرہ میں مقیم رہے گا)

در جہان اسرار دیں را فاش کن　　　　نکتۂ شرع مبیں را فاش کن
(دنیا میں دین اسلام کے اسرار کو فاش کرو غایات شرع مبین کو عام کرو)

مثل حق پنہاں و ہم پیداست ایں　　　　زندہ و پائندہ و گویاست ایں
(اللہ کی طرح قرآن مخفی بھی ہے اور ظاہر بھی ہے یہ زندہ و پائندہ اور تکلم بھی کرتا ہے)

اندرو تقدیر ہائے غرب و شرق　　　　سرعت اندیشہ پیدا کن چو برق
(قرآن میں شرق و غرب کی تقدیریں پوشیدہ ہیں۔ بجلی کی طرح تخیل و فکر پیدا کرو)

علامہ فرماتے ہیں کہ سوائے قرآن میرا کوئی غمگسار نہیں اور میں اس کی طاقت سے ہی ہر مشکل کا دروازہ کھولتا ہوں۔

غیر قرآن غمگسار من نبود　　　　قوتش ہر باب را بر من کشود
(میرا غمخوار سوائے قرآن اور کوئی نہیں اس کی قوت نے مجھ پہ ہر مشکل کام کا دروازہ کھولا)

فقر قرآن اختلاط ذکر و فکر　　　　فکر را کامل نہ دیدم جز بہ ذکر
(قرآن کا فقر کیا ہے؟ ذکر و فکر کا باہم ہونا فکر (کائنات میں غور) کو میں نے ذکر الٰہی کے بغیر کامل نہیں دیکھا)

ذکر ذوق و شوق را دادن ادب　　　　کار جان است ایں، نہ کار کام و لب

(ذکر الٰہی کیا ہے؟ ذوق و شوق کو ادب سکھانا یہ روح کی اصلاح کا کام ہے نہ کہ صرف زبانی کلام)

چیست قرآن؟ خواجہ را پیغام مرگ　　دستگیر بندۂ بے ساز و برگ

(قرآن کیا ہے؟ سرمایہ داروں کیلئے موت کا پیغام ہے اور بے بال و پر بندوں کی دستگیری کرتا ہے)

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سمندر کو خود میں سمو لو مذہب اسلام کی تکمیل توحید اور رسالت سے ہوتی ہے۔ وہ لوگ محض نام کے مسلمان ہیں جو خود تو عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سمندر کے کناروں پر سالہا سال سے پڑے ہوئے ہیں اور اپنے دل میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سمو نہیں لیتے علامہ نے مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا ہے کہ اس بحر بیکراں میں خود کو ڈال دو اور پھر اس میں موجود انمول موتیوں اور ہیروں سے مالا مال ہو جاؤ۔ زبان قال سے عشق کا دعویٰ اس وقت تک قابل تسلیم نہیں جب تک عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور حال کی رنگینیوں میں نظر نہ آنے لگے۔ آج کا مسلمان اگر ایسا عشق اپنے قلب و جگر میں پیدا کرلے تو صحابہ کرام جیسی شان اپنے اندر پیدا کرسکتا ہے علامہ اقبال نے مثنوی پس چہ باید کرد میں فرمایا۔

مصطفیٰ بحر است موج او بلند　　خیز و ایں دریا بہ جوئے خویش بند

(مصطفیٰ ایک ایسا بحر ہیں جس کی موجیں بلندیں اٹھو اور اس سمندر کو اپنی (زندگی کی) ندی میں سمو لو)

مدتے بر ساحلش پیچیدۂ　　لطمہ ہائے موج او نادیدۂ

(ایک مدت سے تم اس کے ساحل پہ پریشاں ہو اس کی لہروں کے تھپیڑوں کو تم نے دیکھا ہی نہیں)

یک زماں خود را بہ دریا در فگن　　تا رواں رفتہ باز آید بہ تن

(کچھ عرصے کیلئے خود کو اس دریا میں ڈال دے تاکہ تمہارے بدن میں سابقہ روانی پھر سے پیدا ہو جائے)

اے مسلماں جز براہ حق مرو　　ناامید از رحمتِ عامے مشو

(اے مسلماں اللہ کی راہ کے علاوہ کسی راہ پر چل، اللہ کی عام رحمت (رسول) سے ناامید نہ رہو)

پردہ بگذار آشکارا شو گزیں　　تا بہ لرزد از سجود تو زمین

(پردے سے نکلو اور خود کو آشکار کرو تاکہ تیرے سجدے سے زمین میں (بھی) لرزہ پیدا ہو جائے)

پابندئ صوم و صلوٰۃ اس کتاب میں اسلام کی اُن تمام خوبیوں کو جو عبادات میں موجود ہیں قارئین کے سامنے پیش کیا گیا ہے اور اس راز کو

واشگاف الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے کہ نماز و روزہ کی زندگی سے بیگانہ رہ کر انسان کامیاب زندگی بسر نہیں کر سکتا اور نماز روزہ ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس کو اختیار کرنے سے انسان اسلام کے زینے پر چڑھ کر آخری منزلوں کو بھی طے کر لیتا ہے۔ ایسے عبادت گزار لوگ اس دنیا میں بھی بامراد اور آخرت میں بھی فائز المرام ہوتے ہیں دنیا کے مصائب سے دکھی انسانیت کا چھٹکارا اسی بات میں ہے کہ وہ اپنے آقا کی بغاوت کو ترک کر کے اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے۔ اس خدائے قدوس نے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری دین دے کر بھیجا ہے فرمایا ہے کہ جب مصائب تمہیں گھیر لیں تو اس کا علاج یہی ہے کہ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (اور مدد لو صبر اور نماز سے) اگر کوئی شخص اس قدر معلوم کرنے کے بعد بھی بغاوت اور نافرمانی کے اندھیروں میں رہتے ہوئے مشکلات اور مصائب کا شکار رہنا چاہے تو اس سے زیادہ اور کسی کی کیا بدبختی ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنے اسلاف کی راہوں پر چلنے کی سعادت عطا فرمائے اللہ تعالیٰ اس شخص پر اپنی سلامتی بھیجے جو ہدایت کے راستے پر چلا اور حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔ آمین

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ

کی آیت میں حق تعالیٰ بندے سے بہ طریق شفقت فرمارہا ہے کہ اپنے رب کی خوشنودی کے لیے اس کے حکم اور بلا پر صبر کر کیونکہ ایمان کی حلاوت اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ تو تیر بلا کا نشانہ نہ بنے۔ اگر تمہیں خدا کے رؤف الرحیم ہونے کا یقین ہو اور غفور الرحیم ہونے پر اذعان ہو اور ذوالفضل العظیم پر ایقان ہو تو تم ناپسند کو دیدہ کو پوشیدہ رحمت سمجھو گے۔ ماں اپنے غلیظ بیٹے کے جسم کو صابن اور گرم پانی سے رگڑ رگڑ کر نہلاتی ہے اور بچہ چیختا چلاتا اور دکھ محسوس کرتا ہے مگر ماں کا مقصد آزار پہنچانا نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر تمہارے کسی عضو کی چیر پھاڑ کرتا ہے اور تم اسے ناپسند کرتے ہو مگر وہ سب کچھ تمہاری شفا کے لئے کرتا ہے شیخ ابوالحسن شاذلیؒ فرماتے ہیں کہ تمہیں کسی چیز کا نہ دینا حق تعالیٰ کی طرف سے بخل کی وجہ سے نہیں بلکہ عین رحمت ہے۔

خدا کے نہ دینے کو دینا وہی سمجھتا ہے جو صدیق ہو

فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا (شاید تم کسی چیز کو برا جانو اور اللہ تعالیٰ نے اسمیں خیر کثیر رکھی ہو النساء)

بھی جب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدائد پر بھی اسی طرح شکر فرماتے جس طرح نعمتوں پر ہر مصیبت میں مومن پر اللہ کی تجلّی نازل ہوتی ہے اور اس سے اُسے ایسی حلاوت نصیب ہوتی ہے کہ غم کی سختی اس پر نرم ہوجاتی ہے اور اُس کو دکھ محسوس نہیں ہوتا جیسے کہ زلیخا کی سہیلیوں کو انگلیوں کے کٹنے پر تکلیف محسوس نہ ہوئی۔ کہتے ہیں کہ شہید کی گردن کٹنے پر اُسے اتنی بھی تکلیف نہیں ہوتی جتنی چیونٹی کے کاٹنے سے ہوتی ہے۔ گویا خدا کے قرب سے ادراکِ الم مفقود ہوجاتا ہے ایک حدیث شریف میں ہے کہ مصیبتوں سے نفس دب جاتا ہے اور ذلیل و خوار ہوجاتا ہے اور اللہ کی طرف جب متوجہ ہوجاتا ہے تو غم کے سبب نفس کی خامیاں دُور ہوتی ہیں۔ اس سے قلب کا تزکیہ، روح کا تجلیہ اور انسان کے اعمال صالح ہوجاتے ہیں۔

حضرت معروف کرخیؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو اپنے مولا کی ضرب سے لذت نہیں حاصل کرتا وہ سچا غلام نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب بندہ اللہ سے محبت کرتا ہے تو اُس کو مصیبت میں مبتلا کرتا ہے اور اگر وہ صبر کرلے تو اپنا پسندیدہ بنالیتا ہے اور اگر راضی رہے تو برگزیدہ بنا لیتا ہے۔

صبر | قرآن میں صبر کے متعلق نوّے مرتبہ ذکر آیا ہے اور فرمایا کہ صابر اللہ کا محبوب، اللہ کی معیت میں لوگوں کی امامت و پیشوائی اور خلق کی ہدایت کا منصب دار، لوگوں کے مکر و فریب سے بچنے والا، لوگوں پر غالب آنے والا، اپنے منصب پر فائز ہونیوالا اور اللہ کے وعدوں (یعنی دشمن سے نجات اور ملک و حکومت) کے پانے کا حقدار بن جاتا ہے۔ صابر کو اللہ تعالیٰ بے حد اور بے شمار اجر دینے والا ہے اور اتنا اجر کسی عمل پر بھی وارد نہیں ہوا۔ صبر کا ادب یہ ہے کہ شکوہ و شکایت زبان پر نہ آئے البتہ اللہ کے دربار میں عرض کرے جیسے یعقوب علیہ السلام نے فرمایا۔ اِنَّمَآ اَشْکُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ۔ (میں تو اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اللہ ہی سے کرتا ہوں۔ یوسف ۸۶) صبر کے معنی توافق بالقضا (قسمت پر رضامند ہونا ہے) اور یہ کہے "ہرچہ آں خسرو کند شیریں بود (جو وہ بادشاہ کرتا ہے نہایت پیارا لگتا ہے) یا دل میں یہ کہے کہ۔

۶ جہاندار داند جہاں داشتن (جہانوں کا مالک ہی جہانوں کو رکھنا جانتا ہے)

غموں کا دل پر اثر ہونا تو ایک فطری بات ہے لیکن اس میں ناانصافی اور

شکوے کا رنگ نہیں ہونا چاہیئے۔ اسباب پر نظر ہونا صبر کے منافی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء جلالی بھی ہیں اور جمالی بھی اور اس کی یہ صفات ہر وقت مصروفِ عمل رہتی ہیں اور ایک لمحہ کیلئے بھی معطل اور بیکار نہیں ہوتیں لہٰذا خیر و شر، رنج و راحت، لذت و الم، نعمت و بلا ان ہی کی تجلیات کا نتیجہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق بلاؤں میں صبر اور نعمتوں میں شکر قلب انسانی میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیتے ہیں۔

اہلِ صبر کے لئے کائنات کی تسخیر آسان ہو جاتی ہے

اور یہ بلاؤں سے مقابلہ اور نعمتوں پر شکر سے ہی ممکن ہے۔ رنج کی طرح شکر کو بھی حق تعالیٰ کی طرف سے سمجھا جائے۔ نعمت کے حصول کے بعد نعمت کی قدر نہیں رہتی اور چھن جائے تو دکھ ہوتا ہے اسی لئے کہا گیا ہے "قدرِ نعمت بعدِ زوال" یہ بھی کہا گیا ہے کہ اَلشَّاكِرُ يَسْتَحِقُّ الْمَزِيْد (شاکر نعمتوں میں زیادتی کا مستحق ہے) قرآن میں بھی ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (اگر تم شکر کرو تو نعمتوں میں اور بھی اضافہ کر دیں گے) حق تعالیٰ سے استعانت حاصل کرنے کے طریقے اس باب کے اوائل میں اور حصہ نماز میں بیان کئے گئے ہیں ہماری تصنیف "روح نماز" میں بھی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے بہت سے مضامین شامل کئے گئے ہیں جس کے مطالعہ سے دین پر چلنے کی سعادت کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ علامہ فرماتے ہیں۔ ؎

مردِ حق از آسماں افتد چو برق هیزمِ او شهر و دشت غرب و شرق (رابدمن)

(مردِ خدا آسمانوں سے بجلی کی طرح جھپٹتا ہے، شہر و صحرا اور شرق و غرب اسکا ایندھن بن جاتے ہیں)

شیشۂ خود را بگردوں بستہ طاق فکرش از جبریل می خواہد صداق

(انسان کا شیشۂ (دل) نے آسمان میں طاق بنایا ہے، اور اپنے فکر کی رونمائی جبریل سے چاہتا ہے)

فرشتہ گرچہ بروں از طلسمِ افلاک است نگاہِ او بتماشائے ایں کفِ خاک است

(فرشتہ اگرچہ پابندی فطرت سے آزاد ہے، مگر اس کی نگاہ اس بندۂ خاکی کے تماشے پر رہتی ہے)

فروغِ مشتِ خاک از نوریاں افزوں شود روزے زمیں از کوکبِ تقدیرِ او گردوں شود روزے

(فرشتے کہتے ہیں کہ یہ مٹھی بھر خاک ایک روز فرشتوں سے بڑھ جائیگی، آدم کی بلندی تقدیر سے یہ زمین بھی ایک روز آسمان بن جائیگی)

اختتامیہ

جو دیا نشانِ منزل بطریقِ دین میں نے
ہے بقا اسی میں تیری، اے قوم کے سپاہی

اِس کتاب کے مطالعہ کے ساتھ قاری کو اِس بات کا احساس ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے اِس دنیا میں کس طرز کی زندگی بسر کرنا پسند فرمائی ہے۔ اِس کتاب میں اِس بات کے متعلق بھی کچھ تفصیل گزری ہے کہ مخلوقات کو تخلیق کرنے کی غرض و غایت کیا ہے اور کائنات کی تخلیق کن مراحل میں سے گزر کر آئی ہے؟ عقلی، نقلی اور مشاہداتی دلائل سے یہ نکتہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظروں میں کامیاب انسانی زندگی گزارنے کا طریقہ صرف اسلام کا ہی بتایا ہوا راستہ ہے بلکہ اِس کے سوا اور کوئی صحیح راستہ ممکن ہی نہیں۔
جہاں اسلام کے راستے پر چلنے سے کمالات کے حصول کی امید دلائی گئی ہے وہاں اسلام مسلمانوں پر چند پابندیاں بھی عاید کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ مسلمان کو اُس کی منزلِ مراد پر پہنچنے سے پہلے اُس سے کچھ مشکلات، تکالیف اور مصائب کے برداشت کرنے کی بھی توقع رکھتا ہے۔ لہٰذا وہ شخص جو خدا کا بندہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اُسے چاہیئے کہ اپنے اعمال سے ثابت کر دے کہ وہ اِس دنیا کے عیش و عشرت کی بجائے خدا کی خوشنودی کو ترجیح دینا چاہتا ہے اور اِس کے مقابلہ میں جن طاغوتی، نفسانی اور شیطانی طاقتوں کو تخلیق کیا گیا ہے وہ اِن کی غلامی اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اِس امتحان میں صرف وہی شخص کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے جس نے اپنی مرضی کو خدا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق ڈھال لینے کا تہیہ کر لیا ہو۔ یہی ایک بہت بڑی کامیابی ہے اور یہ کامیابی اولیاءِ کرام کا شعار ہے۔ عام مسلمانوں کے لیے خود کو خدا کی مرضی کے مطابق ڈھال لینے سے مراد سخت مجاہدات کا اختیار کرنا نہیں بلکہ یہ کہ انسان اصولی طور پر صرف دنیا کا ہی ہو کر نہ رہ جائے اور دنیا کو اپنی توجہات کا مرکز نہ بنا لے

اور اس کے برعکس اپنے دل کے زاویۂ نگاہ کو خدا کی طرف بھی جھکائے رکھے اور یہ تمنا کرتا رہے کہ خدا اُسے گناہوں سے بچالے اور نیکیوں کی توفیق عطا فرمائے۔ اس طرح کوشش کے تسلسل قائم کرنے سے ایک دن وہ بھی باعمل مسلمان بن سکتا ہے۔

یہ اسلامی زندگی مسلمانوں کو نورانی، وجدانی اور روحانی معیار کی ممتاز بلندیوں پر لا کھڑا کرتی ہے اور ایسی زندگی پر ہی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے دینی اور دنیاوی انعامات کو مخصوص فرمایا ہے۔ اسلامی زندگی پر چلنا اگرچہ بظاہر ایک عامی، شیطانی اور نفسانی زندگی سے ذرا مشکل اور کٹھن نظر آتا ہے مگر ہم پر یہ اللہ تعالیٰ کا کس قدر احسان ہے کہ اُس نے ان راہوں کو بھی ہمارے لیے بہت آسان فرما دیا ہے جیسے سورۂ لیل میں ہے فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ یعنی اگر کوئی شخص اسلامی راہ پر چلنے کی ٹھان لے اور اپنے دل میں اس کی تمنا یا لگن پیدا کر لے تو خدائے قدوس خود ایسے بندوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس راز سے عام لوگوں کو ابھی تک آگہی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ اگر کوئی اپنے دل میں صرف اسلامی زندگی کی طلب، اضطراب اور لگن پیدا کر لے تو اللہ تعالیٰ کی رحمتیں بڑھ کر اُسے لبیک کہتی ہیں اور اُس کی شفقت اُس کی دستگیری کرتی ہے۔ اس نکتہ میں بندگی اور بندہ پروری کے تمام اصول سمو دیئے گئے ہیں۔

اس کتاب میں یہ بات بھی واضح کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلص بندوں کی پہچان کے لیے شیطان کو اُس کی قوتوں کے ساتھ اس طرح تخلیق کیا ہے کہ یہ شیطان قدم قدم پہ خدا کی راہ پر آنے والے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ اُس کی اس مخالفت اور مخاصمت کا مقصد صرف یہ ہے کہ ان رکاوٹوں کے مقابلے میں مسلمان خدا کے ساتھ اپنی وفاداری کا کچھ توثبوت مہیا کر سکے۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر بندے کی نیت درست ہو تو اللہ تعالیٰ بندے میں ان طاغوتی طاقتوں کے ساتھ مقابلے کی استعداد بھی خود ہی پیدا فرما دیتا ہے۔ چونکہ وہ خود بھی یہی چاہتا ہے کہ میرے بندے شیطان اور جہنم کی گرفت سے محفوظ رہیں، اس لیے اُس نے ایک نہایت آسان شرط عاید کی ہے کہ تم اپنے دل میں شیطان سے میری پناہ مانگتے رہو اور میری محبت کی لگن پیدا کر کے میری بارگاہ میں میری مدد کی جستجو کرتے رہو گے تم میرے

قریب آنے کی کوشش کرتے رہو گے تو چند دنوں کے بعد ہی تم میری مشفقانہ ہمدردیوں اور رحمتوں کو شیطان سے حفاظت کے لیے اپنی پشت پناہی میں پاؤ گے۔

اسلام کسی شخص کو مسلمان بننے کے لیے سخت مشکلات اور عبادات میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا۔ جو شخص اسلام کے پانچوں ارکان کو عمل کے ساتھ تسلیم کرتا ہے تو وہ بالاتفاق جنت کا حق دار ہے۔ غور کا مقام ہے کہ ان پانچ ارکان میں سے حج تو عمر بھر میں صرف ایک بار (بشرطِ استطاعت) ہے اور زکوٰۃ بھی سال میں ایک بار (بقدرِ استطاعت) ہے اور رمضان کے روزے بھی سال میں ایک بار ہوتے ہیں۔ لہٰذا سارے کا سارا اسلام نماز ہی کے گرد گھومتا ہوا نظر آتا ہے۔ جو شخص پانچ نمازوں کی پابندی اختیار کرلے (اور خود کو کبائر سے بچاتا رہے اور اپنے ذمے عائد شدہ حقوق میں خیانت نہ کرے) تو وہ یقیناً جنت کا حقدار ہے۔ نماز کی پابندی کرنے والوں کو جو دیگر انعامات دیئے جاتے ہیں ان کا بھی اس کتاب میں ذکر کیا گیا ہے مگر افسوس ہے کہ مسلمان کسی ندا یا صدا کو نہیں سنتا۔ وہ دنیا کی معمولی لذتوں کی خاطر اللہ تعالیٰ کے موعود انعامات کو نظر انداز کر دیتا ہے حالانکہ دن بھر کی نمازوں کے لیے آدھ گھنٹے سے زیادہ وقت درکار نہیں۔ یہ بات عقل سے بعید ہے کہ انسان ذرا سی غفلت کے باعث دنیا کے مصائب اور جہنم کے عذاب کو قبول کرنے کے لئے بخوشی راضی ہو جائے۔

زیرِ نظر کتاب میں نماز کی راہ میں حائل ہونے والی تمام مشکلات کا حل پیش کیا گیا ہے۔ اور اس کا ہر قاری کتاب کے سنجیدہ مطالعہ کے بعد نمازی بننے کی سعادت حاصل کر سکتا ہے۔ اس نسخۂ کیمیا کی مدد سے ہزاروں لوگ نمازی بن چکے ہیں۔ غفلت سے کام نہ لیں۔ آپ بھی بسم اللہ کریں۔ ذرا سی بات پر خدا کو کیوں ناراض کیا جائے اور خود کو کیوں عذاب میں گرفتار کیا جائے۔ فقہاء کا قول ہے ــــــ

اَلرَّاضِیُ بِالضَّرَرِ لَا یَسْتَحِقُّ النَّظَرَ (جو اپنے نقصان پر راضی ہو وہ شفقت کا مستحق نہیں ہوتا۔)

دینِ اسلام کی شاہراہ پر گامزن ہونے کے لیے اس کتاب میں دیئے گئے آسان طریقوں کی نشاندہی حاصل ہو جانے کے بعد بھی اگر کوئی شخص خدا اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر آمادہ نہیں ہوتا تو اسے یہ بات سمجھ لینا چاہیئے کہ مسلمانوں کی موجودہ بدحالی کی تمام تر ذمہ داری اُس پر اور اُس جیسے دیگر مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے اور وہ آسان طریقۂ نماز جان لینے کے بعد خدا کی بارگاہ میں اور کیا عذر پیش کریں گے۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے کلام کے ذریعے اپنی پوری زندگی مسلمانوں کو اسلام کی طرف رغبت دلانے میں صرف کر دی۔ آپ کے چند پر درد اشعار پیش کیے جا رہے ہیں۔ اُن کے مزید کلام کے لیے "سرمایۂ ملت" میں "ملتِ اسلامیہ کے چراغ" کے مضامین میں ملاحظہ فرمائیں۔

در بدن داری اگر سوزِ حیات ۔۔۔ ہست معراجِ مسلماں در صلوات

(اگر تو اپنے بدن میں سوزِ حیات رکھتا ہے تو یہ جان لے کہ نماز میں ہی مومن کی معراج ہے)

کارِ اقوام و مِلَل نابد درست ۔۔۔ از عمل بنما کہ حق در دستِ تست

(قوموں اور ملتوں کے کام اُس وقت تک درست نہیں ہو سکتے جب تک اپنے عمل سے دنیا کو یہ نہ دکھا دو کہ تم حق کی راہ پر ہو)

در حرم زاد و کلیسا را مرید ۔۔۔ پردۂ ناموسِ ما را بر درید

(مسلمان حرم میں پیدا ہوا مگر اب وہ گرجے کا مرید ہے۔ اُس نے تو ہمارے ناموس کا پردہ ہی چاک کر دیا ہے)۔

گرچہ دارد لا الٰہ اندر نہاد ۔۔۔ از بطونِ او مسلمانے نہ زاد

(مسلمان اگرچہ اپنے باطن میں لا الٰہ رکھتا ہے لیکن اُس کے بطن سے ایک بھی مسلمان پیدا نہیں ہوتا)

طرحِ عشق انداز اندر جانِ خویش ۔۔۔ تازہ کن با مصطفےٰ پیمانِ خویش

(عشق کی بنیاد اپنی روح سے شروع کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا عہد و پیمان تازہ کرو)

ہر کہ عشقِ مصطفےٰ سامانِ اوست ۔۔۔ بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست

(ہر وہ شخص جس کے دل میں عشقِ مصطفےٰ کا سامان ہے تمام بحر و بر اُس کے دامن کے ایک کونے میں آ جاتے ہیں)

اللھم وفقنا فی مھمات الامور بحرمت سیدِ یوم النشور علیہ الصلوٰۃ والسلام
آمین

شجرہ شریف

سلسلہ نقشبندیہ صاحبزادہ عبداللطیف نقشبندی جاکپائے آستانہ نیریاں شریف

"یا الٰہی خستہ عالم رحم کن بر حال ما — اِتّقا دارم زِ فضلت نیست جز تو والِ ما"
اِلتجا دارم بہ درگاہت بنامِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم — کآں بود احمد محمد در صفات و در عطا

دست او گیرم کہ دستِ خویش او را گفتہ ای
زیں سبب گفتہ نہ باشد دستِ او از تو جدا

حضرت صدیق و سلمان قاسم و جعفر دگر — بایزید و خواجہ بالحسن خورشید فر
بوعلی بحرِ عطا بو یوسف ابرِ کرمت — عبدِ خالق عارف و محمود شاہِ داد گر"
بحرِ کرم رامیتنی بابا سماسی و کلال — نقشبند عطار و چرخی عشق را تیغ و سپر
پس عبیداللہ و زاہد خواجہ درویش اجل" — خواجہ الکنگی و باقی باللہ آمد خوب تر
پس مجدد عروۃ الوثقٰی و شاہ شاہ حسین — خواجہ عبدالباسط و شاہ عبدِ قادر دیدہ ور
نعنوی محمود خواجہ اولیا عبداللہ شاہ — شاہ عنایت حافظ احمد والیانِ بحر و بر
فخرِ ہند عبدالصبور و گل محمد شاہ غفور — خلق را عبدالحی عبدالعزیز آمد دگر
خواجہ سلطان السلوک و آں نظام الدین شہ — خواجہ قاسم ہادیِ ہند و جہاں را راہبر
زاہدِ کامل محی الدین شاہ نیروی — داد علاؤالدین جہانِ عشق را کامل نظر

یا الٰہی رحم کن بر ما طفیلِ آں شہاں
لطف فرما بر لطیفؒ دوستاں شام و سحر

ختمِ خواجگان

بروز جمعۃ المبارک بعد نماز عصر و قبل از مغرب پڑھیں

نمبر	ورد	تعداد
۱	بسم اللہ شریف	۱۰۰ بار
۲	درود شریف	〃
۳	الحمد شریف	〃
۴	سورہ الم نشرح لک	۷۹ بار
۵	سورہ اخلاص	۱۰۰۰ بار
۶	الحمد شریف	۷ بار
۷	درود شریف	۱۰۰ بار
۱	یَاقَاضِیَ الْحَاجَاتِ	۱۰۰ بار
۲	یَاشَافِیَ الْاَمْرَاضِ	۱۰۰ بار
۳	یَاکَافِیَ الْمُهِمَّاتِ	۱۰۰ بار
۴	یَادَافِعَ الْبَلِیَّاتِ	۱۰۰ بار
۵	یَارَافِعَ الدَّرَجَاتِ	۱۰۰ بار
۶	یَاحَلَّ الْمُشْکِلَاتِ	۱۰۰ بار
۷	یَامُسَبِّبَ الْاَسْبَابِ	۱۰۰ بار
۸	یَامُفَتِّحَ الْاَبْوَابِ	۱۰۰ بار
۹	یَاغِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ	۱۰۰ بار
۱۰	یَاوَاسِعَ الْمَغْفِرَاتِ	۱۰۰ بار
۱۱	یَامُنَزِّلَ الْبَرَکَاتِ	۱۰۰ بار
۱۲	یَامُجِیْبَ الدَّعْوَاتِ	۱۰۰ بار
۱۳	یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ	۱۰۰ بار
۱۴	درود شریف	۱۰۰ بار

الداعی: عبداللطیف خان نقشبندی

ڈائریکٹر، محکمہ موسمیات، لاہور (ریٹائرڈ)

ایصالِ ثواب برائے خواجگان نقشبند

نمبر	نام
۱	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
۲	خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ
۳	خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ
۴	خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ
۵	خواجہ ابو یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ
۶	خواجہ عارف ریوگری رحمۃ اللہ علیہ
۷	خواجہ بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ
۸	خواجہ امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ
۹	پیران پیر خواجہ بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ
۱۰	خواجہ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ

(من خدام دربار نیریاں شریف)

مصنف کی تصنیفات

نام کتاب اور پبلیشر	موضوع
☆ بیعت کی تشکیل اور تربیت : (جنگ پبلشرز، دوبار شائع کر چکے ہیں)	بیعت کا جواز، اس کی اہمیت اور تصوف کے احوال و اشغال پر مدلل گفتگو
☆ حضورِ قلب : (جنگ پبلشرز سے تیسری بار چھپ رہی ہے)	معارفِ قلب، خشوع و خضوع، اقبالؒ کا فلسفۂ حضور
☆ تہذیبِ نفس : (پریس میں جانے والی ہے)	خطرات و آفاتِ نفس اور تزکیہ و تصفیہ باطن، دنیائے دنی اور نفس کی حقیقت
☆ رابطہ شیخ : (جنگ پبلشرز سے شائع ہو چکی ہے)	رابطہ شیخ اور تصورِ شیخ کا جواز، شیخ طریقت سے حاصل ہونے والی روحانی توجہات، کمالات، معاملات اور تصرفات۔
☆ سنتِ مبارکہ : (شائع ہونے والی ہے)	سنت کا تعارف، مقام، افہام، اقسام، تاریخ، آئینی اور شرعی حیثیت، احیاء اور اتباعِ سنت کی ترغیب۔
☆ نشانِ منزل : (پرانا نام نشان منزل جلد اول حصہ اول) (سنگ میل سے چوتھی بار طبع ہو رہی ہے)	پابندیٔ صوم و صلوٰۃ کی اہلیت پیدا کرنے والی کتاب۔ دین کے بنیادی علوم مہیا کرتی ہے۔
☆ روحِ نماز : (پرانا نام نشان منزل جلد دوم) (فیروز سنز شائع کر چکا ہے)	نماز کے مفصل معارف اور روحانی اسرار ضخامت ۸۰۰ صفحات
☆ سرمایہ ملت : (پرانا نام نشان منزل جلد اول حصہ دوم) (کام جاری ہے)	ملت اسلامیہ کا چراغ، مسلمانوں کا علمی نصاب، سرمایہ قرآن، اقبالؒ اور رومیؒ کی خدمات، مکتوباتِ لطیف

☆ متاعِ اخلاق : (پرانا نام نشانِ منزل جلد سوم)
اخلاقیات پر ایک خوبصورت اور دلچسپ کتاب

☆ اسلام اور روحانیت :
(تکمیل کا کام جاری ہے)
تصوف کے علوم اور راہِ حق کی تلاش

☆ مسلکِ اولیائے امت :
(ہنوز زیرِ ترتیب ہے)
ان عقائد کی وضاحت جن پر جملہ اولیائے کرام قائم رہے۔

☆ بیا بہ مجلس اقبال :
(شیخ غلام علی پبلشرز شائع کر چکے ہیں)
اقبال کے فارسی کلام کی فہرست جس کی مدد سے علامہ کا کوئی شعر بھی ڈھونڈا جا سکتا ہے۔

☆ جنیدؒ و بایزیدؒ :
(ہنوز کام جاری ہے)
روحانیت جنیدؒ و بایزیدؒ اور ان کے مقالات واحوال

☆ عقل و عشق اور فلسفہ خودی :
(نستعلیق کمپیوٹر کمپوزنگ ہو چکی)
کمالاتِ عشق اور اقبال کا فلسفہ خودی

☆ اکتساب رزق و انفاق :
(کام جاری ہے)
قرآن کا روحانی اندازِ اکتساب و انفاق

☆ مسئلہ تقدیر :
(تکمیل کے آخری مراحل میں ہے)
نوجوانوں کی بے عملی کا خوبصورت حل۔

☆ اقبال اور دیگر شعرا : (تقابلی جائزہ)
(تکمیل کے آخری مراحل میں ہے)
مصنف کے بڑے بھائی جناب کے۔ ایم۔ نیاز کی غیر مطبوعہ تحریروں کا مرتب مجموعہ۔ اقبالؒ اور چند دیگر شعرا پر مفصل اور پُر مغز تحریر۔

☆ ثنائے خواجہ :
(جملہ کاموں کی نگرانی ہو رہی ہے)
مصنف کے نعتیہ کلام کا مجموعہ

اسلامی کتب

کتاب	مصنف
☆ جدید دور کے مسائل اور ان کا حل (انعام یافتہ) (قرآن اور سیرت طیبہ کی روشنی میں)	ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی
☆ رسول اللہ کی خارجہ پالیسی	اسد سلیم شیخ
☆ رسول خدا کا دشمنوں سے سلوک	امداد صابری
☆ قرآن حکیم کا نظریہ علم	ڈاکٹر خواجہ معین الدین جمیل
☆ مسلمانوں کا علم جغرافیہ اور شوق سیاحت	صوفی غلام مصطفیٰ تبسم
☆ النبی الخاتم ﷺ	مناظر احسن گیلانی
☆ حکمت قرآن	صوفی غلام مصطفیٰ تبسم
☆ ماوزے تنگ کے افکار اسلام کی نظر میں	مسرت افتخار چودھری
☆ آیات بینات	ثریا عندلیب
☆ عربی خود سیکھیے	پروفیسر رفیع اللہ شہاب
☆ نام بچوں کے نام	افضال احمد/اعجاز احمد
☆ اصول شرع محمدی ﷺ	سید امیر علی
☆ صحابہ کرام اور عشق حبیب ﷺ کے تقاضے	ڈاکٹر علی اصغر چودھری
☆ نبی اکرم ﷺ کی مسکراہٹیں	ڈاکٹر علی اصغر چودھری
☆ الکتاب کے آئینے میں انسان اور ابلیس	ڈاکٹر علی اصغر چودھری
☆ قرآن مجید اور پانچ انسانی قوتیں	ڈاکٹر علی اصغر چودھری
☆ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات و معمولات	محمد کلیم آرائیں
☆ سیرت پاک ﷺ کوئز	محمد کلیم آرائیں
☆ منصب حکومت اور مسلم عورت	پروفیسر رفیع اللہ شہاب
☆ رحمت للعالمین ﷺ کتابیاتی جائزہ	ہدایت اللہ
☆ قصاص و دیت	چودھری الطاف حسین
☆ قانون فوجداری مع قصاص و دیت	ملک ریاض خالد
☆ پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں	ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی
☆ لبیک	ممتاز مفتی
☆ سیرت نبوی ﷺ کے منہاج	پروفیسر سمیع اللہ قریشی

Rs. 70.00

www.sang-e-meel.com
ISBN 969-35-0701-0